عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حمیرا کوثر

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

اگست ۲۰۱۸ء

عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حمیرا کوثر

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

اگست ۲۰۱۸ء
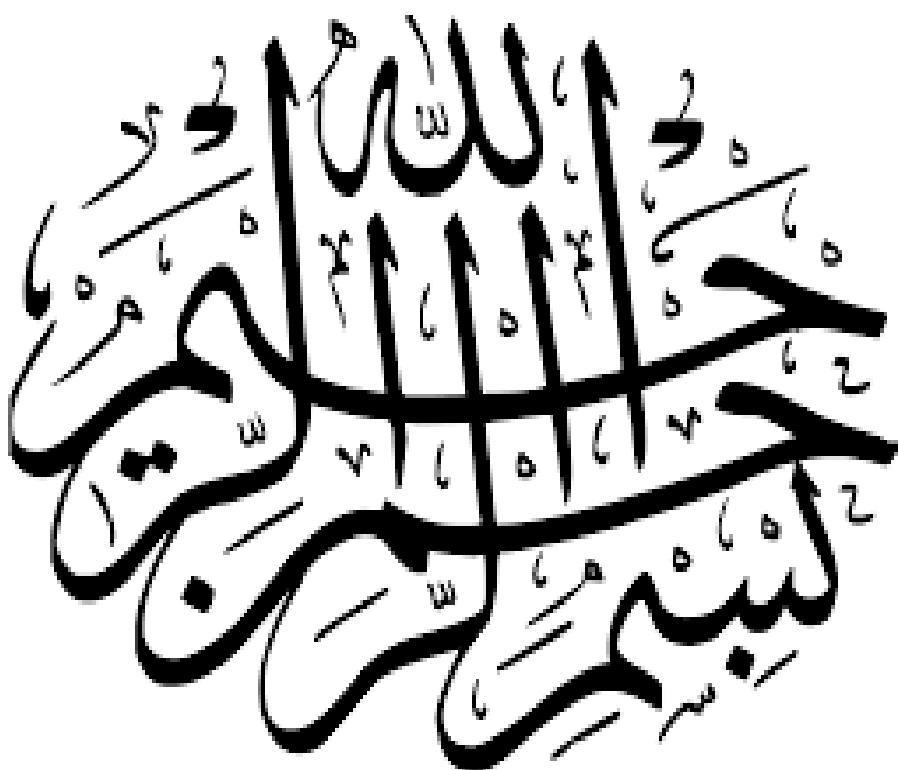
منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

Pakistan's peace issues and their Remedies in current era

(An Analytical Study in the light of seerah)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حمیرا کوثر

رجسٹریشن نمبر: ۵۲۵-PhD/IS/F۱۴

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

(نگران مقالہ) ____________________ دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر صفیانہ خاتون ملک

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم

(ریکٹر نمل) ____________________ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں حمیرا کوثر ولد محمد صدیق

رول نمبر: ۵۲۵ رجسٹریشن نمبر: ۵۲۵-PhD/IS/F۱۴

طالبہ ، پی ایچ ۔ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ بعنوان: **عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک**

(سیرت طیبہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

Pakistan's peace issues and their Remedies in current era

(An Analytical Study in the light of seerah)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: حمیرا کوثر

دستخط مقالہ نگار: ____________

فہرست ابواب

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب

اولا: آنحضرت ﷺ کی طرف کرتی ہوں جن کی جہد مسلسل سے دنیا ظلمت کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی تعلیمات امن سے متعارف ہوئی۔ آنحضرت ﷺ پیغمبر امن تھے انہوں نے دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیا۔

ثانیا: اپنے والدین اور اساتذہ کرام، دوستوں اور اپنے بھتیجے محمد سعد کے نام کرتی ہوں جن کی دعاؤں اور رہنمائی سے مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔

اظہار تشکر

سب سے پہلے رب کائنات کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھ جیسی ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ دین اسلام کے بارے میں پڑھوں اور اس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھوں اور اسلام جو کہ ایک ضابطہ حیات ہے اور اس کی عملی تصویر آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ہے جنہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کا گذارا ہوا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

میں اپنے والدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ جن کی دعاؤں کی بدولت میرا حوصلہ بڑھا اور اس حوالے سے بہت سی تکالیف بھی برداشت کیں اگر ان کی حوصلہ افزائی دعائیں اور تعاون نہ ہو تا تو یقینا میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اس مقالے کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔

میں سپر وائزر (نگران مقالہ) محترم جناب سید عبد الغفار بخاری صاحب کی مشکور ہوں کہ انہوں نے تحریر مقالہ کے دوران بھرپور رہنمائی فرمائی اور اپنے قیمتی وقت سے ہمیشہ مجھے وقت دیا اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

میں خاص طور پر شکر گذار ہوں "ہائر ایجوکیشن کمیشن حکومت پاکستان "جس نے پی ایچ۔ڈی کرنے کے لئے اسکالرشپ ایوارڈ سے نوازا جس کی بدولت میں اس تحقیقی مقالے کو پوری یکسوئی کے ساتھ بر وقت پایہ تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہو سکی۔ میری دعائیں اس ادارے کے ساتھ ہیں یہ ادارہ تعلیمی و تحقیقی میدان میں ترقی کی بلندیوں کو چھوئے۔

دوران تحقیق تمام اساتذہ کرام جنہوں نے تعاون کیا اس پر ان کی مشکور ہوں۔ ہم جماعت طالبعلموں کی بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے اس مقالے کے مشکل مراحل میں میری حوصلہ افزائی کی۔

تمام کتاب خانوں کے ملازمین، مسولین کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق تعاون کیا۔ اس کے علاوہ جن احباب نے تعاون کیا ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ABSTRACT

The spread of peace was the main task of prophet Muhammad (PBUH). The prophet (PBUH) publicly conveyed this message "Aslam Taslam" meaning accept Islam and live in peace.If we study the Seerah of Prophet Muhammad (PBUH) then it will be concluded that there are many aspects of seerah of Prophet Muhammad (PBUH) and among them one of the main aspect of the life of Prophet was "preacher of peace and brotherhood" because Prophet Muhammad (PBUH)'s manner brought peace and brotherhood among the people. If today human being attains this fact, differences between nations, issue of racism, languages and a lot other will end. This will not only benefit the Muslim world but it can also lead to establishing great relationship of religious unity all over the world.

The topic of peace in Pakistan is very common these days but it is difficult to discriminate between a peace activist and vanguard operation. Proper implementation of preaching of prophet Muhammad (PBUH) is very much needed to save the society from today's insurrection. He (PBUH) secured basic rights of humanity in the society in which he lived, whether the inhabitants were Muslims or not. He explicitly said "He who torments non-Muslims, torments Me. Accordingly, he who torments Me torments Allah."

If we follow Holy Prophet's teachings there will be a positive change in an individual's life and resulting in positive impact on over all humanity. Muslims should respect others and try to maintain peace and should follow the straight path. Our beloved Prophet Muhammad (SAW) was sent as nothing but mercy to all the mankind. If the bringer of a religion is nothing but mercy and in His brought Truth there is no compulsion then the impression that Islam promotes violence seems illogical. Thus, Islam in its true essence is nothing but peace.

Peace means wide range of satisfaction and self-determination in man's individual, social, religious, moral and international life. Islam, that establishes peace at a national and international level, establish a wide range of independent institutions and get the influence of society in institutions that could be possible only by political power. Establishing peace in Pakistan by teaching new generation through educational institutions, impacting the minds by teaching spreading the teachings of Holy Prophet through print and electronic media, by publishing books of thought, continuing the integrity through research institutes, protecting their religion through mosques and madrasa's, Acquisition of financial through industrial institutions.

مقدمہ

موضوع تحقیق

عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

موضوع تحقیق کا پس منظر

آنحضرت ﷺ کی زندگی چونکہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۱)

ترجمہ: بے شک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تمھارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ امن و اخوت کے داعی تھے۔ لہٰذا آج کل کے دور میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں امن و سلامتی کے پہلو کی خاص اہمیت ہے، امن و سلامتی پر ہونے والی تحقیق میں: اسلام کا نظریہ امن و سلامتی اور عصری عالمی صورتحال، امن عالم اور اسلام، اور اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، شامل ہیں۔ گزشتہ کی گئی تحقیقات میں امن و سلامتی کو اسلام جو کہ وسیع موضوع ہے، کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ موجودہ تحقیق میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں امن کے حوالے سے لی گئی مثالوں کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان کو آج کل کے حالات کے تناظر میں پاکستان کو امن کے حوالے سے درپیش چیلنجز اسباب اور ان کے حل کے لیے بطور نمونہ اقدامات کی تجاویز دی گئی ہیں۔

موضوع تحقیق کا تعارف

امن و سلامتی کو پھیلانا آنحضرت ﷺ کے بنیادی مشن میں سے تھا آپ ﷺ نے اس پیغام کو اس طرح عام کیا کہ "اسلم تسلم"، یعنی اسلام قبول کرلو اور امن و سلامتی کی زندگی بسر کرو۔ اگر ہم پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یوں نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کہ بہت سے پہلو ہیں مگر آپ ﷺ کی زندگی کا اہم پہلو "بحیثیت داعی امن و اخوت" ہے کیونکہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ نے لوگوں کو محبت و اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔

آج کے دور کا انسان اس حقیقت کو پالے تو اختلاف قوم، رنگ و نسل اور زبان تمام جھگڑے از خود ہی ختم ہو جائیں اور نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ دنیائے عالم میں امن و اخوت کا عظیم رشتہ قائم ہو جائے گا جس کے لیے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۲۱

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾[۲]

ترجمہ: سب لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے۔

امن پاکستان کا موضوع آج کل اس قدر عام ہے کہ علمبر داران امن اور علمبر داران ظلم میں امتیاز کرنا بعض اوقات ایک مشکل امر بن جاتا ہے۔ کھلے شہروں پر غیر متحارب عوام کا لحاظ کیے بغیر بم دھماکے کرنے والے بھی امن کے پیامبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ظالموں کے حامی افراد و تنظیمیں بھی امن کے لاگ الاپتی رہتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی کامل ذات کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[۳]

ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت، اہمیت اور افادیت

امن کے معانی چین، اطمینان، سکون، آرام کے علاوہ صلح و آشتی اور پناہ کے معنی میں پائے جاتے ہیں۔ امن (جس کا تصور اسلام نے دیا ہے) صرف جنگ و قتال کی عدم موجودگی ہی نہیں بلکہ انسان کی انفرادی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے وسیع مفہوم کو سمیٹے ہوئے ہے اور اس مثالی کیفیت کا نام ہے جہاں زندگی کے تمام شعبے ترقی کا سفر کرتے ہیں۔

امن کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر قائم کرنے کے لیے اہل اسلام بڑے پیمانہ پر ہر قسم کے آزادانہ ادارے قائم کریں اور اداروں کے ذریعہ معاشرہ میں وہ نفوذ حاصل کر لیں جو پہلے صرف سیاسی اقتدار کے ذریعہ ممکن ہوا کرتا تھا۔ مثلاً تعلیمی اداروں کے ذریعے نئی نسلوں کی تربیت، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ عمومی فکری فضا بنانا، کتابوں کے ذریعے اپنے افکار کی اشاعت، تحقیقی اداروں کے ذریعہ اجتہاد کا عمل جاری رکھنا، مساجد اور مدارس کے ذریعے اپنے مذہب کی حفاظت، صنعتی اداروں کے ذریعے مالیات کا حصول، مواصلات کے ذریعہ اپنے مقاصد کی عالمی تنظیم، مختلف قسم کی این جی او کے ذریعے اپنے مذہبی اور ثقافتی امور کی تنظیم۔

مذہبی غلو اور شدت پسندی بھی ایک ایسا رویہ ہے جو بلاشبہ معاشرتی امن کا دشمن ہے۔ نبی ﷺ نے سابقہ ادیان ان کے نبیوں پر ایمان اور مساوی احترام کا حکم دیا تاکہ دیگر ادیان کے ساتھ احترام کی صورت پیدا ہو اور مذہبی منافرت کو ہوا نہ ملے قرآن کریم نے یہاں تک مذہبی بنیادوں پر قیام امن کے رویئے کو عام کر دیا:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[۴]

---

(۲) سورۃ الیونس: ۱۰/۱۹

(۳) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۷

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲/۲۵۶

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ

آج کل کے فتنہ پرور معاشرے کو انتشار سے بچانے کے لیے تعلیمات نبوی کی اہمیت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ تعلیمات نبوی کے تناظر میں امن قائم کر کے انسانی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں جس کے ثمرات سے بنی نوع انسان رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔

نبی ﷺ کی تعلیمات میں امن و سلامتی کا پیغام مضمر ہے لیکن اس سے صحیح معنوں میں استفادہ حاصل نہیں کیا جارہا ہے۔ پیغمبر امن ﷺ نے عالم انسانیت کو عقیدہ نظریہ بھی وہ دیا جو عقل و فطرت کی رو سے بالکل صحیح و حق ہے اور نظام بھی وہ دیا جو ہر شعبہ زندگی کے لیے نہایت معتدل و آسان ہے۔

موضوع تحقیق کی حد بندی

پاکستان کو قیام امن میں درپیش مسائل اوران کا تدارک کو سیرت طیبہ کے تناظر میں فقط بیان کیا ہے۔ امن کا مفہوم اس کی ضرورت و اہمیت اور قیام تعلیمات نبوی میں امن پاکستان کا قیام، امن کے عوامل و اسباب اور ان کا تدارک بیان کیا ہے۔ میری تحقیق پاکستان تک محدود ہے، ویسے تو امن کی بہت سی اقسام ہیں لیکن میں نے امن کے حوالے سے اپنی تحقیق کو پاکستان میں درپیش چیلنجز و اسباب اور ان کے حل تک محدود کیا ہے۔

مقاصد تحقیق

منتخب موضوع کے درج ذیل اہداف و مقاصد ہیں:

۱۔ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں موجودہ غیر امنی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زبوں حالی کی نشاندہی کرنا۔

۲۔ امن کے حوالے سے اسلامی ریاست کی وضاحت کرتے ہوئے موجودہ صورتحال کا جائزہ لینا۔

۳۔ امن کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں واضع کرنا۔

۴۔ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں پاکستان کے مسائل کے حل کے لیے ایک مثالی نظام کے قیام کی وضاحت کرنا۔

تحقیقی سوالات

اس تحقیقی مقالے کے بنیادی سوال درج ذیل ہیں:

۱۔ امن کی اہمیت سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں کیا ہے؟

۲۔ مذہبی ہم آہنگی اوراداروں کا قیام امن میں کیا کردار ہے؟

۳۔ معاشرتی امن کے لیے ضروری تدابیر کیا ہیں؟

۴۔ پاکستان میں بدامنی کے عوامل و اسباب اور امن میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل کیا ہے؟

مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق

گذشتہ کی گئی تحقیقات میں امن و سلامتی کو اسلام جو کہ وسیع موضوع ہے، کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ موجودہ تحقیق میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں امن کے حوالے سے لی گئی مثالوں کو پاکستان کو درپیش چیلنجز و اسباب اور ان کے حل کے تدراک کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ گزشتہ کی گئی تحقیقات کے موضوعات درج ذیل ہیں:

۱۔ ایم۔ فل سطح پر پنجاب یونیورسٹی میں ۲۰۰۴ء میں مقالہ عنوان "اسلام کا نظریہ امن و سلامتی اور عصری عالمی صورتحال" لکھا گیا۔ اس مقالے میں اسلام اور عصری عالمی صورتحال کے پیش نظر امن و سلامتی کے پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے مگر یہ کام سیرت نبوی کے تناظر میں امن پاکستان سے مختلف ہے۔

۲۔ ایم اے سطح پر پنجاب یونیورسٹی میں ہی ۱۹۹۲ء میں موضوع "امن اور اسلام" پر لکھا گیا۔

۳۔ ایم اے سطح پر پنجاب یونیورسٹی میں مقالہ ۱۹۷۲ء میں موضوع "اسلام امن و سلامتی کا دین" لکھا گیا ہے۔

۴۔ ایم اے سطح پر نمل میں مقالہ "امن و سلامتی کا مفہوم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں" لکھا گیا۔

۵۔ ایم اے سطح پر مقالہ "مکالمہ بین المذاہب اور امن عالم۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ" لکھا گیا۔

اب تک کسی نے بھی "عصر حاضر میں امن پاکستان کے مسائل اور ان کا تدارک سیرت طیبہ کی روشنی میں" پیش نہیں کیا جب کہ اس کے لیے ضخیم تحقیقی کام کی ضرورت ہے اور ابھی تک اس موضوع پر کسی ادارے نے کوئی تحقیقی کام نہیں کیا ہے۔

تحقیق کا منہج

تحقیق کا طریقہ کار تحقیقی جائزہ ہے۔ مسئلہ امن پاکستان کو موضوع بحث لایا گیا ہے اور اس پر مختلف زاویوں سے زندگی کے انفرادی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی، تعلیمی، سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ موجودہ تحقیق میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں امن کے حوالے سے لی گئی مثالوں کو پاکستان کو درپیش چیلنجز و اسباب اور ان کے حل کے تدراک کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ آج کل کے حالات کے تناظر میں پاکستان کو امن کے حوالے سے درپیش چیلنجز اسباب اور ان کے حل کے لیے بطور نمونہ اقدامات کی تجاویز دی گئی ہیں۔ تحقیقی موضوع میں پوری کوشش کے ساتھ اصل ماخذ و مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اور انہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس جگہ ضروری تھا وہاں تشریح و توضیح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اس بحث کے لکھنے میں جو منہج اختیار کیا گیا ہے وہ درج ذیل نقات پر مشتمل ہے:

۱۔ موضوع کے متعلق قرآن پاک کی آیات کا ذکر سورت کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ کیا گیا ہے اور آیات کو ﴿﴾ سے ظاہر اور آیت کے ترجمے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ کو جمع کیا ہے۔ اور ان احادیث کو اصل مصادر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ احادیث کو(()) سے ظاہر اور احادیث کے ترجمے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ شروح احادیث کی روشنی میں اس موضوع کے متعلق علماء کے اقوال اور آراء کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ موضوع کے متعلق سیرت مطہرہ کے مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۵۔ اقتباسات کو "" میں ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔ اگر ایک ہی نام کی ایک سے زیادہ کتب اور مؤلفین علیحدہ علیحدہ ہوں تو دوبارہ حوالہ دیتے ہوئے پہلی کتاب جو السرۃ النبویۃ ابن ھشام کو بغیر مؤلف کے ذکر کیا ہے اور باقی مؤلفین کا بھی ذکر کیا ہے۔

۷۔ مشکل کلمات کی تشریح لغت کے مطابق کی گئی ہے۔

۸۔ ضرورت کے مطابق اعلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۹۔ فہرست کی ترتیب اس انداز سے دی گئی ہے:

فہرست آیات قرآنی

فہرست احادیث نبویہ

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

خاکہ تحقیق

باب اول: امن: اہمیت، عوامل واسباب اور فوائد و ثمرات

فصل اول: امن کا مفہوم، اہمیت، دائرہ کار اور بنیادی تقاضے

مبحث اول: امن کا معنی و مفہوم

مبحث دوم: امن کی ضرورت و اہمیت

مبحث سوم: امن کا دائرہ کار

مبحث چہارم: قیام امن کے بنیادی تقاضے

فصل دوم: معاشرتی امن کے لیے ضروری تدابیر

مبحث اول: معاشرتی امن کے لئے عملی تدابیر

فصل سوم: پر امن معاشرے کی خصوصیات

فصل چہارم: امن کے انفرادی و اجتماعی فوائد و ثمرات

باب دوم: امن پاکستان اور تعلیمی ادارے

باب اول: امن: اہمیت، عوامل و اسباب اور فوائد و ثمرات

فصل اوّل: امن کا مفہوم، اہمیت، دائرہ کار اور بنیادی تقاضے

مبحث اول: امن کا معنی و مفہوم

مبحث دوم: امن کی ضرورت و اہمیت

مبحث سوم: امن کا دائرہ کار

مبحث چہارم: قیامِ امن کے بنیادی تقاضے

مبحث اول

امن کا معنی و مفہوم

امن کا مادہ آمن (ا-م-ن) سے مشتق ہے۔

امن خوف کی ضد ہے، اور اس کا مطلب امن میں آجانا ہے، مطمئن ہونا، امن کی جگہ پانا ہے۔

المعجم الوسیط میں ہے:

" أمِنَ البلدُ : اطْمَأَنَّ فيه أَهلُه"(۱)

ترجمہ: ملک میں امن امان ہوگیا اور اس کے باسی سلامتی پا کر مطمئن ہو گئے۔

ملک میں امن ہونے سے عوام پر امن زندگی گزارتے ہیں۔ مفردات القرآن میں امن کو اطمینان ہونے اور خوف نہ رہنے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جب امن ہو گا تو خوف خود بخود ختم ہو جائے گا۔

" أصل الأمن طمأنينة النفس وزوال الخوف"(۲)

ترجمہ: اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف نہ رہنے کے ہیں۔

نفسیاتی طور پر مطمئن ہونے سے انسان کو کوئی ڈر نہیں رہتا۔ امن کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خود بھی امن سے رہنا اور دوسروں کے لئے بھی امن کی خواہش رکھتے ہوئے انہیں امن دینا۔ جیسا کہ رازی نے لکھا ہے:

" الأمَانُ و الأمَنَةُ بمعنى وقد فهو آمِنٌ و آمَنهُ غيره من الأمْنِ و الأمَانِ "(۳)

ترجمہ: امان اور امنہ دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی امن پانا اور دوسروں کو امن دینا۔

امام زمخشری امن کا لغوی مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک پر امن فرد کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں؟ پر امن فرد دوسروں کو بھی پر امن دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگ فتنوں سے محفوظ رہیں۔

" فلان أمنة أي يأمن كل أحد ويثق به، ويأمنه الناس ولا يخافون غائلته "(۴)

ترجمہ: ایسی مجسمہ امن شخصیت جو دوسروں کو امن عطا کرے، اور لوگ اس کے فتنہ سے محفوظ ہو کر امن امان میں رہیں۔

---

(۱) المعجم الوسیط، مجموعہ علماء، دارالدعوۃ، استنبول، ترکیا، ۱۹۸۹ء، ۱/۲۷

(۲) مفردات القرآن، اصفہانی، راغب، الحسین بن محمد، دارالکتاب العربی، بیروت، ص: ۶۷

(۳) مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر، المکتبۃ العصریۃ، الدار النموذجیۃ، بیروت، صیدا، ۱۹۹۹ء، ۱/۲۲

(۴) اساس البلاغۃ، زمخشری، ابوالقاسم، محمود بن عمرو جاراللہ، دارالفکر، ۱۹۷۹ء، ص: ۲۱

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "المومن" بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ امن دینے والا ہے اس کے علاوہ اور کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے، لغت کے ماہرین کے نزدیک:

" المؤمن في صفة الله الذي أمِن الخلق من ظلمه،آمن أولياءَه عذابه"[1]

ترجمہ: المومن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ وہ اللہ جس ذات سے امن وابستہ ہے، مخلوق اس کے ظلم سے امن میں ہے اور وہ اپنے دوستوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا۔

آپ ﷺ نے خوف سے ہمیشہ پناہ مانگی اور اپنے لئے امن کی دعا کی کہ خوف کے بدلے امن عطا فرمایا جائے:

((اللَّهُمَّ آمِنْ رَوْعَتِي))[2]

ترجمہ: اے اللہ! مجھے خوف سے امن دے۔

امن کا لفظ اعتماد کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا:

﴿مَالَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلٰي يُوْسُفَ﴾[3]

ترجمہ: ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے؟

تعلیمات اسلامی امن و سلامتی کا درس دیتی ہیں اور اس پر عمل کرنے والا امن کا حقدار قرار پاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللَّهِ، فَمَنْ دَخَلَ فِيهِ فَهُوَ آمِنٌ))[4]

ترجمہ: بے شک یہ قرآن اللہ کا دستر خوان ہے، جو اس میں داخل ہوا امن پا گیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے سوال کرتے ہیں کہ امن کا حقدار کون سا شخص ہے اور پھر دوسری آیت میں بتاتے ہیں وہ شخص امن کا مستحق ہے جس نے اپنے ایمان کی حفاظت کی۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[5]

---

(۱) تاج العروس، الزبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۱/۱۴۷

(۲) النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابو عبید، القاسم بن سلام البغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۶۴ء، ۲/۲۷۷

(۳) سورۃ الیوسف: ۱۲/۱۱

(۴) المجالس الوعظیۃ فی شرح احادیث خیر البریۃ ﷺ من صحیح الامام البخاری، شمس الدین محمد بن عمر بن احمد السفیری الشافعی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء، ۱/۲۴۷

(۵) سورۃ الانعام: ۶/۸۱

ترجمہ: سو دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن وسکون کا حقدار ہے؟(بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟

﴿الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾[1]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان ہی کے لئے امن وسکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات میں امن کے حقیقی مستحق کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جو مسلمان خالص اللہ پر بغیر شرک کے ایمان لائے گا وہ امن کا حقدار ہو گا اور حقیقی امن اللہ تعالی کی محبت اور ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔ڈاکٹر حمید اللہ[2] امن کی تعریف اور اس کا مفہوم کچھ اس طرح واضح کرتے ہیں:

" آسودگی قلب ،داخلی اطمینان و سکون ، ہیجانی کیفیت سے نجات، معاشرتی اعتبار سے باہمی تعاون واشتراک سازگاری کی عمومی فضا، حقوق و فرائض کی متوازن ادائیگی اور معاشرتی حسن،خوبی اس کے مفہوم شامل ہیں۔"[3]

لہٰذا امن کسی بھی معاشرے کے لئے ناگزیر ہے اور اس کو قائم کرنے کے لئے انسان کے داخلی اور خارجی ماحول کا بہت عمل دخل ہے،اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے تمام افراد کا آپس میں تعاون کرنا ضروری ہے۔

امن سے مراد صرف جنگ کا نہ ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں انسان کی انفرادی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کے پہلو بھی شامل ہیں اور اس صورتحال کا نام ہے جس میں زندگی کے تمام شعبے ترقی کرتے ہیں۔ بدامنی اور فساد خود بخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کے اپنے اعمال کارفرما ہوتے ہیں۔کائنات میں فطری قانون کا عدل نافذ کرنے کے لئے ، سیدھے رستے پر آنے اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے امن کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ حقیقی امن وسکون اللہ کے ساتھ مخلص اور مضبوط تعلق سے ہی ہو سکتا ہے جس کا ذریعہ ذکر الہٰی ہے اس لئے فرمایا گیا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾[4]

---

(۱)سورۃ الانعام:۶/ ۸۲

(۲)ڈاکٹر حمید اللہ: آپ ۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد (بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو امریکہ میں فوت ہوئے۔(اصول حدیث،ڈاکٹر حمید اللہ، محمد یوسف مختار، المکتبہ رحمانیہ،لاہور،۱۹۹۷ء، ابتدائی صفحہ)

(۳)پیغمبر امن، حمید اللہ، عبدالقادر، ڈاکٹر، دارالسلام، لاہور، ص:۳۳۹

(۴)سورۃ الرعد:۱۳/ ۲۸

ترجمہ: اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی اعلی اخلاقی اقدار کے راستے پر چل کر ہم پر سکون زندگی گزار سکتے ہے آپ ﷺ نے سب کو بھائی بھائی قرار دے کر امت مسلمہ کو ایک برادری اور محبت والفت کے رشتے میں باندھ دیا۔ مفتی محمد شفیع صاحب[۱] حدود و تعزیرات کے مفہوم کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

> "حدود و تعزیرات کی بنا کچھ انسانوں کو تکلیف میں ڈالنا امن و سلامتی کے لئے ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جہاد اور غزوات اور آپ ﷺ کی قائم کردہ حدود و تعزیرات سب سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے آخری علاج کے طور پر عمل میں لائی گئی ہیں۔"[۲]

چنانچہ معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لئے اصول وضوابط اور قوانین کا نفاذ ضروری ہے تاکہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔

---

(۱) مفتی محمد شفیع عثمانی: آپ ۲۵ جنوری ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ (تفسیر معارف القرآن، مولانا محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۱ء، ۱/۴)

(۲) رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبر امن و سلامتی، مفتی محمد شفیع، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص: ۶-۷

مبحث دوم

امن کی ضرورت واہمیت

کسی بھی معاشرے میں امن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، قوموں کے اتار چڑھاؤ اور عروج وزوال میں امن کی بہت اہمیت ہے، امن کے بغیر کسی بھی فلاحی معاشرے کی بنیاد رکھنا ناممکن ہے۔ سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ کیا گیا ہے اس میں معاشرتی امن وسکون اور صلح وصفائی کی فضا کو برقرار رکھنے کے لئے اور بغض ونفرت کے تمام اسباب کا مکمل خاتمہ کیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے ایسے اصول قرآن حکیم میں دیئے گئے ہیں جن کی مثال کسی دوسری آسمانی کتاب میں شاید ہی ملے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[1]

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ زیادتی کے کاموں میں باہم تعاون نہ کرنا۔

اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو نیک کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کا حکم دیا ہے جب کہ گناہ حق تلفی اور زور زبردستی سے منع فرمایا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔

اس آیت کی تشریح تفسیر ابن کثیر میں حافظ عماد الدین صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"يَأْمُرُ تَعَالَى عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَكُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ أَيْ بِالْعَدْلِ، فَلَا يَعْدِلُوا عَنْهُ يَمِينًا وَلَا شِمَالًا، وَلَا تَأْخُذَهُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ وَلَا يَصْرِفَهُمْ عَنْهُ صَارِفٌ، وَأَنْ يَكُونُوا مُتَعَاوِنِينَ مُتَسَاعِدِينَ مُتَعَاضِدِينَ مُتَنَاصِرِينَ فِيهِ"[3]

---

(۱)سورۃ المائدۃ:۵/ ۲

(۲)سورۃ النساء:۴/ ۱۳۵

(۳)تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب، منشورات محمد علی بیضون، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۲/ ۳۸۳

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمانداری کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں، ایسا نہ ہو کہ ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھیں ۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں ایک دوسری کی اس معاملہ میں مدد کریں اور اللہ کی مخلوق میں عدالت کے سکے جمادیں۔ اللہ کے لئے گواہ بن جائیں۔

عدل و انصاف کسی بھی پر امن معاشرے کی اولین ترجیح ہوتا ہے، عدل و انصاف میں مساوات کے پہلو کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ پاکستان کو امن و سکون اور سلامتی و اطمینان کا گہوارہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ صحیح اسلامی معاشرہ و اسلامی ریاست قائم ہو جو ایمان و اسلام کی عالمگیر دعوت کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جس کے نتیجے میں:

﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾[1]

ترجمہ: اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

کی صورت میں اسلامی معاشرے اور ریاست کی حدود میں پھیلتی چلی جائیں اور پورا معاشرہ اسلام کی روشنی سے منور ہو۔ معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کا احترام کریں اور باہمی اخوت سے رہیں، ایمان والوں کے لئے باہمی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[2]

ترجمہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ (مشکل حالات میں) اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے کام آتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں (مدد کرتا) رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی مشکل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اُخروی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اس حدیث کی شرح مفتی محمد شریف صاحب اس طرح کرتے ہیں:

---

(۱) سورۃ النصر: ۲/۱۱۰

(۲) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل (وفات: ۲۵۶ھ)، بخاری، تحقیق: محمد زھیر بن ناصر، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء، کتاب المظالم والغضب، باب لا یظلم المسلم، حدیث نمبر: ۲۲۶۲، ۸/۳۰۸

"اخوالمسلم سے مراد اسلامی بھائی چارگی ہے۔ ہر وہ چیز جن کے مابین کوئی چیز متفق علیہ ہو ان پر اخوت کا اطلاق ہوتا ہے۔ من ستر سے مراد کبھی اتفاقیہ کوئی ایسا شخص جو گناہ کا عادی نہیں چھپ چھپا کر گناہ کرتے دیکھا تو اس صورت میں بہتر یہی ہے اس کو چھپایا جائے لیکن جو بے باک اعلانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتے ہیں اس کے فسق و فجور کو بیان کرنا واجب ہے۔"[۱]

ظلم سے باز رکھنے کے بارے میں فرمایا مظلوم کی مدد کرنا تو ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے مگر ظلم سے روکنا بھی اس کی مدد کرنے کے برابر ہے۔ کوئی مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی پر ظلم ہوتا دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کی مدد کرے، فرمایا:

((انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أو مَظْلُومًا))[۲]

ترجمہ: اپنے (مُسلمان) بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِه وَيَدِه))[۳]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

ان دو احادیث میں مومن کو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے آداب کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کا واضح تصور دیتے ہوئے فرمایا بہترین اسلام اس کا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام طبقات انسانی محفوظ رہیں جو تحمل برداشت اور بین المذاہب رواداری کے حامل ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی روح کو پرکھنے کا معیار امن و سلامتی کو قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى

---

(۱) نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، مفتی محمد شریف الحق، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، طبع دوم، ۱۴۲۸ھ، ۳/ ۲۶۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطیب ترجمہ، نصر المظلوم، حدیث نمبر: ۲۴۴۵، ۶/ ۲۳۲

(۳) ایضا، کتاب، الایمان، باب ای الاسلام افضل، حدیث نمبر: ۱۱، ۱/ ۱۴

صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنْ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ))[1]

ترجمہ: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو اور ایک دوسرے سے بُغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے رُخ نہ موڑو، اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ کرے۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! باہم بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے، اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری یہاں ہے (اور آپ صلی ﷺ نے تین مرتبہ اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کیا)۔ کسی مسلمان کے لئے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان پر دوسرے کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت (و آبرو پامال کرنا) حرام ہے۔

آنحضرت ﷺ نے معاشرتی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دوسرے سے حسد لالچ اور دھوکہ دہی کا معاملہ نہ رکھو کیونکہ یہ معاشرتی برائیاں معاشرے کے امن و سکون کو تباہ کر دیتی ہیں۔

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، مسلم بن الحجاج، مسلم، خالد احسان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب: تحریم ظلم والمسلم وخذلہ حدیث نمبر: ۶۵۴۱، ۶/ ۱۹۸

مبحث سوم

امن کا دائرہ کار

امن کا انسان کی پوری زندگی میں عمل دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی کی وجہ سے انسانوں کی زندگی سکون واطمینان سے گزرتی ہیں۔ پرامن زندگی گزارنے سے نہ صرف دنیا میں اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے بلکہ آخرت میں بھی ان لوگوں کو اچھا صلہ ملتا ہے۔ اسلام کی اساس جن بنیادی اعتقادات پر قائم ہے ان کا مجموعی نام ہی ''ایمان'' ہے جس کا مادہ 'امن' ہے جس کی بدولت انسان کی ذات میں سکون و اطمینان پیدا ہوتا ہے بالاخر انسان کو اس مقام تک لے جاتا ہے جس سے اللہ اور اس کا بندہ دونوں راضی ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾(۱)

ترجمہ: خدا ان سے خوش اور وہ اس سے خوش۔

اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھنے کے بعد انسان کو نہ کوئی ڈر و خدشہ رہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(۲)

ترجمہ: سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

خدا کے دوستوں کو کوئی غم نہیں ہوتا اس سکون واطمینان کی کیفیت کے بارے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بیان کرتے ہیں:

"انسان کے سینے میں انشراح اور قلب میں وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو محسوس تو کی جاسکتی ہے بیان نہیں کی جاسکتی۔"(۳)

دنیوی خواہشات کے بڑھنے سے فرد کے اندر داخلی انتشار پیدا ہوتا ہے اور خدا کی زمین فتنہ وفساد پیدا ہو جاتا ہے، انسان کو حد سے تجاوز اور ظلم سے بعض رکھنے والی قوت ایک ہی ہے اور وہ عقیدہ آخرت ہے فرمایا:

---

(۱)سورۃ البینہ:۹۸/۸

(۲)سورۃ الیونس:۱۰/۶۲

(۳) قرآن اور امن عالم، ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشر واشاعت، مرکزی انجمن خدام قرآن، لاہور، طبع نہم، ۲۰۰۴ء، ص:۵

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى﴾[1]

ترجمہ: مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے، کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ تکبر شیطانی فعل ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾[2]

ترجمہ: لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھیلا، زمین میں اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے اس شخص کے لئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جو زمین میں اکڑ کر چلتا ہے، تکبر کرتے ہوئے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو کم تر۔

دین اسلام خارجی سلامتی کا مظہر

ایمان کا عملی اظہار اسلام ہے جس میں خارجی سلامتی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایمان اور اسلام اصل میں ایک ہی تصویر کے دورخ ہیں، ایک انسان کے داخلی امن کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا خارجی سلامتی کی۔ آپ ﷺ نے مسلمان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[3]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

اس حدیث کی وضاحت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث میں ملتی ہے:

((تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلَى نَفْسِكَ))[4]

ترجمہ: اگر تم لوگوں کو بھلائی پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں برائی بھی نہ پہنچاؤ، یہ عمل تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔

---

(۱) سورۃ العلق: ۹۶/ ۶-۸

(۲) سورۃ اللقمان: ۳۱/ ۱۸

(۳) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام أفضل، حدیث نمبر: ۱۰،۹/ ۱۵

(۴) ایضا، کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ، حدیث نمبر: ۲۵۱۸، ۲/ ۱۵۰

انسانی تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ انسان نے سیدھے رستے سے ہٹ کر جب کبھی کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا، اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو گیا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِوَثَمُودَالَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَبِالْوَادِ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِفَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ﴾[1]

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا) جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی (قری) میں پتھر تراشتے تھے (اور گھر بناتے) تھے اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے۔

چنانچہ اسلام کی دعوت کا اصل مقصد یہ ہے کہ پوری انسانیت اللہ کی واحدنیت پر ایمان لے آئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَاتَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾[2]

ترجمہ: تو خدا پر اور اس کے رسول پر اور نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ۔ اور خدا تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"نور سے مراد اس جگہ قرآن ہے، کیونکہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر و روشن کر دے، قرآن کا اپنے اعجاز کی وجہ سے خود روشن اور ظاہر ہونا کھلی بات ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے اور ناراض ہونے کے اسباب اور احکام و شرائع اور تمام حقائق عالم آخرت جن کے جاننے کے انسان کو ضرورت ہے وہ روشن ہو جاتے ہیں۔"[3]

آپ ﷺ کی پوری زندگی امن و سکون کا پیکر تھی۔ اور آپ نے ایک پر امن معاشرے کی بنیاد رکھ کے ثابت کیا کہ آپ پر امن دین کے داعی ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ الفجر: ۸۹/ ۶-۱۲

(۲) سورۃ التغابن: ۶۴/ ۸

(۳) تفسیر معارف القرآن، ص: ۸/ ۴۶۵

((أَسْلِمُو تَسْلَمُو))[1]

ترجمہ: اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے۔

اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بارے میں فرمایا کہ اسلام لانے کی تمام شرائط پر پورا اترنے سے ہی سلامتی پائی جاسکتی ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ کَافَّةً﴾[2]

ترجمہ: اسلام (اور سلامتی) میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

مذاہب تو دنیا میں بہت ہیں لیکن دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ کیونکہ یہ فطری دین ہے۔ یہ انسان کے مزاج، فطرت اور طبعیت کے مطابق ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللهِ الإِسْلاَمُ﴾[3]

ترجمہ: دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔

انسانوں کے درمیان تمام قسم کے فرق کو ختم کر کے عزت و شرف کی واحد بنیاد بھی واضح کر دی گئی، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[4]

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبر دار ہے۔

اسی طرح قرآن میں جنت کو دارالسلام کہا گیا ہے، یعنی امن والا گھر؛ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلاَمِ وَيَهْدِي مَن يَشَاء إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾[5]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر ۶، ۸/۱

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲۰۸/۲

(۳) سورۃ آل عمران: ۱۹/۳

(۴) سورۃ الحجرات: ۱۳/۴۹

(۵) سورۃ الیونس: ۲۵/۱۰

ترجمہ:اور خدا سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین صاحب[۱] اس طرح بیان کرتے ہیں:

"يَدْعُو إِلَى عمل الجَنَّة وَالله السَّلَام وَالجَنَّة دَاره يهْدِيهم للمخرج من الشُّبُهَات والفتن والضلالات"[۲]

ترجمہ:یعنی اللہ تعالیٰ بلاتے ہیں جنت کے عمل کی طرف اور اللہ تعالیٰ سلام ہیں اور جنت ان کا گھر ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو راستہ دکھاتا ہے شبہات فتن اور گمراہیوں سے نکلنے کے لئے۔

تمام انسانوں کے مابین دو چیزیں مشترک ہیں اللہ کو ماننا اور آدم کی اولاد ہونا۔ چنانچہ زمین میں جتنے بھی انسان ہیں تمام اللہ کے پیدا کردہ ہی ہیں، اور رنگ و نسل اور شکل وزبان کا مختلف ہونا محض تعارف کے لئے ہے۔ کوئی ایک انسان دوسرے سے برتر نہیں ہو سکتا سوائے پرہیز گاری کے آپ ﷺ کے بدترین مخالفین بھی یہ بات مانتے ہیں کہ انہی چیزوں پر آنحضرت ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔

---

(۱)امام جلال الدین سیوطی: آپ ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام عبد الرحمان، کنیت ابو الفضل، لقب جلال الدین، اور عرف ابن کتب تھا۔ آپ ایک مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ تھے۔ آپ کی کثیر تصانیف ہیں۔ آپ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی۔(تاریخ الخلفاء، السیوطی، تحقیق: حمدی الدمرداش، مکتبہ نزاد مصطفی الباز، طبع اول، ۲۰۰۴ء، ۱/۵)

(۲)الدر المنثور، جلال الدین سیوطی، دار الفکر، بیروت، ۴/۳۵۵

مبحث چہارم

قیام امن کے بنیادی تقاضے

امن کے قیام کے بنیادی اصولوں میں ایمان کا عملی مظاہرہ کرنا ہے، اللہ تعالی پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا ہے اور معاشرے میں رہنے والے افراد کے حقوق فرائض کی بجا آوری بھی شامل ہے۔ ایمان دین اسلام کی پہلی شرط ہے اور یہ لفظ بھی امن سے نکلا ہے۔ اسمائے حسنی میں ایک نام" السلام" کے معنی بھی امن و سلامتی عطا کرنے والے کے ہیں اور اللہ کا ایک نام مومن بھی ہے جس کے معانی امن عطا کرنے والے کے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سلامتی امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔ خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

آپ ﷺ کا خطاب تمام انسانوں کے لئے بحثیت پیامبر امن وعافیت ہی تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ياأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (۲)

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت بر آری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

---

(۱) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۲۳

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۱

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی سے ہر معاملے میں ڈرتے رہو اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اس نے تمہیں ایک مرد اور عورت کے جوڑے سے پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دیا لہذا تم لوگوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ اللہ تعالی تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس سلسلے میں راغب اصفہانی بیان کرتے ہیں:

"امن امان صرف ایسے ہی معاشرے میں قائم ہو سکتا ہے جس میں اس کی مذہبی اقدار اساس ہوں۔ سابقہ انبیاعلیہ السلام یہودیت، عیسائیت جیسے ناموں سے پہچانے گئے اس کے برعکس آنحضرت ﷺ نے دین کو اپنی کامل ترین شکل محمدیت کی بجائے صرف اسلام کے نام سے دنیا کے سامنے رکھا اور اسلام کا لفظ "سلم" سے ماخوذ ہے جس کے معنی امن وعافیت کے ہیں۔"[1]

دین اسلام میں امن کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ اسلام کا لفظ سلامتی اور امن وعافیت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی لئے اس دین کو تمام ادیان پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔

امن کے قیام میں رواداری اور عدل وانصاف کا کردار

معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے عدل وانصاف بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہمارا دین رواداری کا بھی درس دیتا ہے، دوسرے مذاہب کے سلسلے میں بھی صبر و تحمل اور برداشت کا درس دیتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[2]

ترجمہ: اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔

اسلام مشرکین اور دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف اور رواداری کا حکم دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مودودی[3] اس کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

---

(۱) مفردات القرآن، اصفہانی، راغب، الحسین بن محمد:، مکتبہ قاسمیہ: لاہور، ۱۹۶۳ء، ص: ۴۳۹-۴۴۳

(۲) سورۃ الانعام: ۶/۱۰۸

(۳) مودودی: آپ بیسویں صدی کے اہم اسلامی مفکرین میں سے تھے۔ آپ قرآن مجید کے ممتاز مفسر تھے۔ آپ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو فوت ہوئے۔ (سید ابوالاعلی مودودی، فکری، علمی، انقلابی رہنما، لیاقت بلوچ، روزنامہ پاکستان، ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء)

"اسلام نے یہ اصول متعین کر دیا ہے کہ انسان کے ساتھ، ایک فرد کے ساتھ بھی، اور ایک قوم کے ساتھ بھی بہر حال انصاف کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اسلام کے نزدیک یہ قطعاً درست نہیں ہے کہ دوستوں کے ساتھ تو ہم عدل و انصاف برتیں اور دشمنوں کے ساتھ اس اصول کو نظر انداز کر دیں۔"(۱)

مذہبی انتہا پسندی سے باہمی جھگڑے اور فساد کھڑے ہوتے ہیں۔ لہذا کسی بھی شخص سے مذہب کے معاملے میں زور زبردستی نہیں کرنی چاہیے اسی سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ﴾(۲)

ترجمہ: اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں۔

قرآن مجید میں حد سے بڑھنے کو ہرگز درست قرار نہیں دیا گیا۔ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے منع کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ بدلہ لینے کا بھی حق دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾(۳)

ترجمہ: پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔

اسلام معاشرتی امن کے لئے معافی کے رویے کو ترجیح دیتا ہے، کیونکہ معاف کرنا اور صبر کرنا ہمت کا کام ہے اللہ تعالی ایسے شخص کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُور﴾(۴)

ترجمہ: اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے پر امن معاشرے کے لئے اسلامی اصول و ضوابط میں صبر و معافی کے رویے کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) اسلامی ریاست، فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، سید ابو الاعلی مودودی، مرتبہ: خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ص:۵۸۱

(۲) سورۃ الیونس:۱۰/۹۹

(۳) سورۃ البقرۃ:۲/۱۹۴

(۴) سورۃ الشوری:۴۲/۴۳

"صبر اور معافی کے رویے کو اختیار کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے معاشرتی امن کی خاطر انسان کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے معافی کے رویے کو اختیار کرے اس سے رواداری کو فروغ ملے گا اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گا۔"(۱)

اسلامی معاشرے کی خصوصیت ہے کہ اس میں معاشرتی اچھائیوں کو فروغ دیا جائے اس سے معاشرتی امن قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

امن کے قیام کے لئے لڑائی جھگڑے اور قتال سے اجتناب

اسلام میں ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا اسی سے انسانی جان کی قدر وقیمت کا اندازلگایا جا سکتا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے انسان کو قتل کرنے کی بہت سخت وعید ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾(۲)

ترجمہ: اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔

اس آیت کی تفسیر امام ابن کثیرؒ نے اس طرح کی ہے کہ:

"انسانی جان کی بہت قدر وقیمت ہے۔ یہ حکم شرعی ہے کہ جو شخص کسی ایک کو بلاوجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا تو اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور یا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اسی لئے اللہ کے نزدیک تمام مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا اس لئے کہ سب اسی طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔"(۳)

---

(۱) پیغمبر امن، ڈاکٹر حمید اللہ، مکتبہ دانیال غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۲۶

(۲) سورۃ المائدہ:۵/ ۳۲

(۳) تفسیر ابن کثیر، تخریج: کامران طاہر، مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۹ء، ۲/ ۱۰۷

اس آیت میں قاتل کی فطرت کے متعلق بتایا گیا ہے جو ظالم ایک انسان کو قتل کرتا ہے اس سے کوئی بھلائی کی توقع نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْهَا وَرُبَّمَالِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ أَوَّلًا))[1]

ترجمہ: جو شخص بھی مظلوم قتل ہوتا ہے تو اس کے خون کا گناہ آدم کے پہلے بیٹے پر لاد دیا جاتا ہے کیوں کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے قتل کو جاری کیا۔

جو شخص گمراہی کی طرف بلائے اس کا گناہ اسی طرح جو شخص بری رسم قائم کرے-اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ قاتل کے خون کے گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر ہو گا، کیونکہ زمین پر ناحق خون کی رسم اسی نے قائم کی۔ اس حدیث کی وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: ان لوگوں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے جن کو بے علمی کی وجہ سے گمراہ کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب بیان کرتے ہیں:

"ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا۔"[3]

اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تین بڑی نعمتوں سے نوازا ہے جن میں: آپ ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا، آخری کتاب قرآن مجید، آپ ﷺ پر نبوت کا اختتام، ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾[4]

ترجمہ: تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری، تحقیق: محمد زھیر بن ناصر، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب اثم من دعا الی ضلالۃ، حدیث نمبر: ۷۳۲۱، ۱۸/ ۳۰۹

(۲) سورۃ النحل: ۱۶/ ۲۵

(۳) تفسیر معارف القرآن، ۵/ ۳۳۰

(۴) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۲۱

اللہ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت قرار دیا اور فرمایا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے رسول کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُون ولاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لاَ يَسْمَعُون﴾(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے حکم (خدا) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے۔

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو اعلیٰ و افضل قرار دیا لیکن جب جب دنیا نے آپ ﷺ کی اطاعت سے انحراف کیا بد امنی ان کا مقدر بنی۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ﴾(۲)

ترجمہ: (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اطاعت رسول ﷺ کے متعلق مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کو جو اقتدار حاصل ہے وہ ذاتی اقتدار نہیں بلکہ تفویض کردہ اقتدار ہے، اس لئے اس کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے۔ نبی ﷺ بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے اس کے احکام نافذ کرے اور تم ان احکام کی اطاعت کرو۔ اس حیثیت میں اس کا حکم خدا کا حکم ہے، اور اس میں سوال کرنے کی گنجائش نہیں۔"(۳)

لہذا اطاعت رسول ﷺ میں کسی قسم کے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ رسول کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کا عملی نفاذ اور مظاہرہ کر کے دکھانا ہے۔

دین و حکمت کی تعلیم حاصل کرنا

اللہ تعالیٰ نے دین و حکمت کی تعلیم حاصل کرنے کو اس شخص پر اپنی رحمت قرار دیا جو خود بھی علم حاصل کرے اور دوسروں کو بھی سکھائے اور دعوت و نصیحت کے طریقہ کار کو واضح کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الانفال: ۸/ ۲۰-۲۱

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۳۱

(۳) سیرت سرور عالم ﷺ، سید ابو الاعلیٰ مودودی، مرتبین: نعیم صدیقی، عبد الوکیل علوی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۹ء، ۱/ ۲۵۰

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ﴾[1]

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ کے آداب بتائیں ہیں کہ کس طریقے سے لوگوں کو رب کے راستے کی طرف بلایا جائے۔ اس سلسلے میں محقق تعلیم علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی[2] فرماتے ہیں:

"علوم میں سب سے بہتر علم، دین کا علم ہے، یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی اور اپنے رب کی معرفت حاصل کرتا ہے، اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے اس سے رہنمائی پاتا ہے، اسی سے اس کا راستہ روشن اور واضح ہوتا ہے۔"[3]

ملک میں امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دین کی صحیح معرفت حاصل کی جائے اور دوسروں کو بھی مؤثر طریقے سے دعوت و نصیحت کی جائے۔

دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی روک تھام

اسلام نے دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے منع کیا اور دولت کو خرچ کرنے کے اصول بنائے تاکہ دولت معاشرے کے مخصوص طبقے میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾[4]

ترجمہ: تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تقسیم دولت کے نظریے کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس بات کا قائل نہیں ہے کہ جابرانہ نظام کے تحت دولت کے تمام وسائل براہ راست حکومت کی ملکیت میں آجائیں، مگر وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ سرمایہ درانہ نظام کے مزاج کے مطابق دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے اور امیروں

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۵

(۲) یوسف القرضاوی: آپ ۹ ستمبر ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ عالم اسلام کے ممتاز ترین عالم دین، اخوانی فکر کے حامل، صدر عالمی اتحاد برائے مسلم علماء ہیں۔ (رسول اکرم ﷺ اور تعلیم، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، (ترجمہ: ارشاد الرحمن)، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۹)

(۳) رسول اکرم ﷺ اور تعلیم، ص: ۱۷

(۴) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۷

اور غریبوں کے درمیان فاصلہ بڑھتا جائے؛ بلکہ وہ انفرادی ملکیت کے ساتھ
ساتھ دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم چاہتا ہے۔"[۱]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملک میں دولت کی منصفانہ تقسیم سے اور تمام ذرائع ووسائل سے فائدہ اٹھانے سے ملک خوشحال ہوگا اور امن وامان قائم ہوگا۔

معاشرتی برائیوں کا تدارک

قول وفعل میں تضاد، رشوت اور سفارش، جرائم، بری صحبت، اخلاقی بے راہ روی ان برائیوں کی وجہ سے معاشرے کا امن وسکون تباہ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُون كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُون﴾[۲]

ترجمہ: مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایسے کام کا دعوی کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو یہ تو گناہ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت وقدرت پر بھروسہ کر کے دعوی کرنا ممنوع ومکروہ ہے۔"[۳]

لہذا ایسے کام کا دعوی کرنا جس کے کرنے کی استطاعت نہ ہو اور ایسی بات کہنا جو کر نہ سکنا، خدا کی ناراضگی کا سبب ہے۔ ایک پر امن اور صالح معاشرے کی تشکیل میں اسلامی اصول وضوابط کو لاگو کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ دین اسلامی کی بنیاد تقاضا کرتی ہے کہ اسلام جو کہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اسے زندگی کے تمام شعبوں پر یکساں لاگو کیا جائے اس کے ساتھ اپنی سوچ کو مثبت رکھتے ہوئے بھائی چارے امن اور رواداری، مساوات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے تا کہ ملک کی فضا پر امن رہے۔ اس سے ملک میں بسنے والے تمام لوگوں کو ان کے حقوق ملیں گے اور پورا معاشرہ امن کا گہوارہ بنے گا۔ معاشرے میں فتنہ وفساد کا خاتمہ ہوگا۔

---

(۱) جدید مالیاتی ادارے فقہ اسلامی کی روشنی میں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور، یوپی، ۲۰۱۴ء، ص:۱۸

(۲) سورۃ الصف: ۶۱/ ۲-۳

(۳) تفسیر معارف القرآن، ۸/ ۴۲۴

فصل دوم: معاشرتی امن کے لیے ضروری تدابیر

معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا جائے اور یہ مشاہدہ علم و تحقیق پر مبنی ہو۔ معاشرتی ترقی سے معاشرے کے اخلاقی معیار قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ معاشرے کی ابتداء میں معاشرتی اصولوں کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ دین اسلام میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ہدایات موجود ہیں جو کہ معاشرے کے افراد میں باہمی ربط اور محبت پیدا کرتا ہے اس طرح پوری جماعت کے کردار اور اخلاق میں اضافہ ہوتا ہے۔ باہمی تعاون سے معاشرے میں حق و انصاف کو قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلام تا قیامت رہنے والا دین ہے اس لئے اس کی ہر تحریک بلند ترین مقاصد کی نشاندہی کرتی ہے اس کے اصول و قوانین سے کنارہ کشی کر کے کر لوگ ذلت بھری زندگی گزارتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کے وجود میں توحید، قرآن اور رسالت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مذہب کا مقصد افراد، معاشرے اور ثقافت کو اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ڈھالنا ہے جس سے معاشرے کے تمام افراد با عمل مسلمان بن جائیں اور اللہ کی واحدنیت کا سچے دل سے اقرار کرلیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾[1]

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔

اللہ تعالی کی واحدنیت کو سچے دل سے قبول کرنا ہی ایمان لانے کی پہلی شرط ہے مشرکین آنحضرت ﷺ سے اللہ کی صفات کے متعلق سوال کرتے تو اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کو اس سورت کی شکل میں جواب دیا کہ مشرکین کو بتائیں کہ اللہ تعالی اپنی ذات میں یکتا ہے۔ اگرچہ یہ حکم مشرکین کو برا ہی کیوں نہ لگے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لِيُظْهِرَه عَلَي الدِّيْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: تاکہ وہ اس کو غالب کرے تمام دینوں پر، اگرچہ یہ امر برا لگے مشرکوں کو۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"يظْهر الله نبيه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم على أَمر الدّين كُله فيعطيه إِيَّاه كُله وَلَا يخفى عَلَيْهِ شَيْء مِنْهُ وَكَانَ الْمُشْركُونَ وَالْيَهُود يكْرهُونَ ذَلِك"[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سارے دین کے تمام امور پر غلبہ عطا فرما دیں گے اور وہ سب کے سب اس کو عطا فرما دے گا اور اس میں سے

---

(۱) سورۃ الاخلاص: ۱۱۲/ ۱

(۲) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۳۳

(۳) الدر المنثور: ۴/ ۱۷۵

کوئی چیز آپ پر چھپی نہیں رہے گی حالانکہ مشرکین اور یہودی اس بات کو ناپسند کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد اسلام کی سیاسی اور نظریاتی حوالے سے حکمرانی ہے،اور یہ حکمرانی دلیل اور حجت کی بناپر ہو نہ کہ زبردستی مسلمان بنانے کی بناپر۔حاجی غلام احمد معاشرے میں امن وامان کی فضا کو قائم کرنے کے لئے رقمطراز ہیں:

"باہمی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں ،جس سے نہ صرف فرد بلکہ تمام معاشرے کے افراد کی زندگی خطرے میں پڑجاتی ہے۔کسی بھی معاشرے میں خاندان معاشرتی اکائی ہے اور خاندان کے افراد مخصوص فرائض اور معین مقاصد کی بناپر معاشرے کی بنیاد کا سبب بنتے ہیں۔معاشرے کو قدرتی ماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ایک اسلامی معاشرہ وہی کہلائے گا جو اسلام کا مکمل آئینہ دار ہو گا اس کے نتیجے میں ساری انسانیت ایک ہی وحدت میں توحید کی نمائندہ جماعت بنے گی۔"[۱]

آنحضرت ﷺ نے دنیا میں آنے والے انسانوں کو تا قیامت آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا سبق دیا ۔آپ ﷺ نے ایک مثالی اسلامی معاشرہ بنانے کے لئے افراد کی کردار سازی کر کے مکمل انسان بنانے کا کام دار ارقم سے شروع کیا جس کے نتیجے میں لوگوں میں اللہ سے محبت ، فکر آخرت،دنیا کی چند روزہ زندگی اوراس کی راحت کی حقیقت کا جاننا اور حقوق کی ادائیگی جیسی صفات پیدا ہوئیں۔معاشرتی امن کے لئے درج ذیل تدابیر ضروری ہیں:

۱)برابری کا تصور

انسانی زندگی میں امن قائم کرنے کے لئے انسانوں کے درمیان مساوات قائم کرنا ضروری ہے۔اللہ تعالی نے برابری کی بنیاد تقوی کو قرار دیا،جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[۲]

ترجمہ:اے لوگو!ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو بیشک زیادہ عزت والا تم

---

(۱)امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں،حاجی غلام احمد چوہدری،اقبال پبلشنگ کمپنی،لاہور،۱۹۹۹ء،ص:۴۹

(۲)سورۃ الحجرات:۴۹/۱۳

میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ سب کچھ
جاننے والا خبر دار ہے۔

دینِ اسلام میں کوئی انسان حسب نسب، نسل، اور قبیلے کی بنا پر فوقیت نہیں رکھتا بلکہ اسلام میں برتری کا اصل معیار تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ حسب نسب اور قبیلے تو محض پہچان کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر فعل کو جانتا ہے جو وہ اس دنیا میں کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے امن کے قیام کے لئے برابری کا تصور دیا۔ اس سے پہلے انسان حسب نسب، قبائل اور مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے جیسا کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ))[1]

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ ایک، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو متقی انسان ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اس فرمان میں برابری کے لحاظ سے دو خصوصیات میں ایک جیسا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تمام انسانوں کا رب اللہ ہے اور دوسرا سب آدم کی اولاد ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں امن و سلامتی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲) انسانیت کا احترام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان اور عزت و آبرو کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ انسانوں کو وہ مقام و مرتبہ دیا جو کسی اور مخلوق کو نہیں دیا، انسانوں کو عقل کے ذریعے دوسری مخلوق پر برتری دی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾[2]

(۱) شعب الایمان، احمد بن الحسین، البیھقی، تحقیق: مختار احمد الندوي، مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۳ء فصل و مما یجب حفظ، حدیث نمبر: ۴۷۷۴، ۷/ ۱۳۲

(۲) سورۃ الاسراء: ۱۷/ ۷۰

ترجمہ: اور ہم نے بڑی عزت بخشی ہے اولاد آدم کو اور ہم اٹھائے پھرتے ہیں انہیں خشکی اور سمندر میں اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور انہیں فضیلت دی اپنی بہت سی مخلوق پر بہت بڑی فضیلت۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر نے اللہ تعالی کی نعمتوں کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"أَيْ يَمْشِي قَائِمًا مُنْتَصِبًا عَلَى رِجْلَيْهِ وَيَأْكُلُ بِيَدَيْهِ، وَغَيْرُهُ مِنَ الْحَيَوَانَاتِ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ وَيَأْكُلُ بِفَمِهِ وَجَعَلَ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا وَفُؤَادًا يَفْقَهُ بِذَلِكَ كُلِّهِ وَيَنْتَفِعُ بِهِ وَيُفَرِّقُ بَيْنَ الْأَشْيَاءِ وَيَعْرِفُ مَنَافِعَهَا وَخَوَاصَّهَا وَمَضَارَّهَا فِي الْأُمُورِ الدينية والدنيوية وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ أَيْ عَلَى الدَّوَابِّ مِنَ الْأَنْعَامِ وَالْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَفِي الْبَحْرِ أَيْضًا عَلَى السُّفُنِ الْكِبَارِ وَالصِّغَارِ"(۱)

ترجمہ: وہ اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو کر صحیح چال چلتا ہے، اپنے ہاتھوں سے تمیز کے ساتھ اپنی غذا کھاتا ہے اور حیوانات ہاتھ پاؤں سے چلتے ہیں منہ سے چارہ چگتے ہیں۔ پھر اسے سمجھ بوجھ دی ہے جس سے نفع نقصان بھلائی برائی سوچتا ہے۔ دینی دنیوی فائدہ معلوم کرلیتا ہے۔ اس کی سواری کے لئے خشکی میں جانور چوپائے گھوڑے خچر اونٹ وغیرہ۔ اور تری کے سفر کے لئے اسے کشتیاں بنانی سکھادیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو فطری طور پر ظاہری اور باطنی خوبصورتی کے ساتھ اشرف المخلوقات بنایاہے اور عظیم صفات کا حامل بنایاہے اور اس کے ساتھ ساتھ عقل اور فہم و فراست سے نوازاہے جس سے وہ دنیامیں اپنے نفع ونقصان سے آگاہ ہوتاہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾(۲)

ترجمہ: بلاشبہ یقینا ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالی مسلمانوں پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیاہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾(۳)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد شمس الدین، ۵/ ۸۹

(۲) سورۃ التین: ۹۵/ ۴

(۳) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۹

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان کی عزت و احترام اس کے انسان ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ انسان کی جان کعبے کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ))(۱)

ترجمہ: کتنا پاکیزہ ہے تو، اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے ایک مسلمان کی جان و مال اور خون کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے۔

اس حدیث میں انسان کے جان و مال اور عزت و احترم کا ذکر ہے۔ امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں رہنے والے تمام افراد ایک دوسرے کا احترام کریں اس سے معاشرے میں مثبت رویوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی عزت و احترام کے بارے کتاب "اسلام کا نظریہ امن و سلامتی" میں ایسے بیان ہوا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق کے درجے پر فائز کیا ہے اور اس کو تمام مخلوقات سے اعلیٰ قرار دیا ہے معاشرتی امن کے قیام کے لئے آنحضرت ﷺ نے انسان کی شرافت و عظمت کا اعلان کیا تاکہ فتنہ وفساد نہ ہو کیونکہ انسان کائنات کی سب سے قیمتی شے ہے اور دنیا میں اس سے زیادہ باعظمت اور محبت و حفاظت کی مستحق اور کوئی شے نہیں۔"(۲)

یہ انسان کے لئے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے اسے کائنات میں موجود تمام اشیاء سے اعلی و ارفع پیدا کیا ہے اس کے علاوہ اور کسی چیز کو اتنی اہمیت اور مقام نہیں دیا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کر کے دنیا کو تسخیر کر کے امن کا گہوارہ بنائے۔

۳) اسلامی قوانین کا نفاذ

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، ابن ماجہ، لاہو، ۱۹۸۲ء، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن ومالہ، حدیث نمبر: ۳۰ ۱۷، ۲/ ۴۶۸

(۲) اسلام کا نظریہ امن و سلامتی، ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی، ابو مومن منصور احمد، دار السلام، لاہور، ص: ۴۷

اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد دنیوی زندگی میں انسانوں میں نظم وضبط پیدا کرنا ہے۔ اسلامی قوانین انسان کی بہتری اور بھلائی کے لئے ہیں اور پیغمبروں کو بھیجنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ وہ شریعت کے بتائے ہوئے احکام کا عملی مظاہرہ لوگوں کو کر کے دکھائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[۱]

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے ایسے بیان کی ہے:

"قرآن کریم نے دنیا میں عدل و انصاف کرنے کے لئے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا، ایک کتاب، دوسرے میزان، کتاب سے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں اور میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں، انہی دونوں چیزوں کے نازل کرنے کا مقصد لیقوم الناس بالقسط قرار دیا ہے۔"[۲]

اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لئے سخت سزا کی وعید سنائی ہے جو مومنوں کے خیر خواہ نہیں ہیں ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾[۳]

ترجمہ: جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بدکاری کے چرچے ہوں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

سید عزیز الرحمن معاشرتی برائیوں کو داخلی امن و استحکام کے لئے خطرہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ریاست کے داخلی امن و استحکام کے لئے ایک چیز جو نہایت نقصان دہ ہوتی ہے وہ اخلاقی جرائم ہیں۔ اسلام بے حیائی و بدکاری کو سختی سے منع کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اچھی معاشرتی اقدار پروان نہیں چڑھتیں۔"[۴]

---

(۱) سورۃ الحدید: ۵۷/ ۲۵

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۸/ ۳۲۲

(۳) سورۃ النور: ۲۴/ ۱۹

(۴) تعلیمات نبوی اور آج کے زندہ مسائل، سید عزیز الرحمن، القلم - فرحان ٹیرس، ناظم آباد نمبر ۲- کراچی، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۴۶

تمام پیغمبر انسانوں کی مشکلات کو دور کرنے، نقصان سے بچانے، دنیا میں حالات کی اصلاح کرنے کے لئے نازل ہوئے۔ اسلامی حدود و تعزیرات سے معاشرتی برائیوں کو روکنے اور لوگوں کو عبرت کا نشان بنانے کے لئے قوانین کا نفاذ عمل میں لایا گیا چنانچہ جو برائی جتنی زیادہ خطرناک تھی اس کے مطابق ہی سزا عبرتناک مقرر کی گئی۔ صرف ان قوانین کو بنانا ہی مقصد نہیں ہوتا بلکہ عملی طور پر ان حدود و تعزیرات کا نفاذ معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

۴) دہشت گردی کا خاتمہ

دہشت گردی کسی بھی معاشرے کا امن وسکون تباہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دہشت گردی اور اندرونی خانہ جنگی پر امن معاشرے کی راہ میں حائل ایک اہم رکاوٹ ہیں۔ اس کی بڑی وجہ معاشی استحصال، سیاسی مظالم، سائنسی اور عسکری ترقی میں کمی، باہمی اتحاد کی کمی اور غداری، شامل ہیں۔ دہشت گردی میں جسمانی یا ذہنی تشدد شامل ہوتا ہے اس کی نوبت اس وقت پیش آتی ہے جب غریبوں کا استحصال کیا جائے اور دستیاب وسائل سے استفادہ حاصل نہ کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان تمام برائیوں سے بچنے کا حکم دیا ہے جو کہ فساد کا سبب بنتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالی ظالموں اور فساد و بربادی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ان لوگوں کے لئے کوئی نرمی کا گوشہ نہیں رکھتا آنحضرت ﷺ نے باہمی محبت واخوت اور امن وامان کے قیام کے لئے ایسے اصول وضع کئے جن پر عمل کرکے دنیا کا ہر انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھرپور کوشش کی کہ انسان قتل اور خونریزی کے نقصان کو سمجھ کر اس سے بچے اور فتنہ وفساد سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَاوَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾[2]

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۰۵

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/ ۳۳

ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیاوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے زمین میں فساد پیدا کرنے والوں کو سخت سزا اور بھاری عذاب کا مرتکب قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و سرکشی کو تاریکیوں کا سبب قرار دیا ہے فرمایا:

((الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

ترجمہ: ظلم و سرکشی قیامت کے روز بہت سی تاریکیوں کا سبب ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و سرکشی کو قیامت کے دن بہت سی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی قرار دیا ہے۔ جبکہ دہشت گردی بھی ظلم میں ہی شمار کی جس میں فرد کو خوف زدہ کر کے اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے اس پر فرشتوں کی لعنت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

((مَنْ أشارَ إلى أخيهِ بحديدَةٍ ، فإنَّ الملائِكةَ تَلْعَنُهُ حتّى يَنْزِعَ ، وَإنْ كانَ أخاهُ لأبيهِ وأمِّهِ))[2]

ترجمہ: جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک وہ اس اشارہ کو ترک نہیں کرتا خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی (ہی کیوں نہ) ہو۔

لہذا اپنے مسلمان بھائی کو ڈرانے دھمکانے کی بھی اسلام میں ممانعت ہے اس سے انسان اللہ کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے کیونکہ یہ بھی خوف زدہ کرنے کی ایک صورت ہے۔

۵) ذرائع ابلاغ کا درست استعمال

ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد لوگوں کو معلومات اور تفریح فراہم کرنا ہے۔ میڈیا کا اپنی ذمہ داریاں درست طریقے سے سرانجام نہ دینے کی بنیادی وجہ صحافیوں کا غیر پیشہ ورانہ رویہ ہے۔ لہذا صحافت کو درست سمت میں چلانے کے لئے اسلامی اصول وضوابط کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾[3]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب الاتقلمہ والحذر، حدیث نمبر: ۵۳۳، ۱/۸۹۳

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب النہی عن الاشارہ بالسلاح، حدیث نمبر: ۶۶۶۶، ۶/۲۲۸

(۳) سورۃ الحجرات: ۴۹/۶

ترجمہ: مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہر خبر کی باقاعدہ تصدیق کی جائے، ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں کسی فرد کو نقصان پہنچا دیا جائے۔ لہٰذا ہمارے ملک کے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی یہ ذمہ داری کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر ملکی مفاد کے لئے خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))[1]

ترجمہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح بیان کی ہے:

"اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عادت کہ جو سنے وہ کہہ ڈالے بری بات ہے بلکہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ یہ خبر سچی ہے یا جھوٹی، جب سچائی کا یقین ہو تو اس وقت اگر منہ سے نکالے تو برا نہیں۔"[2]

سچی اور حق بات کو کہنا ضروری ہے جب کہ جھوٹی بات کی پہلے تصدیق کر لی جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذرائع ابلاغ معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ آیت میں بھی خبر کا لفظ آیا ہے اسی طرح صحیفہ اور صحافت کے لفظی تعلق سے صحافت اور خبر رسانی کی اہمیت واضح ہوتی ہے لہٰذا ذرائع ابلاغ میں کام کرنے والے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ امانت دار اور جراءت مند ہوں اور اپنے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر ملک کی بہتری بحالی اور امن قائم کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کریں۔ اگر معاملات کو آسان لیا جائے اور اصول وضوابط کو مد نظر نہ رکھا جائے تو ہو سکتا ہے نادانی اور جہالت میں کوئی ایسا قدم اٹھ جائے اور

(۱) صحیح مسلم، المقدمۃ، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، حدیث نمبر: ۷، ۱/ ۴۰

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، ۱/ ۴۰

بعد میں معلوم ہو کہ یہ اطلاع ہی غلط تھی۔لہذا تحقیق و تفتیش کے ذریعے
صحیح معلومات کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا جائے۔"[1]

اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ موجودہ ذرائع ابلاغ کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"موجودہ ذرائع ابلاغ جس طرح کے پروگرام نشر کرتے ہیں، اسکی وجہ سے
جنسی ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور معاشرے میں ڈیپریشن جرائم اور
تشدد میں اضافہ ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ لوگ ڈپریشن اور نفسیاتی
مسائل کی وجہ سے معاشرے کا امن وسکون تباہ کرتے ہیں۔"[2]

ذرائع ابلاغ کسی بھی معاشرے کا اہم ستون ہوتا ہے اس کا بنیادی مقصد لوگوں کو تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات فراہم کرنا بھی ہوتا ہے۔لہذا ذرائع ابلاغ کو ایسے پروگرام نشر کرنے چاہیں جس سے باہمی محبت اور رواداری کے رویے کو فروغ ملے اور معاشرے میں امن وامان کی فضا قائم ہو۔

٦) باہمی تعاون وسلامتی

اسلام معاشرتی امن وسکون کو بہت اہمیت دیتا ہے قرآن نے معاشرتی امن وسکون کی فضا کو برقرار رکھنے کے لئے ہدایات دی ہیں۔زندگی گزارنے کے زریں اُصول بتائے گئے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[3]

ترجمہ: نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور
زیادتی کے کاموں میں ہرگز تعاون نہ کرو۔

معاشرتی امن کے لئے تعاون کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسلام میں باہمی سلامتی اور تعاون کے فروغ کے لئے بشارت اور دعا یعنی ''السلام وعلیکم'' اور ''علیکم السلام'' ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

((لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))[4]

---

(۱)مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول درس ۱۴، ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشرو اشاعت ،مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور،۲۰۰۵ء ص:۲۶

(۲)پیغمبر امن حضرت محمد ﷺ، ص:۶۹

(۳)سورۃ المائدہ:۵/۲

(۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنتہ، حدیث نمبر:۱۹۴، ۱/۱۵۷

ترجمہ: اے مسلمانو! تم جنت میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک صاحب ایمان نہ ہو اور تم صاحب ایمان نہیں ہو سکو گے جب تک باہم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو تو کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمہارے مابین محبت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے کہ) اپنے مابین "سلام" کا خوب چرچا کرو۔

ابو حمزہ آنحضرت ﷺ کی داخلی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ نے غیر مسلموں سے امن و صلح اور باہمی تعاون کے معاہدے کئے۔ ساتھ ہی بہت سے قبائل سے دوستانہ تعلقات قائم کئے غرض یہ کہ آپ ﷺ کی داخلی حکمت عملی امن و صلح پر مبنی تھی اس کا مقصد طاقت کے بل پر لوگوں پر غلبہ یا آس پاس کے علاقوں پر قبضہ جمانا نہ تھا بلکہ ایک پر امن معاشرہ قائم کرنا تھا جس کے تمام افراد ایک دوسرے کے حقوق پورے کرنے کے پابند ہوں۔"[۱]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے کسی پر زور زبردستی نہیں کی بلکہ معاشرے میں رہنے والے غیر مسلموں سے بھی امن معاہدے کئے تا کہ تمام لوگ آزادی و خود مختاری سے پر امن معاشرے کے مفید شہری بنیں۔

۷) عفو و در گزر اور رحمت و شفقت

عفو و در گزر معاشرے میں صبر و تحمل اور برداشت کا سبق سکھاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں امن و سکون پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[۲]

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی عفو و در گزر اور رحمت و شفقت کا پیکر تھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا محبوب تمہاری بھلائی، اصلاح احوال اور فلاح دین کے ضمن میں تمہاری جانوں سے بھی زیادہ تم پر شفیق و مہربان ہیں اور یہ حقیقت اس آیت میں ایسے بیان کی گئی ہے:

﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۳]

---

(۱) اسلام کا نظریہ امن و سلامتی، ص:۸۹

(۲) سورۃ الانبیاء:۲۱/۱۰۷

(۳) سورۃ التوبہ:۹/۱۲۸

ترجمہ:یعنی جو چیز تمہارے لئے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی گراں گزرتی ہے وہ تمہارے متعلق بہت حریص نہیں اور اہل ایمان کے لئے بڑے مہربان اور رحیم۔

امن قائم کرنے کے لئے آپ ﷺ کے عفو ودرگزر اور رحمت وشفقت کی عکاسی حدیث میں اس طرح سے کی گئی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے:

((خدمت رَسُوْل اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَوَاللهِ مَا قَالَ لِيْ أُفًا قَطُّ))(۱)

ترجمہ: میں نے رسول ﷺ کی خدمت کی دس برس تک قسم خدا کی کبھی آپ ﷺ نے مجھ کو اف نہ کہا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آنحضرت کی عادات مبارکہ کو سب لوگوں کی عادات واطوار سے ممیز کہا گیاہے:

((رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا))(۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سب لوگوں سے زیادہ اچھی عادت رکھتے تھے۔

پیغمبر امن وسلامتی کی زندگی کے وہ پہلو جن کا تعلق آپ ﷺ کے پیغام امن واخوت سے ہے ان کی حیثیت محض اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں کہ کوئی چاہے انہیں اپنالے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ اطاعت رسول ﷺ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ کی تعلیمات اور فرمودات قانون کا درجہ رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(۳)

ترجمہ:رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دیں،رک جایا کرو۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے کتنے درخشاں اور وسیع پہلو ہیں جو انسانی زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ کرتے ہیں۔ مولانا مودودی آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ میں رحمت کے پہلو کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو جگایا،اور اسے وہ علم دیا جو حق اور باطل کے فرق کو واضح کرتا ہے اور یہ بھی واضح بتا

---

(۱) صحیح مسلم،کتاب الفضائل،باب حسن خلقہ ﷺ،حدیث نمبر:۶۰۱۱،۶/ ۲۹

(۲) ایضا،کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ،باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ،حدیث نمبر:۱۵۰۰،۲/ ۱۹۹

(۳) سورۃ الحشر:۵۹/ ۷

دیتا ہے کہ سلامتی کا راستہ کون سا ہے۔ کفار مکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کو اپنے لئے زحمت اور مصیبت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس پر فرمایا گیا کہ نادانو تم جیسے زحمت سمجھ رہے ہو وہ دراصل تمہارے لئے خدا کی رحمت ہے۔"[۱]

اس سے واضح ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو حق و باطل میں تمیز سکھانا تھا اور سلامتی کے راستے کی طرف رہنمائی کرنا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر رحمت ہے۔

۸) عدل و احسان کا نفاذ

آنحضرت ﷺ نے جو معاشرہ قائم فرمایا اس کی بنیادیں عدل و انصاف پر قائم تھیں۔ موجودہ دور میں بھی معاشرتی امن قائم کرنے کے لئے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر پر امن معاشرے کی تشکیل ناممکن ہے۔ پر امن معاشرے میں ظلم و زیادتی کا کوئی نام و نشان نہیں ہوتا موجودہ دور میں معاشرتی برائیاں اور معاشرے میں ظلم و زیادتی جس طریقے سے ہو رہی ہیں آنحضرت ﷺ نے اپنے دور میں ان کا خاتمہ کیا اور ہر قسم کے استحصال سے معاشرے کو پاک کیا، چاہے وہ انسان کے بنیادی شرعی حقوق کا استحصال ہو یا معاشی وسائل کی معاشرتی درجہ بندی کا ہو یا سیاسی اختیار و اقتدار کا، اسلام نے انسان پر سے انسان کی ہر نوعیت کی زور زبردستی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ کیا۔ قرآن نے دنیا کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو باہمی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[۲]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تمہیں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔

انفرادی رویے کے ساتھ پورے معاشرے کا رویہ بھی عدل و احسان پر مبنی قرار دیا گیا ہے اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسلامی معاشرے میں عدل و احسان قائم کرے۔ عدل کو عام اور احسان کو ہر فرد کا طرز عمل بنانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک قانونی اصلاحات اور دوسرا اخلاقی تعلیمات، نبی ﷺ نے ان دونوں پہلوؤں سے اسلامی معاشرے میں عدل و احسان کا بول بالا کیا۔ مسلمانوں کو ہر بات میں عدل و انصاف سے سچی گواہی دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾[۳]

ترجمہ: اور جب گواہی دو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ قرابت مند ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱) سیرت سرور عالم، ۱/ ۱۷۵

(۲) سورۃ النحل: ۱۶/ ۹۰

(۳) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۵۲

اسی طرح سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اسمیں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

مملکت کے امور، معاملات، لین دین، کاروبار، انفرادی اور اجتماعی ہر مقام اور ہر موقع پر عدل وانصاف اور راست روی کا رویہ اپنانا مومن کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ سچا مومن اسے قرار دیا گیا ہے جو اپنوں اور غیروں میں عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اس کی انصاف پسندی میں اس کے دوست احباب اور قریبی رشتے دار اور والدین ہی کیوں نہ آرہے ہوں۔ اسی طرح اسلام نے دو لڑنے والے فریقوں میں باہمی صلح کرا دینے کا حکم دیا ہے اگر ان دونوں میں سے ایک فریق زیادتی کر رہا ہو تو پھر اسلام نے کمزور اور مظلوم کا ساتھ دینے کا حکم دیا یہاں تک کہ زیادتی کرنے والا فریق برابری کے ساتھ صلح کی طرف مائل ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ،جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْااِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔

مولانا مودودی عدل کی اہمیت و تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۱۳۵

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/ ۸

"عدل کی اہمیت دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن قائم ہو اور دوسرا یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بلا کسی روکاوٹ ملے۔ ہمارے ہاں عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ پس اللہ تعالی نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔"[1]

آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ عدل وانصاف کا بول بالا ہو اور عدل وانصاف کی بنا پورے معاشرے میں فرد کی زندگی مثالی ہو۔ آپ ﷺ نے معاشرے کے اندر اخلاقی ضوابط اور قانون اصلاحات کے ذریعے عدل وانصاف کا حصول ہر شہری کے لئے نہ صرف ممکن بلکہ یقینی بنایا۔

۹) احسان کا حکم

عدل وانصاف سے بھی آگے آپ ﷺ نے احسان کے رویے کو معاشرے میں مثالی رویہ قرار دیا اور یہ عمل دشمنوں کو بھی دوست بنا دیتا ہے خود اللہ تعالیٰ کا بھی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا ہی طرز عمل ہے۔ اور اپنے بندوں میں احسان کرنے والوں کو زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

برائی سے بعض رہ کر احسان کے رویے کو عام کیا جائے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾[3]

ترجمہ: بھلائی کا بدلہ کیا ہے مگر یہ بھلائی کی جائے۔

یہ اصول آنحضرت ﷺ نے پوری انسانیت پر لاگو فرمایا۔ احسان فرد کے انفرادی اخلاق کا حصہ ہے جو کسی دوسرے کے منفی طرز عمل سے ختم نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ نے اسلامی طرز عمل میں مسلمانوں کی یہ رہنمائی فرمائی:

---

(۱) تفہیم القرآن، سید ابو الاعلی مودودی، ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۰ء، ۲/ ۵۶۵-۵۶۶

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/ ۹۳

(۳) سورۃ الرحمن: ۵۵/ ۶۰

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اگر کوئی تمہارے ساتھ بدی کرے تو بدی کا دفع ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع نے اس طرح کی ہے:

"داعیان حق کی خصلت یہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریق احسن سے دفع کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کر دینا تو عمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو غصے کی حالت میں صبر کا اور جاہلوں کی بد تمیزی کے مقابلے میں بردباری کا اور برائی کے مقابلے میں احسان کا حکم دیا ہے۔ جو شخص باہمی احسان کے رویے کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں سرخرو فرماتا ہے۔

۱۰) ظلم کی مذمت

ظلم عدل و انصاف کی مخالف صفت ہے اللہ تعالیٰ جو کہ خود عادل و منصف ہے نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ظلم کا ہاتھ پکڑ لینے کا حکم دیا ہے چاہے وہ اپنا بھائی ہی کیوں نہ ہو ظالم کو ظلم سے روکنا بھی جہاد ہے اور ظالم کو ظلم سے روکنا مومن کے فرائض میں شامل ہے اس لئے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾[3]

ترجمہ: بے شک اللہ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

ظلم و زیادتی کرنے والا اسلامی معاشرے اور حکومت کے احتساب اور گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے اسلامی معاشرے میں ہر فرد کے حقوق مقرر فرما دیئے تا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ہر سچ کے پیچھے قانون کی ریاستی یا معاشرے کی اخلاقی قوت کو کھڑا کر دیا تھا کہ وہ حق پوری دیانتداری سے ادا کیا جائے۔ ظلم کی مذمت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا جو کہ درج ذیل ہیں:

---

(۱) سورۃ الفصلت: ۴۱/ ۳۴

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۷/ ۶۵۳

(۳) سورۃ الشوری: ۴۲/ ۴۰

((عِيَادَةَ المَرِيضِ، وَاتِّبَاعَ الجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتَ العَاطِسِ، وَرَدَّ السَّلاَمِ، وَنَصْرَ المَظْلُومِ، وَإِجَابَةَ الدَّاعِي، وَإِبْرَارَ المُقْسِمِ))[1]

ترجمہ: مریض کی عیادت کرنے، جنازے کے پیچھے جانے، چھینکنے والے کو جواب دینے، سلام کا جواب دینے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کو قبول کرنے، اور قسم کو سچی کر دکھانے کا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ وہ معاشرتی ذمہ داریاں ہیں جو ہر مسلمان کی زندگی کا شعار ہونی چاہیں، اس سے نہ معاشرے میں امن وامان اور رواداری کی فضا قائم ہوگی بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں دائمی کامیابی نصیب ہوگی۔

پاکستان چونکہ ایک اسلامی ریاست ہے اس لئے یہاں امن قائم کرنے کے لئے جو بھی تدابیر اختیار کی جائیں گی ان کا براہ راست تعلق قرآن و حدیث سے ہوگا انہی اصولوں پر جن میں (رواداری، راست بازی، تعاون، عدل و انصاف، رحمت و شفقت، شامل ہیں) پر عمل کر کے ملک کو امن کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین چونکہ انسانی فطرت کی نمائندگی کرتے ہیں اس لئے انسان کی عادات و اطوار کے سانچے میں آسانی سے ڈھل جاتے ہیں۔ پرامن رہنا ہر انسان کی فطری خواہش ہے لہذا حاکم وقت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ رعایا کے لئے پرامن معاشرے کی فضا کو یقینی بنائے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، حدیث نمبر: ۲۴۴۵، ۱۲۹/۳

فصل سوم: پر امن معاشرے کی خصوصیات

احساس انسانیت کا ہونا پر امن معاشرے کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ معاشرے کا اولین فرض ہے کہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کو بہتر ماحول فراہم کرے تاکہ وہ اجتماعی مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسی اصلاحی و تعمیری قوتیں موجود ہوں جو منفی سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ پر امن معاشرے میں طبعی، معاشرتی، قدری، نفسی اور روحانی ترقی کا بغیر کسی روکاوٹ کے جاری رہنا ضروری ہے۔ افراد معاشرہ کو ایسے مواقع فراہم کئے جائیں کہ ملکی وسائل سے فائدہ اٹھا سکیں۔ آنحضرت ﷺ نے نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد تمام قسم کی اخلاقی، سماجی، معاشرتی، مذہبی برائیوں میں مبتلا معاشرے میں واحدنیت کا بول بالا کیا اور کفار کی تمام مخالفتوں اور تکلیفوں کے باوجود مثالی معاشرہ تشکیل دیا۔ امن و سلامتی معاشرے کی لازمی ضرورت ہے جس کے بغیر لوگوں کے دنیاوی مقاصد پورے نہیں ہوسکتے۔ اس حقیقت کو معاشرے کا ہر فرد چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم تسلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالی مسلمانوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾[١]

ترجمہ: جس نے انہیں کھانا دیا بھوک میں اور خوف میں امن دیا۔

اللہ تعالی اس آیت میں فرماتے ہیں کہ میں نے انسانوں پر احسان کیا کہ ان کے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا۔ امن و سلامتی کو ہر فرد پسند کرتا ہے اور اسلام انسانی اطمینانیت کے رویے کو فروغ دیتا ہے کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ پر امن معاشرہ وہی کہلائے گا جس میں معاشرے کے تمام افراد آزادانہ اور بلا خوف و خطر اپنے کام کر سکیں۔ اس کے لئے ہمیں اللہ پر بھروسہ کرنے اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ساتھ باہمی اخوت کے رویے کو فروغ دینا ہوگا۔ پر امن معاشرے کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱) مصمم ارادہ اور پختہ یقین

اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین اور اپنے مؤقف پر استقلال رکھنے سے چاہے کتنے ہی جھگڑے رکاوٹیں، مصائب و مشکلات کیوں نہ ہوں وہ دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾[٢]

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غمگین ہوں گے۔

---

(۱) سورۃ القریش: ۱۰۶/ ۴

(۲) سورۃ الاحقاف: ۴۶/ ۱۳

اسی طرح حق کو قبول کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر قسم کے حالات میں ثابت قدمی پر قائم رہا جائے، ثابت قدمی پر قائم رہنے سے انسان نہ تو پریشان ہوں گے نہ ہی انہیں کوئی خوف و خطرہ ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ))(۱)

ترجمہ: کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر جما رہ۔

اس حدیث کی شرح نووی ایسے بیان کرتے ہیں:

"استقامت وہ درجہ ہے جس سے سارے کام پورے اور کامل ہوتے ہیں اور اسی صفت سے تمام بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور ان کا انتظام ہوتا ہے اور جس شخص میں استقامت و استقلال نہ ہو اس کی کوشش سب رائیگاں ہے اور اس کی سعی سب بے نتیجہ ہے۔"۲

لہٰذا کسی بھی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے استقامت کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی سے تمام کام درست طریقے سے سرانجام دیئے جا سکتے ہیں، جس شخص میں یہ صفت نہ پائی جائے اس شخص کی تمام محنت ضائع ہو جاتی ہے۔

اس طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَنَّمَا اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾(۳)

ترجمہ: تمہارا معبود یکتا ہے پس سیدھے رہو اس کے حضور اور اس سے مغفرت مانگو۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر میں ایسے بیان کی گئی ہے:

"قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِهَؤُلَاءِ الْمُكَذِّبِينَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ واحِدٌلَا كَمَا تَعْبُدُونَهُ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْدَادِ وَالْأَرْبَابِ الْمُتَفَرِّقِينَ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ أَيْ أَخْلِصُوا لَهُ الْعِبَادَةَ عَلَى مِنْوَالِ مَا أَمَرَكُمْ بِهِ عَلَى أَلْسِنَةِ الرُّسُلِ وَاسْتَغْفِرُوهُ أَيْ لِسَالِفِ الذُّنُوبِ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ أَيْ دَمَارٌ لَهُمْ وَهَلَاكٌ"(۴)

ترجمہ: اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے بذریعہ وحی الٰہی کے حکم دیا گیا ہے کہ تم سب

---

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، حدیث نمبر:۱۵۹، ۱/۱۳۸

(۲) ایضا

(۳) سورۃ الفصلت: ۴۱/۶

(۴) تفسیر ابن کثیر، ۷/۱۵۰

کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو یہ
طریقہ سراسر گمراہی والا ہے۔ تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کیلئے بجالاؤ۔ اور ٹھیک
اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو۔ اور اپنے اگلے گناہوں سے
توبہ کرو۔ ان کی معافی طلب کرو۔ یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے
ہلاک ہونے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالی آنحضرت ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کی مشرکوں کے سامنے یہ واضح کردیں کہ میں تمام انسانوں جیسا ایک انسان ہوں اللہ تعالی کی واحدنیت کو مانو، اس کے ساتھ شریک کرنے والے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ پرامن معاشرے کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھنے سے انسان میں مستقل مزاجی و ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے اور بخشش مانگنے سے انسان دنیا اور آخرت دونوں میں سرخ رو ہوتا ہے۔

۲) ایثار و قربانی کا جذبہ ہونا

پرامن معاشرے کے قیام میں جذبہ ایثار و قربانی کا اہم کردار ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور صحابہ کرامؓ کا دور حکومت اس سلسلے میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے قرآن انصار کے جذبہ ایثار کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾[۱]

ترجمہ: اور ان کو جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"خصاصہ کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں اور ایثار کے معنی دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش و حاجت پر مقدم رکھنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ حضرت انصار اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ یہ خود حاجت مند اور فقر و فاقہ میں ہوں۔"[۲]

آیت کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انصار نے اپنی خواہشات پر مہاجرین کی خواہشات کو مقدم رکھا۔ اس کے برعکس وہ خود ضرورت مندی اور فقر و فاقے کی حالت میں ہی کیوں نہ ہوتے۔ ہجرت نبوی کے موقع پر حضرت علیؓ (وفات ۶۶۱ء) کا آپ ﷺ کے بستر پر لیٹنا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سفر، حفاظت رسول کا موقع، تحفظ دین کا موقع، ملت کی خدمت کا موقع یہ سب جذبہ ایثار و قربانی کی مثالیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ایسے

---

(۱) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۹

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۸/ ۳۷۵

معاشرے پر ایثار قربانی کے اثرات ڈالے جو کہ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ احساس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا محبوب تمہاری خیر خواہی، اصلاح احوال اور کامیابی کے حوالے سے تمہاری جانوں سے بھی زیادہ تم پر مہربان ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: یعنی جو چیز تمہارے لئے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی گراں گزرتی ہے وہ تمہارے متعلق بہت حریص نہیں اور اہل ایمان کے لئے بڑے مہربان اور رحیم۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پوری خلق خدا پر خصوصاً مسلمانوں پر بے حد مہربان اور شفیق و ہمدرد ہونا بیان فرمایا ہے اور آخری آیت میں آپ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی ساری کوششوں کے باوجود اگر پھر بھی کچھ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔"[2]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور خصوصا مومنوں کے بارے میں بہت ہمدردی رکھتے تھے اور اگر دعوت دینے کے باوجود کچھ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ﷺ صبر کریں اور اللہ تعالی پر بھروسہ کریں۔ ڈاکٹر حمید اللہ آنحضرت ﷺ کے دور میں جذبہ ایثار و قربانی کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"مدینے میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین کے معاشی مسائل حل کرنے کے لئے مواخات کا انتظام کیا اور اس کے بعد مملکت کے قیام کی طرف توجہ فرمائی اور وہ یوں ایک مملکت میں حکمران اور رعایا کے جو حقوق و فرائض ہوں گے انہیں تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔ اس تاریخی دستاویز کو جو قابل ذکر اہمیت حاصل ہے وہ یہ کہ یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔"[3]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں جس معاشرتی نظام کی بنیاد رکھی وہ جذبہ ایثار پر مبنی تھی اور اسے ایک تحریری دستور کی شکل دی گئی۔

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۱۲۸

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۴/ ۴۹۵

(۳) خطبات بہاولپور، ڈاکٹر حمید اللہ، ادارہ تحقیقات، اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۳۳

۳)اخوت و بھائی چارہ

اختلافات کا معاشرے میں پنپنا، ہر طرح کی بد گمانیوں اور بے جا خدشات سے اور افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہ کا معاشرہ پاک تھا اس لئے کہ ان میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا جس نے دوسروں کو حد سے زیادہ متاثر کیا ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾[۱]

ترجمہ: مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

مومنوں کی یہ صفت ہے کہ وہ آپس میں رحم دل ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه اَشِدَّاءُ عَلَي الْكُفَّارِرُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾[۲]

ترجمہ: محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"وَهَذِهِ صِفَةُ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمْ شَدِيدًا عَنِيفًا عَلَى الْكَفَّارِ، رَحِيمًا بَرًّا بِالْأَخْيَارِ، غَضُوبًا عَبُوسًا فِي وَجْهِ الْكَافِرِ ضَحُوكًا بَشُوشًا فِي وَجْهِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ"[۳]

ترجمہ: مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں گرم، ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہیے کہ وہ مومنوں سے خوش خلقی اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنیوالا اور کفر سے ناخوش رہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے آپس کے تعلقات باہمی محبت و اخوت پر مبنی ہوتے ہیں جب کہ کافروں کے ساتھ ان کا رویہ سخت ہوتا ہے اس طرح آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ))[۴]

---

(۱) سورۃ التوبۃ:۹/ ۱۲۸

(۲) سورۃ الفتح:۴۸/ ۲۹

(۳) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد حسین شمس الدین، ۷/ ۳۳۷

(۴) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ، حدیث نمبر:۲۲۶۷، ۱/ ۸۹۲

ترجمہ: مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو مشکل کے وقت بے اسرا چھوڑتا ہے۔

مسلمان کی خوبیوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو مشکل وقت میں اکیلا نہیں چھوڑتا اور نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی ظلم ہونے دیتا ہے۔ ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًاوشبک بين اصابعه))[1]

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک مضبوط دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے، اور (اس بات کی وضاحت کے طور پر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں۔

مسلمان باہمی تعلقات میں ایک جسم کی مانند ہیں اور باہمی اتحاد واجتماعیت میں ان کی کیفیت ﴿بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے۔ ابن ہشام مسلمانوں کے جذبہ اخوت اور اسلام کی برکات کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اوس وخزرج کی طویل خانہ جنگی اور سلسلہ خون وقتال اسلام کی برکت سے باہمی محبت والفت میں اس طرح تبدیل ہوئی کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ ار پیدا نہ کر سکے۔"[2]

انسان اس دنیامیں اکیلے زندگی نہیں گزار سکتا، سماجی تعلقات قائم کرنے، معاشرے کے افراد کے ساتھ اچھے تعلقات اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اخوت وبھائی چارہ مومن کی صفات میں سے ایک صفت ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔

۴) قول وفعل میں یکسانیت

اللہ تعالیٰ نے قول وفعل میں تضاد کو ناپسندیدہ عمل قرار دیاہے۔ اور یہ انسانی معاشرے کے لئے قاتل ہے معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ فرد کا کردار مثبت ہو۔ آج مسلمانوں کو ایسے ہی رہنما کی ضرورت ہے۔ صحابہ کا عمدہ قول وفعل یکسانیت میں اپنی مثال آپ تھا چنانچہ ان سے متاثر ہو کے لوگ نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ قول وفعل میں تضاد اور دولت کو ہتھیار بنانے سے آج کا معاشرہ تباہی کی طرف گامزن ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) ایضا، کتاب المظالم، باب عن اخاک ظالما او مظلوما، حدیث نمبر: ۲۲۷۱، ۱/ ۸۹۳

(۲) سیرت النبی ﷺ، ابن ہشام، ترجمہ: مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، ۲/ ۱۳۳

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُه فَقَدْ عَلِمْتَه تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾[1]

ترجمہ: اس نے کہا تو پاک ہے، میرے لئے (روا) نہیں کہ میں (ایسی بات) کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہو تا تو تجھے ضرور اس کا علم ہو تا تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے، بے شک تو چھپی باتوں کو جاننے والا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ عماد الدین صاحب نے اس آیت کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"قول و فعل میں یکسانیت کو حسن ادب کی توفیق قرار دیا ہے۔ حضرت عیسی کے دل میں کتنی اچھی دلیل القاء کی گئی ہے کہ اے اللہ تعالی جس بات کا مجھے کوئی حق نہیں آخر میں ایسی بات کیسے کہتا اگر میں نے ایسا کہا بھی ہو گا تو ضرور تو جانتا ہی ہو گا کیونکہ تجھ پر تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں، تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے ارادے کو نہیں جان سکتا۔"[2]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کے پاس ہی تمام اختیار ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ تمام باتوں کو جانتا ہے، لہذا ایسی بات نہ کی جائے جس کی ممانعت ہے اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾[3]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے بنا دے گا (حق کو باطل سے جدا کرنے والا) فرقان، اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا، اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تقوی کا حکم دیا ہے اور اس کے بدلے دنیاوی اور آخروی زندگی میں انعامات کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ برائیوں کو دور کرنے کا بھی کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی بہت بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۵/ ۱۱۶

(۲) تفسیر ابن کثیر، تخریج: کامران طاہر، ۲/ ۲۰۳-۲۰۴

(۳) سورۃ الانفال: ۸/ ۲۹

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ ولا الفاحِش ولا البَذيء))[1]

ترجمہ: کوئی بھی مومن بہت زیادہ طعنہ زنی کرنے والا، بہت زیادہ لعنت کرنے والا، بہت زیادہ اخلاق اور فحش گوئی کرنے والا نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مومن کا کردار صاف گو اور طعنہ زنی سے پاک ہوتا ہے اور وہ با اخلاق ہوتا ہے۔ اسلام چونکہ خود بھی امن وسلامتی کا دین ہے۔ اس لئے دوسروں کو بھی اخلاقی، معاشرتی اور امن وسلامتی کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمان وہ شخص ہے جو تمام انسانیت کے لئے امن وسلامتی کا خواہاں ہو اس طرح مومن کی صفات میں شامل ہے کہ وہ امن وآشتی، قوت برداشت، باہمی بقائے احترام اور احترام آدمیت کا پیکر ہو۔

۵) مثبت وپاکیزہ سوچ

اسلام انسان سے زندگی کے تمام معاملات میں پاکیزگی افکار کا مطالبہ کرتا ہے۔ عہدرسالت اور صحابہؓ کا معاشرہ پاکیزگی افکار کا علمی نمونہ تھا۔ ان کے ذہن باطل خیالات اور باطنی امراض سے پاک تھے نگاہیں اور انفرادی زندگی کا ہر پہلو پاکیزگی کا پیکر تھا۔ آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کی حیات طیبہ اس سلسلے میں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُه لِلْيُسْرٰى﴾[2]

ترجمہ: اور اچھی بات کو سچ جانا، پس ہم عنقریب اس کے لئے آسانی کی توفیق دیں گے۔

اس آیت میں نیکیوں کے صلے اور اچھی باتوں کے لئے انعام کیا ذکر ہوا ہے۔ اس طرح حدیث نبوی ہے:

((مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ، وأن نظنَّ به إلَّا خيرًا))[3]

ترجمہ: اے کعبہ تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے۔ اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے مومن کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں بہتر گمان رکھنا چاہیے۔

---

(۱) جامع ترمذی، محمد بن عیسی، الترمذی، (ترجمہ: مولانا وحید الزمان)، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۲ء، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی اللعنۃ، حدیث نمبر: ۱۹۷۶، ۱/ ۶۸۸

(۲) سورۃ اللیل: ۹۲/ ۶-۷

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمۃ دم المومن ومالہ، حدیث نمبر: ۱۷۳۰، ۲/ ۴۶۸

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا مقصد دوسرے انسان کی بھلائی اور خیر خواہی ہونا چاہیے۔اللہ تعالی بھی اس شخص کی خیر خواہی اور بھلائی چاہتا ہے جو دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک مومن کی جان ومال کی اہمیت کعبہ کی کی حرمت سے بھی زیادہ ہے،اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مومن کی جان ومال کو کتنی قدر اور اہمیت حاصل ہے۔

۶)پختہ یقین

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہی سب کا کارساز ہے۔اللہ کی ذات پر پختہ یقین کرنے سے انسان کے سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور اللہ کی رضا کی خاطر ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اللہ تعالی راضی ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ اِنَّه هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾[۱]

ترجمہ:بے شک ہم اس سے پہلے اسے پکارا کرتے تھے بیشک وہ بڑا ہی احسان کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"أَيْ فِي الدُّنْيَا بِأَنْ يَمُنَّ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ عَنْ تَقْصِيرِنَا"[۲]

ترجمہ:ہم اس سے قبل دنیا میں اس سے دعا کیا کرتے تھے کہ وہ گناہوں کی بخشش فرما کر ہم پر احسان فرمائے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنتی لوگ کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں بھی دعا کی تھی کہ ہمارے گناہ بخش دے اور اور ہمارے پر احسان فرما اسی طرح ہم آخرت میں بھی یہی دعا مانگتے ہیں۔اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ﴾[۳]

ترجمہ:اللہ مومنوں کو مضبوط بات سے مضبوط رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں آخرت میں (بھی) اور ظالموں کو بھٹکا دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

---

(۱)سورۃ الطور:۵۲/۲۸

(۲)الجامع لاحکام القرآن، تفسیر القرطبي، ابو عبد اللہ محمد بن احمد (وفات:۶۷۱ھ)، تحقیق:احمد البردونی وابراھیم اطفیش، دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ، طبع دوم، ۱۳۸۴ھ، ۱۷/۷۰

(۳)سورۃ الابراہیم ۱۴/۲۷

﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: آپ ﷺ فرمادیں میرے لئے اللہ کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ دعا سکھائی آپ ﷺ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ مومنوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں مضبوط رکھتا ہے جب کہ ظالموں کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیتا ہے۔ انسانوں کے بس کی بات نہیں کہ وہ کسی کو نفع و نقصان پہنچائیں۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث کامل یقین کی وضاحت اس طرح کرتی ہے:

((احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ))[2]

ترجمہ: تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا تم اللہ کو یاد رکھو تم اسے روبرو (اپنا مددگار) پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو، مدد مطلوب ہو تو صرف اللہ سے چاہو، اور یاد رکھو! دنیا کے سارے لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تمھارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے قلم اٹھا لیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اللہ کو یاد رکھنے اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنے کی نصیحت کی ہے کیونکہ اللہ کی ذات کے بغیر نہ تو کوئی چیز نفع دے سکتی اور نہ ہی نقصان۔

۷) تحقیق و جستجو

پر امن معاشرے کی بقاء کے لئے تحقیق و جستجو بہت ضروری ہے معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لے کر اس کی منفی سرگرمیوں کے تدارک کی تدابیر تلاش کرنا تحقیق کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) سورہ الزمر: ۳۹/۳۸

(۲) شعب الایمان، مقدمہ کتاب، باب القدر خیرہ و شرہ، حدیث نمبر: ۱۹۲، ۱/ ۳۷۴

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیں دیکھو کیا کچھ ہے۔ آسمانوں میں اور زمین میں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو جو زمین میں ہیں اور آسمان میں مشاہدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾[2]

ترجمہ: ایک وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں جو ان کے دل ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان سے سمجھنے لگتے۔ یا ان کے کان (ایسے ہو جائیں گے) ان سے سننے لگتے۔ کیونکہ در حقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

جو لوگ اپنے ارد گرد کے حالات سے باخبر نہیں رہتے، لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی بجائے ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تعلیمات کو جھٹلاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت وعید سنائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾[3]

ترجمہ: کہہ دو کہ ملک میں سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾[4]

ترجمہ: اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ جو اپنے اوصاف کو نہیں بدل لیتی۔

اس قانونی اصول کے تحت آنحضرت ﷺ نے اپنے معاشرے کے کاہل اور سست افراد کو محنت کے راستے پر ڈالا۔ آپ ﷺ کی زندگی اس بات کا عملی نمونہ ہے، چاہے آپ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے یا امت کی فلاح و بہود میں، کاہلی و سستی کا معمولی سا بھی دخل نہ ہوتا بلکہ آگے بڑھنے کی جستجو رہتی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی جو جماعت تیار کی وہ بھی ایسی ہی تھی کیونکہ آپ ﷺ نے انہیں محنت کرنا سکھا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ الیونس: ۱۰/ ۱۰۱

(۲) سورۃ الحج: ۲۲/ ۴۶

(۳) سورہ الانعام: ۶/ ۱۱

(۴) سورۃ الرعد: ۱۳/ ۱۱

((خَيْرَ الْعَمَلِ أَدْوَمُهُ وَإِنْ قَلَّ))(۱)

ترجمہ: بہترین کام وہ ہے جسے آدمی ہمیشہ کرے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کو بھی وہ کام پسند ہے جو مسلسل اور ہمیشہ کے لئے ہو خواہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کام میں انسان کی لگن اور محنت شامل ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال خوب جانتا ہے۔

۸) الفت و بھائی چارہ اور اخلاقیات کی فضیلت

رضائے الٰہی کی خاطر کسی سے محبت کرنا اور دین کی خاطر بھائی چارہ قائم کرنا افضل ترین نیکی اور اچھی عادت ہے اس کی وجہ سے انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ اور اسے بلند اور اعلیٰ درجات حاصل ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے اعلیٰ درجات کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ "رضائے الٰہی کی خاطر الفت و بھائی چارہ قائم کرنے کی فضیلت، اس کی شرائط و درجات اور فوائد بیان۔

۲۔ محبت (یعنی دوستی) کے حقوق، اس کے آداب، حقیقت و لوزامات کا بیان۔

۳۔ عام مسلمان، رشتے داروں، پڑوسیوں اور غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ میل جول کی کیفیت بیان کرنا۔"(۲)

الفت حسن اخلاق کا ابتدائیہ ہوتی ہے اور اختلاف بد اخلاقی کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ حسن اخلاق کی وجہ سے باہمی محبت و الفت اور موافقت پیدا ہوتی ہے جب کہ بد اخلاقی کی وجہ سے بغض و حسد اور جدائی پیدا ہوتی ہے۔ حسن اخلاق کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾(۳)

ترجمہ: بے شک آپ ﷺ کے اخلاق بڑی شان کے ہیں۔

آپ ﷺ اپنے اخلاق کی وجہ سے صادق و امین کے لقب کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَحَاسِنَ الأَخلَاقِ))(۴)

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب المدامۃ علی العمل، حدیث نمبر: ۴۲۴۰، ۲/۵۶۹

(۲) احیاعلوم الدین، امام غزالی، مکتبہ المدینہ، باب المدینہ، کراچی، ۲۰۱۳ء، ۲/۵۶۸

(۳) سورۃ القلم: ۶۸/۴

(۴) روح المعانی، آلوسی بغدادی، دار احیا التراث العربی، بیروت، ۵/۱۵۶

ترجمہ: حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

((مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ))[1]

یعنی میزان عمل میں رکھی جانے والی سب سے وزنی شے اچھے اخلاق ہیں۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں اخلاقی معیار کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ میں اس نعمت کا اظہار کرتے ہوئے تفرقہ بازی کی مذمت کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

اس آیت مبارکہ میں ﴿ اِخْوَانًا ﴾ یعنی بھائی ہونے سے مراد الفت و محبت قائم ہونا ہے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ محبت کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے:

((الْمُؤْمِنُ مُؤْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ))[3]

ترجمہ: یعنی مومن محبت کرتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے اور جو شخص نہ خود محبت کرے نہ اس سے محبت کی جائے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

جو شخص دوسروں کے ساتھ محبت کا رویہ نہیں رکھتا اس سے کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی اس طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی کے باعث رزق میں فراخی ہوتی ہے۔

---

(۱) جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن خلق، حدیث نمبر: ۳۰۰۲ء، ۱/ ۶۹۴

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۰۳

(۳) مسند احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ احمد، حنبل، عالم الکتب، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ۱۵/ ۱۰۶

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))(۱)

ترجمہ: جس کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اس کا رزق فراخ ہو اور اس کی عمر دراز ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔

ابن خلدون اخلاق اور اخلاقی اقدار کو معاشرے کے لئے ناگزیر قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

"اخلاقی عمل اور اخلاقی نشوونما کی جھلک معاشرتی زندگی کے ہر پہلو میں موجود ہوتی ہے۔ خاندان، ریاست اور نظام اجتماعی کی دوسری صورتوں کا اخلاق سے اس قدر گہرا تعلق ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے کا وجود اس کے بغیر ممکن نہیں تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ جس طرح مذہب کی حیثیت معاشرے کے لئے وجود ہے۔ اسی طرح اخلاق بھی اس کے وجود بقاء کی ایک اہم کڑی ہے۔"(۲)

الفت و بھائی چارہ اور اخلاقیات معاشرتی زندگی کے اہم ستون ہیں، ان کے ذریعے اخلاقی اقدار کو فروغ دے کر معاشرے میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ انسانوں کا آپس میں محبت کے ساتھ رہنا اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ موجودہ دور میں ان اسلامی اصولوں پر عمل کر کے معاشرے میں امن و سکون قائم کیا جا سکتا ہے۔

۹) مذہبی آزادی

قرآن مجید میں مسلمانوں کے ان بنیادی فرائض کی نشاندہی کی گئی ہے جس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت دوسرے غیر مسلم لوگوں کے ساتھ امن، سکون اور دوستی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِه شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰي وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا﴾(۳)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق،، حدیث نمبر ۹۲۳، ۳/ ۳۶۸

(۲) تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۷۵

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۳۶

ترجمہ: اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ خدا (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں وضاحت کے ساتھ ہمسایہ کو بھی ان لوگوں میں شامل کیا گیا ہے جن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک یا مذہب سے ہی کیوں نہ ہو اور ان لوگوں کی فہرست میں والدین، رشتہ دار اور اپنے پڑوسیوں کو تو پہلے ہی شامل کیا گیا ہے اس کے علاوہ جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، جیسے والدین، رشتہ دار، یتیم وغیرہ وہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں جن کے ساتھ ایک مسلمان کو نیک سلوک کرنا چاہیے۔ کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے کردار میں مثبت تبدیلی آتی ہے۔ اسلام نے انسانوں کو دین کے متعلق واضح ہدایات دی ہیں۔

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۱)

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

اس اصول کے تحت معاشرے کے ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ جس مذہب و مسلک کو اپنانا چاہے اپنا لے۔ آنحضرت ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پر امن بقائے باہمی اور مذہبی آزادی و رواداری کے اصول پر قائم تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَااَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو اللہ تعالی نے یہ دعا سکھائی ہے کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے بتائیں کہ ہمارا اور تم لوگوں کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ایک ہی رب ہے، آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو اور تمام انسانوں نے تا قیامت اکٹھے ہونا ہے اس طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۲۵۶

(۲) سورۃ الشوریٰ:۴۲/۱۵

﴿وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَه مُسْلِمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح کا مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو (کتابیں) تم پر اتریں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبر دار ہیں۔

اس آیت کی تشریح تفسیر ابن کثیر میں اس طرح ہے:

"بل هي باقية أو محكمة لِمَنْ أراد الاستبصار منهم في الدين، فيجادل بالتي هي أحسن، ليكون أنجع فيه"[2]

ترجمہ: کہ یہ حکم باقی ہے جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے اور اسے مہذب طریقے پر سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہئے۔ کیا عجیب ہے کہ وہ راہ راست اختیار کرے۔

پر امن معاشرہ وہی کہلائے گا جس میں معاشرے کے تمام افراد ذہنی سکون اور آزادی رائے کا حق رکھتے ہوں، انہیں زندگی کی تمام سہولیات میسر ہوں اور لوگ بلا خوف و خطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔ پر امن معاشرے میں لوگ اپنے مقاصد و اہداف بلا کسی رکاوٹ کے حاصل کر سکتے ہیں۔ معاشرے کو پر امن بنانا کسی ایک فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرے کے تمام افراد کے باہمی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے وفاداری، محنت، دیانتداری، عزت و احترام، بقائے باہمی، رواداری، تعاون اور جذبہ ایثار جیسی صفات کا معاشرے کے افراد میں ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۴۶

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۶/ ۲۸۳

فصل چہارم: امن کے انفرادی و اجتماعی فوائد و ثمرات

امن سے معاشرے میں کامیابی، ترقی اور خوشحالی آتی ہے، دنیاوی ترقی کے لئے امن ناگزیر ہے۔ بدامنی اور انتشار کی وجہ سے قومیں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ امن کو قائم کرنے اور بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اتحاد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، اتحاد ہی وہ قوت ہے جس سے امن بحال ہو سکتا ہے۔ امن کا قائم ہونا اقوام اور معاشروں کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ امن کو قائم کرنے میں انصاف اور باہمی احترام بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلام چونکہ محبت ورواداری کا دین ہے اس میں معاف کر دینے کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی امن پسندی سے انسانیت کو ترقی وکامرانی نصیب ہوئی۔ وہ لوگ جو معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں انہیں قتل کرنے کا حکم ہے کیونکہ فتنہ وفساد قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ ایسی قومیں ہی امن کے فوائد وثمرات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے جو علم وعرفان کی اہمیت کو سمجھتی ہیں اور اپنے تمام نظام کی بنیاد انصاف اور علم وحکمت کو بناتی ہیں اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ اصول وضوابط پر عمل کرنے سے ہی قومیں ترقی کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب کوئی قوم اسکے بتائے ہوئے سیدھے راستے سے بھٹک جاتی ہے تو اس سے دنیا کا اقتدار حکومت چھین لیا جاتا ہے اور اسے کسی ایسی قوم کے ہاتھوں میں سونپ دیا جاتا ہے جو اصولوں پر ایمان رکھتی ہو۔ امن قائم ہونے سے معاشرے میں ترقی اور خوشحالی آتی ہے، معاشرے کا ہر فرد اپنے روز مرہ کے کام خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے جس سے معاشرہ ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ امن کے درج ذیل انفرادی اور اجتماعی فوائد ہیں:

۱) باہمی اخوت واتحاد کا معاشرے میں پنپنا

آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے جو معاہدات کئے ان کی نوعیت معاشرتی تھی، رہن سہن اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات پر مبنی تھی۔ دین کے حوالے سے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾[1]

ترجمہ: تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

امن دین کو نافذ کر کے ہی قائم کیا جاسکتا ہے دین کی تعلیمات امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اتحاد پر امن معاشرے کے لئے ناگزیر ہیں دین کی وسعت سے فوائد اٹھا کر انفرادی واجتماعی امن کا قیام اور آسان ہو جاتا ہے اور اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد وثمرات معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سورۃ الکافرون:۱۰۹/۶

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾[۱]

ترجمہ: اور وہ جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔(اے مسلمانو!) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین پر فتنہ اور بہت بڑا فساد پھیل جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو خبر دار کر رہے ہیں کہ کافروں سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ آپس میں دوست ہیں اگر تم ان سے دوستی کروگے تو کائنات میں فتنا وفساد برپا ہو جائے گا۔ اللہ تعالی کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں محبت ڈال دی کیونکہ یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾[۲]

ترجمہ: اور اسی نے ان کے دلوں میں الفت ڈالی ہے اور اگر آپ زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر دیں تو ان کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے اور لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خاص انعام کا ذکر فرمایا جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تائید و نصرت کے لئے عام مسلمانوں پر ہوا کہ ان کے دلوں میں مکمل وحدت و الفت پیدا کر دی گئی، اس کے ساتھ اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر ان میں الفت و محبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں صرف اس ذات کا کام ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی اس کام کے لئے خرچ کر ڈالے کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دے تو وہ کبھی اس پر قابو نہیں پاسکتا۔ مسلمانوں کا آپس میں حقیقی اور پائیدار اتفاق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر موقوف ہے۔"[۳]

---

(۱) سورۃ الانفال: ۸/ ۷۳

(۲) ایضا: ۸/ ۶۳

(۳) تفسیر معارف القرآن، ۴/ ۲۷۷-۲۷۸

اس آیت میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اپنی نعمت جتلاتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کا آپس میں حسن اتفاق سے رہنا اللہ کی عطا کی گئی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد کے حالات سے امن کے فوائد و ثمرات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾[1]

ترجمہ: اللہ نے اپنے رسول کو بالکل سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ (اے مسلمانو!) تم لازماً داخل ہوگے مسجد الحرام میں 'ان شاء اللہ' پورے امن کے ساتھ اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بالوں کو ترشواتے ہوئے '(اُس وقت) تمھیں کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔} ''تو اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے 'تو اس کے علاوہ اس نے (تمہارے لیے) ایک قریب کی فتح بھی رکھی ہے۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی نے اس طرح بیان کی ہے:

"رَأىٰ فِي الْمَنَامِ أَنَّهُم يَدخُلُونَ المَسجِدَ الحَرَامَ وَأَنَّهُم آمِنُونَ مُحلِقِينَ رُؤُوسَهُم وَمُقَصِّرِينَ"[2]

ترجمہ: یعنی آپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ امن میں ہیں اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور ترشواتے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف ہونے سے دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں اور یہ دوریاں غلط فہمیوں کا باعث بنتی ہیں، فرمایا:

((اسْتَوُوا ولَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ))[3]

ترجمہ: برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہونا اس سے تمہارے دل بھی دور ہو جائیں گے۔

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے اختلافات کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

((كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ وَ لَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا))[4]

---

(۱) سورة الفتح: ۴۸/ ۲۷

(۲) الدر المنثور في التاويل بالماثور، ۹/ ۲۳۲

(۳) صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتها، حدیث نمبر: ۹۷۲، ۲/ ۵۶

(۴) صحیح بخاری، کتاب فی الخصومات، باب مایذکر الاشخاص والملازمہ، حدیث نمبر: ۱۵۰۴، ۱/ ۸۷۹

ترجمہ: تم دونوں ہی اچھے ہو اور دیکھو! آپس میں اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اختلافات کا شکار ہوئے تو ہلاک ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید مختلف وجوہ کے ساتھ نازل ہوا ہے امت نے تتبع سے سات قرات معلوم کر لی ہیں، اس کے علاوہ پانچ قرات شادہ بھی ہیں۔ قرات متواترہ میں سے جو چاہے پڑھے، لیکن اس کا لحاظ کرے کہ قوم کے سامنے وہ قرات نہ کرے جس سے لوگ مانوس نہ ہوں۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی کہ اختلافات کا شکار ہونے سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، جس سے اعمال ضائع ہوتے ہیں اور انسان ہلاکت کی طرف جاتا ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی اسلام میں باہمی تعلق محبت اخوت کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اسلامی نظام ہی وہ واحد نظام ہے جو مختلف طبقوں کی وحدت اور ان کے اندر باہمی تعاون کی حفاظت کرتا ہے، ان کے درمیان اخوت کے رشتوں کو مضبوط بناتا ہے اور افراد اور جماعتوں کے درمیان محبت کی روح کو زندہ کرتا ہے یہ روئے زمین سے ناانصافی اور زیادتی کو مٹاتا ہے۔"(۲)

مکمل اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق محبت اخوت پر مبنی ہو۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اتحاد کے خواہشمند ہوں اور دوسری طرف اعتبار کے بعد مسلمان بھائیوں کے ساتھ دھوکہ دہی سے کام لیں۔ مثبت رویے کو اہل اسلام کی دینی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت کو بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اپنے ذاتی مفادات کی بجائے مشترکہ مفادات کو ترجیح دینی چاہیے۔ لوگوں کا آپس میں اتحاد واتفاق سے رہنا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اتحاد سے بیرونی سازشیں ناکام ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ مسلمان ایک طاقت بن کر کسی بھی دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی صلاحیتیں مثبت انداز میں استعمال ہو کر ایک کامل معاشرہ بن جاتا ہے۔ امن و آشتی اور پیار و محبت کا بول بالا ہوتا ہے، ایثار کے جذبات کو فروغ ملتا ہے۔

---

(۱) نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، ص:۳/۶۴۵

(۲) اسلامی نظام ایک فریضہ - ایک ضرورت، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ترجمہ محمد طفیل انصاری، عبد الحفیظ احمد، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۱۸۰

۲)معاشرے کی اصلاح

امن کے انفرادی اور اجتماعی فوائد میں اصلاح معاشرہ بنیادی حیثیت رکھتاہے۔معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے ہم اپنے ارد گرد اور حلقہ احباب کے ساتھ باہمی محبت،اخوت کارویہ رکھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتاہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ:اپنے قریب ترین رشتہ داروں کوڈراؤ۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع ایسے بیان کرتے ہیں:

"عشیرہ کے معنے کنبہ اور خاندان اقربیٰ کی قید سے ان میں سے بھی قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبلیغ رسالت اور انذار پوری امت کے لئے فرض ہے اس جگہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص میں تبلیغ و دعوت کے آسان اور موثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا گیاہے جس کے آثار دور رس ہیں۔وہ یہ کہ اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے سے قریب ہونے کی بناء پر اس کے حقدار بھی ہیں کہ ہر خیر اور اچھے کام میں ان کو دوسروں سے مقدم کیاجائے اور باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناءپر ان میں کوئی جھوٹا دعویدار نہیں کھپ سکتااور جس کی سچائی اور اخلاقی برتری خاندان کے لوگوں میں مصروف ہے اس کی سچی دعوت قبول کرلینا ان کے لئے آسان بھی ہے اور قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن گئے تو ان کی اخوت و امداد بھی پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ خاندان جمعیت کے اعتبار سے بھی ان کی تائیدواخوت پر مجبور ہوتے ہیں۔"(۲)

اپنی اصلاح سے اپنے اہل وعیال اور اپنے رشتے داروں کو متاثر کریں کہ وہ ان میں بھی اخوت ومساوات، محبت وایثار جیسی عادات پیداہوں۔اپنے فرائض کی ادائیگی کو اپنا شعار بنالیں اور کسی قسم کی لالچ سے دوسروں کو مشکل میں نہ ڈالیں۔ملک میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر امن قائم ہونے سے معاشرے کی نہ صرف اصلاح ہو گی بلکہ تمام لوگوں کے حقوق وفرائض بھی پورے ہوں گے۔کسی فرد یاقوم کے بننے یا بگڑنے میں زیادہ کردار اس کے ماحول کا ہوتا

---

(۱)سورۃ الشعراء:۲۶/۲۱۴

(۲)تفسیر معارف القرآن،۶/۱۸۵

ہے۔ انسان فطری طور پر ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر انسان کا ماحول صحیح نہ ہو تو کوئی تعلیم و تربیت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))(۱)

ترجمہ: یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کنبہ پر نگران اور ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے اپنے اعمال کی پرسش کے علاوہ اپنے اہل وایال کے اعمال کا بھی سوال ہو گا۔

مولانا مودودی آنحضرت ﷺ کے دور مدینہ کے اسلامی نظام معاشرہ کی تصویر ایسے کھینچتے ہیں:

"پورے اجتماعی ماحول میں فیاضی، ہمدردی اور تعاون کی روح جاری و ساری ہو گئی حتی کی لوگ آپ ہی آپ قانونی حقوق کے ماسوا ان اخلاقی حقوق کو بھی سمجھنے اور ادا کرنے لگے، جنہیں نہ قانون کے زور سے مانگا جا سکتا ہے، نہ دلوایا جا سکتا ہے۔"(۲)

اس سے اس بات کا اندازاہ لگایا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ کے قائم کردہ معاشرے میں اسلامی اقدار کا کس طرح عملی نفاذ معاشرے میں ممکن ہوا۔

۳) معاشی استحصال کا خاتمہ

ملک و معاشرے میں برابری اور عدم مساوات نہ ہونے کی وجہ سے معاشی استحصال ہوتا ہے اگر ملک سے معاشی استحصال کا خاتمہ ہو گا تو معاشی خوشحالی ہو گی، جرائم پر قابو رہے گا اور دوسروں کے حقوق کا تحفظ ہو گا، کرپشن، رشوت اور بہت سی مالی بدعنوانیوں سے معاشرہ بچا رہے گا۔ چنانچہ اسلام معاشی نظام کی اصلاح اور اسے مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے حق میں ہے جس میں صدقات، زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ، قرض حسنہ کے ذریعے معاشرے کے محروم طبقے کو حقوق دیئے جانے شامل ہیں اسلام نے یہ معاشی اصول دیا:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾(۳)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب الجمعہ فی القری والمدن،، حدیث نمبر:۸۴۶، ۱/۴۰۵

(۲) اسلامی ریاست، مودودی، ص:۶۸۲

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۱۸۰

ترجمہ: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا
ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت
برا ہے اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے جائیں گے جس میں انہوں
نے بخل کیا تھا 'قیامت کے دن اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے لیے
ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو خبردار کر رہے ہیں کہ کنجوسی اور بخل سے کام نہ لیں کیونکہ کائنات کے اختتام پر دنیا کی سب چیزیں فنا ہو جانی ہیں۔ اور مال کی تقسیم کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

((تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ))[1]

ترجمہ: اور (زکوٰۃ) ان (مسلمانوں کے) مال داروں سے لیکر ان کے غریبوں پر تقسیم
کی جائے گی۔

اسلامی نکتہ نظر سے ہر شخص کو حلال طریقے سے رزق کمانے کی آزادی ہے اس کے ساتھ ساتھ دولت کی تقسیم میں اسلام ایسے طریقوں کی حمایت کرتا ہے جس سے دوسروں کے حقوق کی تلفی نہ ہو۔ معاشرے میں رہنے والے امیر افراد کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے مال کو پاک کرنے کے لئے اس میں سے زکوۃ دیں تاکہ حقداروں کا حق ان تک پہنچے اور دولت گردش کرتی رہے۔ معاشی استحصال کے خاتمے کے لئے یوسف القرضاوی نے حکومت کی ذمہ داریوں کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اگر اسلامی حکوت کے خزانہ عامرہ کے مستقل وسائل آمدنی اتنے کم ہو
جائیں کہ فقراوٴ مساکین کی کفالت نہ ہو سکے اور معاشرہ کے افراد باہمی
ہمدردی اور تعاون کے جذبے سے بھی اتنے سرشار نہ ہوں کہ بطور خود
فقراء کی کفالت کریں تو پھر دولت اسلامیہ کے حکمرانوں پر لازم ہے کہ
اغنیاء کے مالوں پر مزید ٹیکس لگادیں جس سے فقراء کی اعانت کی جاسکے اور
ان کی بنیادی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ
اسلام میں حکومت کے فرائض حد تک ایجابی اور جامع ہیں۔"[2]

لہذا امن کے قیام میں معاشی استحصال کے خاتمے کا اہم کردار ہے اس سلسلے میں حکمرانوں کو اپنی ذمہ داریوں کو فرض شناسی کے ساتھ نبھانا ہو گا۔

۴) اخلاقی اقدار کا فروغ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۳۰۶، ۱/ ۵۶۵

(۲) اسلام اور معاشی تحفظ، یوسف القرضاوی، ترجمہ: عبد الحمید صدیقی، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص: ۱۲۲

معاشرے میں امن ہونے سے اخلاقی اقدار کو فروغ ملتا ہے اور معاشرہ اچھے اخلاق کا عملی نمونہ بن جاتا ہے۔
اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی شخصیت ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1]

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

اس طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُه عَلَي اللّٰهِ﴾[2]

ترجمہ: جس نے درگزر کیا اور معاملے کو بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے درگذر کرنے سے معاملہ ہمیشہ سنور جاتا ہے۔ اللہ نے انسان کو زندگی گزارنے کے اصول و قواعد وضوابط بتائے تاکہ معاشرے کے افراد باہمی محبت اخلاق سے رہتے ہوئے پرامن معاشرے کی بنیاد رکھیں۔ اس طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ﴾[3]

ترجمہ: اور جو پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس خیر وبرکت اور رحمت وشفقت کا پیکر تھی اس پر کسی قسم کے دلائل کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۲۱

(۲) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۴۰

(۳) سورۃ الرعد: ۱۳/ ۲۲

(۴) سورۃ الانبیاء: ۲۱/ ۱۰۷

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر دوڑائیں تو اس میں خیر ہی خیر اور رحمت ہی رحمت نظر آئے گی آپ ﷺ کی رحمت کسی خاص فرد، قبیلے تک مخصوص طبقے کے لئے نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کی رحمت کا سایہ دوست، دشمن، غلام، کافر، مسلمان ہر ایک پر رہتا تھا۔

تاریخ طبری میں آنحضرت ﷺ کے لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"حسن معاملہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی تربیت کا اثر تھا عمرؓ غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک کو انتظامی سلسلے میں خصوصی اہمیت دیتے۔ ان کے پاس کوئی وفد آتا تو علاقے کے گورنر کے بارے میں دریافت کرتے کہ کیسا ہے؟ غلاموں کی عیادت کرتا ہے کہ نہیں؟ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے؟ ان غرباء کو ان کے دروازے پر بیٹھنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟ اگر سوالات کا جواب نہیں میں ہوتا تو اس گورنر کو معزول کر دیتے۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کا کتنا خیال رکھا جاتا تھا، تاکہ لوگوں کے حقوق و فرائض صحیح طریقے سے ادا ہوں اور کوئی فرد احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔

۵) عہد کی پاسداری کا معاشرے کے امن میں کردار

بدعہدی کا معاشرے کے بگاڑ میں اہم کردار ہوتا ہے۔ عہد کی پاسداری ایک اہم ترین اخلاقی اقدار میں شامل ہے۔ لہٰذا معاشرے میں افراد کے آپس کے تعلقات لین دین اور مختلف دنیاوی معاملات میں عہد کی پاسداری سے معاشرہ نہ صرف مثبت ترقی کی طرف گامزن ہوتا ہے بلکہ افراد معاشرہ میں بھی داخلی امن وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))(۲)

ترجمہ: چار خصلتیں جس میں ہوں، وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ایک خصلت ہو، تو ایک جزو منافقت کا ہے، حتیٰ کہ اسے بھی چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ

---

(۱) تاریخ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، موسسہ العلمی للمطبوعات، ۵/۳۳

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، حدیث نمبر: ۲۱۰، ۱/۱۶۴

بولے، جب معاہدہ کرے تو مکمل نہ کرے، جب وعدہ کرے تو توڑدے اور جب لڑائی ہو جائے تو گالم گلوچ کرے۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح بیان کی ہے:

"جو شخص دل سے یقین رکھے اور زبان سے ایمان کے ارکان کا اقرار کرے پھر یہ چاروں کام کرتا ہو تو وہ کافر نہیں منافق ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان خصائل میں اور اخلاق میں منافقوں کے مشابہ ہے کیونکہ نفاق یہی ہے کہ ظاہر باطن کے خلاف ہو۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منافق کی کیا نشانیاں ہیں اور اس کا کیا انجام ہو گا اور نفاق سے مراد ظاہر و باطن کا مختلف ہونا ہے اور جس میں ایک خصلت پائی جائے تو وہ ایک جزو منافقت کا ہے۔

بدعہدی کی مذمت حدیث کے ان الفاظ سے کی گئی ہے:

((لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِيرفع له بقدر غدره، ألا ولا غادر أعظم من أمير عامة))(۲)

ترجمہ: قیامت کے دن ہر دھوکے باز کے لئے ایک جھنڈا ہو گا، جو دھوکے کے (گناہ) کے برابر بلند ہو گا۔ اور حکمران کے دھوکے سے بڑا کوئی اور دھوکہ نہ ہو گا۔

اس حدیث کی شرح میں نووی بیان کرتے ہیں:

"عرب کا قاعدہ تھا کہ مشہور کرنے کے لئے بازار میں جھنڈا کھڑا کرتے ،دغاباز وہی ہے جو وعدہ کرے اور پھر اس کو پورا نہ کرے اور اس سے دغا بازی کی حرمت نکلی ہے خاص کر اس شخص کے لئے جو حکمران ہو، حکمران کی دغابازی سے ایک عالم کو نقصان پہنچتا ہے جب کہ غریب کی دغابازی سے ایک یادو شخصوں کو نقصان پہنچتا ہے۔"(۳)

اس حدیث میں دھوکے کی سب سے بڑی قسم کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ حاکم وقت کا اپنی رعایا کے ساتھ دھوکہ ہے۔ حاکم وقت رعایا کے تمام امور کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے اس لئے اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ انصاف کا معاملہ رکھے اور ان کے ساتھ کئے گئے وعدوں کو پورا کرے۔

---

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، حدیث نمبر: ۲۱۰، ۱/ ۱۶۴

(۲) ایضا، کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم الغدر، حدیث نمبر: ۴۵۳۸، ۵/ ۱۶

(۳) ایضا

٦)اصلاح تعلیم وتربیت کے معاشرے پر اثرات

کسی بھی معاشرے میں امن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک افراد معاشرہ کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق نہ کی جائے انہیں مذہبی روایات واقدار سے روشناس نہ کروایا جائے آنحضرت ﷺ نے افراد اور معاشرے کی تربیت کا اہم فریضہ ادا کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾[1]

ترجمہ: بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اللہ تعالی کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بھیجا اور آپ ﷺ انسانوں کے خیر خواہ تھے، قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور حکمت سکھاتے۔

اسلام علم کو پھیلانے پر بہت زور دیتا ہے، بلکہ ہر مسلمان پر علم سیکھنے کو فرض بھی قرار دیتا ہے، فرمان نبوی ہے۔

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))[2]

ترجمہ: ہر مسلمان پر علم سیکھنا فرض ہے۔

تعلیم ایک قابل احترام عمل اور تعلیم وتربیت کا کام کرنے والے مخلص اساتذہ قابل تعریف ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لا حَسدَ إلا في اثنتين رَجُلٌ آتاهُ اللهُ مالاً فَسُلِّطَ عَلى هَلكته في الحقِّ، ورجلٌ آتاهُ اللهُ الحكمةَ فَهْوَ يَقْضي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا))[3]

ترجمہ: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے، ایک اس شخص پر جس کو اللہ نے مال ودولت سے نوازا، پھر اس کو حق اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کی بھرپور توفیق دی، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے علم وحکمت سے نوازا، تو وہ اس سے لوگوں کے درمیان صحیح اور شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۱۶۴

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء، حدیث نمبر:۲۳۰، ۱/۹۵

(۳) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمہ، حدیث نمبر:۷۳، ۱/۱۳۸

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب وحکمت یعنی قرآن وسنت کی تعلیم دینا اور لوگوں کے معاملات کو کتاب وسنت کے مطابق حل کرنا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے نہ کہ اس کو حقیر سمجھا جائے قوموں کی ترقی میں تعلیم وتربیت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے جو قوم جتنی تعلیم یافتہ ہوگی اتنی ہی ترقی کرے گی اور جو قوم جس قدر جاہل اور ان پڑھ ہوگی وہ اس قدر تنزلی کی طرف جائے گی۔ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر افراد معاشرہ کی تربیت کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"معاشرہ چونکہ افراد سے مل کر بنتا ہے لہذا اسلام معاشرے کی مجموعی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ فرد کی تربیت پر بھی زور دیتا ہے اسلام ہر فرد کی جداگانہ اہمیت اور عزت واحترام کا قائل ہے۔ وہ معاشرے اور افراد کے ذہن میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اپنی زندگی کے لئے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔"[۱]

افراد اور اقوام کی زندگی میں تعلیم وتربیت کو وہ بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ افراد کی ساری زندگی کی عمارت اسی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے اور اپنے تعلیمی فلسفہ کے ذریعے ہی اپنے نصب العین، زندگی کے مقاصد، تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت کا اظہار کرتی ہیں۔امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین کا آغاز کتاب العلم سے کیا ہے اور اس میں اس موضوع سے متعلق جامع تفصیلات دی ہیں، فرماتے ہیں:

"میری نگاہ میں علم کا مقصد انسان کے لئے سعادت ابدیہ کا حصول ہے۔ علم اعظم الاشیاء ہے اور اعظم الاشیاء وہ شے ہے جو اس سعادت تک پہنچائے۔السعادة فی الدنیا والاخرة والعلم اس سعادت کا ثمرہ ہے، قرب العالمین آخرت میں، اور عزت وقار اس دنیا میں ۔علم کا مقصد سعادت اخروی کے ساتھ ساتھ تخلیق کائنات کی دریافت اور تکمیل بھی ہے۔ دین کا نظام دنیا کے نظام کے بغیر چل نہیں سکتا، کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"[۲]

کلیات اردو میں تعلیم کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"تعلیم کا فرض ہے کہ انسان ضرورت کو پیش نظر رکھے اور جسمانی اور روحانی تقاضوں کو یکساں اہمیت دے اس کے ساتھ ہی تعلیم کا مقصد انسان کو تسخیر کائنات کے لئے تیار کرنا بھی ہے اور اسے ایسے سانچے میں ڈھالنا

---

(۱)عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں،ڈاکٹر،عبد الرؤف ظفر،مکتبہ قدوسیہ،لاہور،۲۰۱۲ء،ص:۳۴

(۲)احیاء العلوم،۱/۱۴۸

بھی کہ وہ خود کو مفید شہری بنا کر صالح معاشرے کو وجود میں لانے میں مدد
دے اور تعلیم کا آخری اور بڑا مقصد خودی کا تقویت اور استحکام ہے۔"(۱)

کسی بھی معاشرے میں علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علم سے انسان اس دنیا میں اپنے ارد گرد کے حالات سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور دنیا میں اپنے آنے کے مقصد سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں کئے گئے تمام کاموں کا حساب آخرت میں دینا ہوتا ہے۔

۷) گھریلو اطمینانیت کا امن میں کردار

انسانی معاشرے کی ابتداء خاندان سے ہوتی ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ گھر کے ماحول کا پر امن ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ انسان کی زندگی کے ابتدائی ایام گھر میں ہی گذرتے ہیں۔ گھر کی تعلیم وتربیت کا انسان کی پوری زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

"ایک اچھے معاشرے کا دارومدار مستحکم خاندان پر ہے تاریخ انسانی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا باعث خاندان ہی کا انتشار ہے۔ رومی تہذیب اسی کے سبب زوال کا شکار ہوئی۔ خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو انسانی رویے اور طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے۔ خاندان ہی وہ واحد ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے اور جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے، اگر خاندان کا استحکام ختم ہو جائے انسانی طرز عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افراد معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ختم ہو جاتے ہیں۔"(۲)

گھر میں فرد کی ہر ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے، افراد کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں گھر کے بڑوں کا عمل دخل ہوتا ہے۔ بچے کے بچپن کے ابتدائی ایام میں گھر کے افراد بچے کی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بچوں کو شروع ہی سے مثبت رویوں اور عادات واطوار کا عادی بنایا جائے تاکہ وہ گھر سے اچھی تربیت حاصل کر کے گھریلو ماحول کو پر امن بنانے کا باعث بنیں۔

۸) پر امن معاشرے میں نکاح کا کردار

---

(۱) کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان، طبع ہشتم، ۲۰۰۷ء، ص: ۵۴۶

(۲) اسلام کا معاشرتی نظام، پروفیسر ڈاکٹر، خالد علوی، لاہور، مکتبہ علمیہ، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۸

نکاح سنت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے۔ نکاح کرنے سے انسان بہت سی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ صالح، پاکیزہ اور پر امن معاشرے میں نکاح کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح کے نہ صرف فرد کی اپنی انفرادی زندگی پر بلکہ اجتماعی زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں حکم ربانی ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: اور نکاح کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دیگا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"هَذِهِ الْآيَاتُ الْكَرِيمَاتُ الْمُبِينَةُ عَلَى جُمَلٍ مِنَ الْأَحْكَامِ الْمُحْكَمَةِ وَالْأَوَامِرِ الْمُبْرَمَةِ، فَقَوْلُهُ تعالى: وَأَنْكِحُوا الْأَيامى مِنْكُمْ إلى آخره، هَذَا أَمْرٌ بِالتَّزْوِيجِ. وَقَدْ ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ إِلَى وُجُوبِهِ عَلَى كُلِّ مَنْ قَدَرَ عليه. واحتجوا بظاهر قوله عليه السلام "[2]

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))[3]

ترجمہ: اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرما دیئے ہیں اولا نکاح کا۔ علماء کی جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کر لینا چاہئے۔ نکاح نظر کو نیچی رکھنے والا شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو وہ لازمی طور پر روزے رکھے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کے رزق کو فراغ کرتا ہے جو نکاح جیسے مقدس بندھن میں بندھتا ہے۔ نکاح کرنے سے انسان بہت سی معاشرتی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

۹) سیاسی استحکام

---

(۱) سورۃ النور: ۲۴/ ۳۲

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۶/ ۴۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، حدیث نمبر: ۵۰۶۵، ۷/ ۳

سیاسی انقلاب اسی صورت میں آ سکتا ہے جب معاشرے کے تمام افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور معاشرہ خوشحال اور پر امن ہو گا۔ سیاسی زندگی کا انسان کی معاشرتی زندگی میں اہم کردار ہوتا ہے جہاں امن کے بغیر معاشرتی امن کا خواب ادھورا ہے اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات میں سیاسی پہلو کی اصلاح کے لئے کئے جانے والے اقدامات ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے پاتا ہے۔

امام شوکانی معاملہ اور باہمی مشورے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> "مشورہ کے بعد جب کسی چیز کا تم عزم کرلو اور تمہارا دل اس پر مطمئن ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے اسے کر گزرو۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے جب تم کسی بات طے کرلو تو اسے جاری کر دو اور مشورہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ پر بھروسہ رکھو۔"[2]

اسلام نے حکمران کے جو فرائض بیان کئے ہیں ان کی ادائیگی بھی معاشرے میں امن کے قیام کی ضمانت دیتی ہے۔ چنانچہ مسلم حکمران کے فرائض کو دیکھا جائے تو ان میں اجتماعی عدل، جدوجہد الٰہی کا قیام، اسلام کے معاشی نظام کا قیام غرض یہ کہ ایک فلاحی ریاست کے تمام اصول موجود ہیں۔ ایک ایسی ریاست جہاں پر فرد اطمینانیت کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ اسلام چونکہ امن و سلامتی کا اول اور آخری پیغام ہے، دہشت گردی، تخریب کاری، اور قتل و غارت ہمارے دین کا حصہ نہیں ہے لہذا پر امن معاشرے کے قیام میں سیاسی امن بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور اس کے بغیر معاشرے میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ محمد اسد اسلامی نقطہ نظر سے تصور مملکت کے درج ذیل اصول بیان کرتے ہیں:

ا۔ قانون اسلام کو اس غرض سے ملک کا قانون بنانا کہ انصاف کا بول بالا ہو۔

ب۔ عمرانی اور اقتصادی روابط کا انتظام ایسے طریق پر کرنا کہ ہر فرد آزادی اور وقار سے زندگی بسر کر سکے۔

ت۔ تمام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے لئے ایسے مواقع فراہم کرنا کہ وہ محض عقائد ہی نہیں بلکہ زندگی کے عملی دائرے میں بھی اسلام کے اخلاقی مقاصد پورے کر سکیں۔

ث۔ تمام غیر مسلم شہریوں کے لئے کامل جسمانی حفاظت کے علاوہ مذہب، ثقافت اور عمرانی نشو ارتقاء کی پوری آزادی حاصل ہو۔

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۳۸

(۲) فتح القدیر، ۱/ ۶۳

ج۔ ملک کو بیرونی حملوں اور داخلی افراتفری سے محفوظ رکھنا۔

ح۔ دنیا بھر میں تعلیمات اسلامی کی تبلیغ کرنا۔ [1]

معاشرے میں امن قائم ہونے سے اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ افراد چونکہ معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے ان پر امن کے مثبت اثرات ہی مرتب ہوتے ہیں۔ انفرادی امن میں فرد کا ذہنی اور جسمانی لحاظ سے پر سکون ہونا اور اجتماعی طور پر معاشرے کا پر سکون ماحول افراد میں خوشگوار تاثرات اور اطمینانیت کا احساس پیدا کرتے ہیں، اس سے ایک کامل معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو کہ ملک کے استحکام کا باعث بنتا ہے۔ ملک میں امن قائم کرنے کے لئے معاشرے کے تمام افراد کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ مشترکہ مفادات کے حصول کے لئے جدوجہد کریں۔ معاشرے میں رہنے والے افراد کا جب نصب العین ایک ہو گا تو مشترکہ لائحہ عمل طے کر کے مقاصد کے حصول کے لئے تگ و دو کریں گے۔

---

(۱) اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول، محمد اسد، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، محمد ریاض درانی، ۲۰۰۶ء، ص: ۷۷

باب دوم: امن پاکستان اور تعلیمی ادارے

فصل اوّل: امن اور نصاب

فصل دوم: امن اور اساتذہ کا کردار

فصل سوم: امن اور تعلیمی اداروں کا کردار

فصل چہارم: اسلام اور امن پاکستان بحیثیت موضوع تحقیق

فصل اول: امن اور نصاب سازی

مبحث اول: اسلامی نظریہ تعلیم

مبحث دوم: قرآن میں موجود علوم کی وضاحت

مبحث سوم: عہد نبوی میں نظام تعلیم

مبحث اول

اسلامی نظریہ تعلیم

تعلیم اور تعلیمی ادارے کسی بھی مثالی معاشرے میں امن وامان قائم کرنے کے لئے اہم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں تا کہ معاشرے سے بدامنی کا خاتمہ ہو سکے، ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہو اور تمام افرد کا جان ومال اور عزت محفوظ رہے۔ اس کے لئے معاشرے کے تمام اداروں پر اجتمائی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ کسی ایک ادارے کی کمزوری بھی معاشرے میں فتنہ وفساد اور بدامنی کی کیفیت پیدا کر سکتی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں مستقل امن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک انصاف، جمہوری آزادی، معاشی خوشحالی اور غیر طبقاتی معاشرہ قائم نہ ہو اس سلسلے میں تعلیمی ادارے نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں تعلیمی ادارے کا اولین فرض تعلیم وتربیت کرنا اور آئندہ آنے والی نسلوں کو امن کا خواہش مند بنانا ہے اگر اساتذہ کرام بچوں کی نشوونما اور تربیت اس طریقے سے کریں کہ ان میں مثبت تبدیلیاں آئیں اور وہ مثبت سوچ کے ساتھ امن بحال کرنے میں معاشرے کا ایک اہم فرد ثابت ہوں تو معلمی سے بڑھ کر کوئی باعزت پیشہ نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اہل خانہ کو جب مکہ میں بسایا تو اللہ تعالیٰ سے سب سے پہلے امن وامان ہی کی دعا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَالْاَصْنَامَ﴾(۱)

ترجمہ: اے میرے رب! اس بستی (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھنا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالی سے دعا کر رہے ہیں کہ مکہ میں امن وامان کا قیام ہو اور میرے خاندان کو اور مجھے شرک سے محفوظ رکھ۔

آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کے ذریعے لوگوں کی تربیت فرمائی اور انسان کو کامل بنانے والے رستوں پر اس کی رہنمائی فرمائی، جس طرح آنحضرت ﷺ شب معراج کی بلندیوں پر پہنچے اس طرح گمراہ قوم کو روحانی اعتبار سے بلندیاں عطا کر کے ان کے دلوں میں اسلام کی روح پھونکی یہ سب آپ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ اسلام کا نظریہ تعلیم مغرب کے نظریہ تعلیم سے بالکل مختلف ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم میں الہیات کا تصور ہے جبکہ مغرب کے نظریہ تعلیم میں اس کا کوئی تصور نہیں اسی طرح اسلامی نظام تعلیم دین ودنیا اور آخرت کو سامنے رکھ کر اسلامی ہدایات کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الابراہیم: ۱۴/ ۳۵

﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی﴾[1]

ترجمہ: اے نبی ﷺ جو میرے ذکر سے منہ موڑتے ہیں اور صرف دینوی زندگی کے طالب ہیں، ان سے اعراض کر، ان کے علم کا مقصد وہدف تو بس اتنا ہی ہے، تیرا رب زیادہ جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے اور کون ہدایت یافتہ؟

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب ایسے بیان کرتے ہیں:

"قرآن کریم نے ان کفار کا حال بیان کیا ہے جو آخرت و قیامت کے منکر ہیں، افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوس نے آج کل ہم مسلمانوں کا یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں، معادیات (معاملات آخرت) کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول ﷺ کا نام لیتے ہیں، اور آپ کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں، مگر حالت یہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے۔"[2]

اس آیت میں مغربی نظریہ تعلیم کی مخالفت کی گئی ہے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے ایسے نظام تعلیم اور مقاصد تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا کہا گیا ہے جس کا مقصد محض دنیاوی مقاصد کا حصول ہو۔ قرآن کریم کی پہلی وحی کا مفہوم قرآن کے فلسفہ تعلیم کی نمائندگی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىإِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى﴾[3]

ترجمہ: پڑھو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بہت عزت والا ہے جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔ سچ مچ انسان تو سرکشی کرتا

---

(۱) سورۃ النجم: ۵۳/ ۳۰،۲۹

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۸/ ۲۱۱

(۳) سورۃ العلق: ۹۶/ ۱-۸

ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو غنی خیال کرتا ہے لیکن آخر کار اسے تیرے رب کے پاس
لوٹ کر جانا ہی ہے۔

قرآن مجید کی ان ابتدائی آیات سے علم کو حاصل کرنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ تعلیم کے لوازمات اللہ تعالی کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق ہونے چاہئیں جو کہ اس کائنات کا حقیقی پروردگار ہے، گویا تعلیم اور نصاب کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور راہنمائی کی روشنی میں ترتیب دینا چاہیے اس میں وحی الہی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، تعلیم حاصل نہ کرنا بے فکری کی علامت ہے جس کا قیامت کے دن سوال پوچھا جائے گا۔ قرآن اللہ تعالی کے بتائے ہوئے اصولوں میں انسان کو رنگ دینا چاہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَه عٰبِدُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: (ہم نے لیا) رنگ اللہ کا، اور کسی کا اچھا ہے رنگ اللہ سے

اسلام نہ صرف ایک مکمل ضابطہ حیات دیتا ہے بلکہ ایک خاص تہذیبی نظام کو بھی پروان چڑھاتا ہے اور اس کا ایک مخصوص منفرد طرز فکر ہے، اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات اور اپنا نائب بنایا، کائنات کو مسخر کرنے اور سچائی تک پہنچنے کا حکم دیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ تعلیم کی اہمیت کے متعلق رقم طراز ہیں:

"قلم ہی وہ واسطہ ہے جو انسانی تہذیب و تمدن کا ضامن و محافظ ہے، اسی ذریعہ سے انسان وہ چیزیں سیکھتا ہے جو اسے معلوم نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے یہ اہمیت کبھی مخفی نہیں رہی۔"[۲]

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ ہماری ہر شعبہ حیات میں رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نظام کی یہ خصوصیات ہے کہ اسے اختیار کرنے سے انسان دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو ہوتا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۳

(۲) خطبات بہاولپور، ص: ۲۹۴

مبحث دوم

قرآن میں موجود علوم کی وضاحت

قرآن مجید میں علم کی فضیلت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور علم حاصل کرنے کو عقل مندی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن علم کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتا ہے، ان تمام علوم میں وسعت اور تحقیق میں اپنا کردار ادا کرتا ہے جو کہ انسان کے لئے فائدہ مند ہوں۔ قرآن مجید میں زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے ہدایت ور ہنمائی موجود ہے اور تمام علوم کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مثلا

ا۔ علوم عمرانیات

قرآن مجید میں مسلمانوں کو تمام امتوں اور قوموں سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور یہ اعزاز انہیں ان کی صفات کی بنا پر دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ أُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ﴾[1]

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اس آیت میں مسلمانوں کی صفات کو بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور یہ خصوصیت تمھیں دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی علوم عمرانیات کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"علوم عمرانیات کا نفس مضمون، گروہ، معاشرتی عمل، معاشرتی مسائل ، معمولات، ثقافت، معاشرتی تغیر، اجتماعی کردار اور اداروں، وغیرہ پر مشتمل ہے۔ علوم عمرانیات میں معاشرے کے مسائل کا جائزہ اور ان کے حل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔"[2]

ب۔ علوم نفسیات

انسان کی عادات واطوار، رویے، فطری تقاضے کی وضاحت علوم نفسیات میں کی جاتی ہے قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۱۰

(۲) اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۱۹

﴿وَيَدعُ الاِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَ بِالخَيرِوَكَانَ الاِنسَانُ عَجُولًا﴾[1]

ترجمہ: اور انسان جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے۔ اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

"عَجلَةِ الْإِنْسَانِ وَدُعَائِهِ فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ مَالِهِ بِالشَّرِّ أَيْ بِالْمَوْتِ أَوِ الْهَلَاكِ وَالدَّمَارِ وَاللَّعْنَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، فَلَوِ اسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ لَهَلَكَ بِدُعَائِهِ"[2]

ترجمہ: یعنی انسان کبھی کبھی ناامید ہو کر اپنی سخت غلطی سے خود اپنے لئے برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اپنے مال واولاد کے لئے بد دعا کرنے لگتا ہے کبھی موت کی، کبھی ہلاکت کی، کبھی بر دباری اور لعنت کی۔ لیکن اس کا اللہ اس پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے ادھر وہ دعا کرے ادھر وہ قبول فرمالے تو ابھی ہلاک ہو جائے۔

اس آیت میں انسان کی فطرت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انسان ہر کام جلدی میں کرنا چاہتا ہے اور یہ بات اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے۔

ت۔ تاریخ وسیر، علوم آثار

تاریخ و سیر اور علوم آثار سے ماضی کی اقوام کے قصوں اور واقعات سے عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کا پتہ چلتا ہے اوران کو ان کے کئے گئے اعمال کی سزا کیسے ملتی تھی۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

﴿فَمَثَلُه كَمَثَلِ الكَلبِ اِنتَحمِل عَلَيهِ يَلهَث اَوتَترُكهُ يَلهَث ذٰ لِكَ مَثَلُ القَومِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَاقصُصِ القَصَصَ لَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ﴾[3]

ترجمہ: تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا توان سے یہ قصہ بیان کر دو۔ تاکہ وہ فکر کریں۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۱۱

(۲) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد شمس الدین، :۵/ ۴۵

(۳) سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۷۶

اس آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ انسان گمراہ ہو کر دنیا کی لذتوں کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اور اپنے حلقہ احباب کی خوشی چاہتے ہوئے ہر جائز و ناجائز کام کرتا ہے لوگوں کی اس حالت کو کتے کے حال سے تشبیہ دی ہے جو ہر وقت لالچ میں ہانپتا رہتا ہے۔ اللہ تعالی آپ ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ ان قصوں اور مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان فرمادیں تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں۔

ث۔ معاملات

انسانوں کے آپس کے معاملات، حسن سلوک، صلہ رحمی، عہد کی پاسداری کے متعلق اسلام نے بہت زور دیا ہے کیوں کہ قیامت کے دن عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقرَبُوا مَالَ اليَتِيمِ اِلَّا بِالَّتِىهِىَ اَحسَنُ حَتّٰى يَبلُغَ اَشُدَّه وَاَوفُوا بِالعَهدِ اِنَّ العَهدَ كَانَ مَسـُٔولًا﴾(1)

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا یتیم پر اپنی خاص شفقت و مہربانی کا اظہار ہے۔ جس کا والد اس کی چھوٹی عمر میں انتقال کر جائے اور وہ ابھی اپنے دنیاوی معاملات کی صحیح سمجھ نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یتیم اور اس کے مال کی حفاظت کریں اور اس کے مال کی درستگی کریں اور یہ کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو۔ معاملات کی اہمیت بیان کرتے اور آنحضرت ﷺ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر علوی بیان کرتے ہیں:

"معاملات میں دو باتوں کی بڑی اہمیت ہے ایک طے شدہ امر کا لحاظ رکھنا اور دوسرے ذمہ داری کو پورا کرنا آپ ﷺ کے اسوہ میں یہ دونوں باتیں بطریقہ احسن موجود تھیں۔ اگر آپ ﷺ نے کسی کے ساتھ معاملہ کر لیا تو پھر ہر حال میں اسے پورا کیا اور اگر کوئی چیز ذمہ آئی تو اس کے ادا کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ یہی حسن معاملہ ہے یعنی دیانت و امانت ہے۔"(۲)

لہذا آنحضرت ﷺ دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ کا رویہ رکھتے تھے جو کہ دیانت و امانت کی ہی دوسری شکل ہے۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۳۴

(۲) خلق عظیم ﷺ، ڈاکٹر خالد علوی، ادارہ ادب اسلامی لاہور، ۱۹۹۲ء، ص: ۵۷

ج۔ اخلاقیات

اسلام نے اخلاقیات پر بہت زور دیا ہے۔ اخلاقی قدروں کے بغیر کسی بھی مستحکم معاشرے کی بنیاد رکھنا ناممکن ہے۔ اخلاقی قدروں سے باہمی محبت واخوت کے رویے پروان چڑھتے ہیں۔ معاشرے میں امن امان قائم ہوتا ہے۔ معاشرتی برائیوں سے معاشرے کا امن وسکون برباد ہوتا ہے ایسے لوگوں کا شمار ظالموں میں ہوتا ہے جو ایمان لانے کے بعد معاشرتی برائیوں کے مرتکب ہوں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿یاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا یَسخَر قَومٌ مِّن قَومٍ عَسٰی اَن یَّکُونُوا خَیرًا مِّنھُم وَلَانِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسٰی اَن یَّکُنَّ خَیرًا مِّنھُنَّ وَلَا تَلمِزُوا اَنفُسَکُم وَلَا تَنَابَزُوابِالاَلقَابِ بِئسَ الِاسمُال فُسُوقُ بَعدَالاِیمَانِ وَمَن لَّم یَتُب فَأُولَئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ﴾(۱)

ترجمہ: مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔ اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

اس آیت کی تفسیر، تفسیر ابن کثیر میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالی لوگوں کو آداب معاشرت کے اصول بتاتے ہوئے نصحیت کر رہے ہیں:

"ینھی تعالی عن السخریة بالناس، وھو احتقارھم والاستھزاء بھم"(۲)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو حقیر وذلیل کرنے اور ان کا مذاق اڑانے سے روک رہا ہے۔

ح۔ اصول امن

امن کسی بھی معاشرے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ پرامن معاشرے میں ہر فرد آزاد اور خود مختیار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں امن کی مختلف جہتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اور بیت اللہ کو امن اور عزت والا گھر قرار دیا گیا ہے۔

﴿یاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَارَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھرَ الحَرَامَ وَلَا الھَدیَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَآ اٰمِّینَ البَیتَ الحَرَامَ یَبتَغُونَ فَضلًا مِّن رَّبِّھِم وَرِضوَانًا

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۱

(۲) تفسیر ابن کثیر، محقق: سامی بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، طبع دوم، ۱۴۲۰ھ، ۷/ ۳۷۶

وَاِذَا حَلَلتُم فَاصطَادُوۡوَلَا یَجرِمَنَّکُم شَنَاٰنُ قَومٍ اَن صَدُّوکُم عَنِ المَسجِدِ الحَرَامِ اَن تَعتَدُوا﴿ (۱)

ترجمہ: مومنو! خدا کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو خدا کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کو زندگی گذارنے کے آداب سکھائے اللہ تعالی نے دین سے وابستہ مقامات کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ اللہ کے دین کو قبول کرنے کے مساوی ہے۔ اس آیت میں جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے کے عمل سے مشتعل ہو کر جوش میں کوئی کام نہ کریں جو شعائر الٰہی کے احترام کے متضاد ہو۔ اگر مسلمانوں کو دفاع کے لیے کوئی قدم اٹھانا پڑے تو وہ جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق آنحضرت ﷺ کے اصول امن کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"آپ ﷺ نے اس وقت امن کی بات کی، جب قبائل عرب صد سالہ جنگ کی تھکن سے چور چور تھے۔ آپ ﷺ نے اس وقت رواداری کی ریت ڈالی جب دنیا تعصب، امتیاز اور جھوٹے پندار کی چار دیواری میں مقید تھی۔ آپ ﷺ نے اس وقت زیر دستوں کا ساتھ دیا جب ان میں فریاد کی سکت نہ تھی، آپ ﷺ نے اس وقت امن کا علم اٹھایا جب جذبہ ترحم دفن ہو چکا تھا۔"(۲)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امن کی بنیاد اس وقت ڈالی جب امن کا تصور بھی نا ممکن تھا۔

خ۔ اصول جنگ

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو جنگ کے اصول و قوانین بتائے ہیں۔ کسی بھی خبر کی تصدیق کر لیا کریں کیونکہ ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں کسی دوسرے فریق کو نقصان پہنچا بیٹھو۔ ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۵/ ۲

(۲) آنحضرت ﷺ پیغمبر امن و سلامتی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، شعبہ عربی گورنمنٹ کالج، ۱۹۹۸ء فیصل آباد، ص: ۳۶

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(۱)

ترجمہ: مومنو! جب تم خدا کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو سو خدا کے نزدیک بہت سے غنیمتیں ہیں تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر خدا نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو خدا کو سب کی خبر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو نصیحت کر رہے ہیں اور آداب جنگ بتا رہے ہیں کہ افواہوں پر یقین نہ کرو اور ہر خبر کی تصدیق کر لیا کرو اور جو تمہارے سے اچھے طریقے سے بات کرے اس سے اچھا سلوک کرو۔

آنحضرت ﷺ اصول جنگ کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

((انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً، وَلَا تَغُلُّوا، وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ، وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))(۲)

ترجمہ: اللہ کے نام پر اور اللہ کی توفیق سے رسول ﷺ کی ملت پر چلو، اور کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اموال غنیمت میں چوری نہ کرو جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو، نیکی اور احسان کرو، کیونکہ اللہ تعالی محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کے اصول جنگ تھے جن سے قیامت تک انسانیت رہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔

د۔ سائنس وفلسفہ

آج کل کے سائنسی دور میں سائنس وفلسفے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی بات اور مسئلے کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور اس تحقیق کی حدود وقیود اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بیان کر دیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۹۴

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین، حدیث نمبر: ۲۶۱۴، ۳/ ۱۲۷

﴿لَو کَانَ فِیهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا فَسُبحٰنَ اللهِ رَبِّ العَرشِ عَمَّا یَصِفُونَ﴾[1]

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں خدائے مالک عرش ان سے پاک ہے۔

اس آیت کی تفسیر معارف القرآن میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"یہ توحید کی دلیل عادی ہے جو عام عادات کے اعتبار پر مبنی ہے اور دلیل عقلی کی طرف بھی اشارہ ہے اس بنا پر ہے کہ اگر زمین و آسمان کے دو خدا اور دونوں مالک و مختار ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئیں اور عادۃ یہ ممکن نہیں کہ جو حکم ایک دے وہی دوسرا بھی دے یا جس چیز کو ایک پسند کرے دوسرا بھی اس کو پسند کرے اس لئے کبھی کبھی اختلاف رائے اور اختلاف احکام ہونا ناگزیر ہے اور جب دو خداؤں کے احکام زمین و آسمان میں مختلف ہوئے تو نتیجہ ان دونوں کے فساد کے سوا کیا ہے۔"[2]

اس آیت میں اللہ تعالی انسانوں پر یہ حقیقت واضح کر رہے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو زمین کا نظام تباہ ہو جاتا۔ عقل مندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں جو تحقیق کرتے ہیں اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

ذ۔ انتظامیہ

انتظامی امور کے بارے میں قرآن مجید میں واضح ہدایات موجود ہیں ان سے انحراف کرنے سے معاشرہ تنزلی کی طرف چلا جاتا ہے اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بنتی ہے۔

﴿وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ وَّلَا مُؤمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللهُ وَرَسُولُه اَمرًا اَن یَّکُونَ لَهُمُ الخِیَرَةُ مِن اَمرِهِم وَمَن یَّعصِ اللهَ وَرَسُولَه فَقَد ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِینًا﴾[3]

---

(۱) سورۃ الانبیا:۲۱/۲۲

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۶/۱۶۷

(۳) سورۃ الاحزاب:۳۳/۳۶

ترجمہ: اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔

مولانا مودودی انتظامیہ کی حدود و عمل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایک اسلامی ریاست میں انتظامیہ کا اصل کام احکام الٰہی کو نافذ کرنا اور ان کے نفاذ کے لئے ملک اور معاشرے میں مناسب حالات پیدا کرنا ہے، یہی امتیازی خصوصیت اس کو ایک غیر مسلم ریاست کی انتظامیہ سے ممیز کرتی ہے۔"(۱)

ایک حکمران کو انتظامی امور چلانے کے لئے قرآن و سنت کے اصولوں کو مد نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ان اصول وضوابط کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے انسان سیدھے رستے سے بھٹک جاتا ہے۔

ر۔ عدلیہ

اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے میں انسان کا فائدہ ہے۔ اس سے انسان دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنِ اهتَدٰی فَاِنَّمَا یَهتَدِی لِنَفسِه وَمَن ضَلَّ فَقُل اِنَّمَآاَنَامِنَ المُنذِرِینَ ﴾(۲)

ترجمہ: تو جو شخص راہ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور جو گمراہ رہتا ہے تو کہہ دو کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ سیدھا راستہ شریعت و قانون کا راستہ ہے جو اس راستے پر چلتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے چلتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ سید عبد الرحمن بخاری معاشرے کے لئے عدلیہ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام میں جس قدر اہمیت عدل وانصاف کے نفاذ اور قانون کی حاکمیت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذ قانون اور قیام عدل کے اس سب سے بڑے ادارے یعنی قضا کو حاصل ہے کہ قضا کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن و تناسب پایا جاتا

---

(۱) اسلامی ریاست، ص: ۳۴۷

(۲) سورۃ النمل: ۲۷/ ۹۲

ہو اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو ،یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظام قضا کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل امت مسلمہ پر فرض قرار دیا ہے۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں عدلیہ کی اہمیت ناگزیر ہے اور اس کو فرض کی حیثیت حاصل ہے

ز۔ قانون وراثت

اللہ تعالی کے بتائے ہوئے قوانین وراثت انسان کی بھلائی اور بہتری کے لئے ہیں۔کیونکہ اس میں اللہ تعالی کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہے۔ اللہ تعالی اس کائنات اور مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے وہ بہتر جانتا ہے کہ اس دنیا کا نظام اور معاملات کن اصولوں پر کام کرے گا اور ان قوانین کے پیچھے کیا حکمت ہے۔ اللہ تعالی تمام معاملات کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي اَوْلَادِكُم﴾(۲)

ترجمہ: خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے۔

وراثت کے قوانین میں اللہ تعالی کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے۔ اللہ تعالی نے تمام اصول انسان کی فطرت اور مزاج کو مد نظر رکھ کے بنائے ہیں تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ حدیث مبارکہ ہے:

((اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى كِتَابِ الله))(۳)

ترجمہ: اللہ تعالی کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالی مسلمانوں کو نصیحت کر رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جو بھی احکام واصول بیان کئے گئے ہیں ان کے مطابق مالوں کو تقسیم کریں یہ اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے حصے ہیں۔

س۔ تعزیری قوانین

تعزیری قوانین انسان کے فائدے کے لئے ہیں،اس سے معاشرے میں انصاف اور امن کا بول بالا ہوتا ہے۔ تعزیری قوانین کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے۔

---

(۱)اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، سید عبدالرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری،نسبت روڈ،لاہور، ص:۱۳۰

(۲)سورۃ النساء:۴/ ۱۱

(۳) صحیح مسلم، ۴/ ۲۳۵

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول) کو پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) پیروی (یعنی مطالبۂ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دکھ کا عذاب ہے۔

معاشرتی برائیوں پر قابو پانے کے لئے اللہ تعالی نے انسانوں کو معاشرے میں رہنے کے لئے اصول وضوابط کا پابند بنایا ہے۔

ش۔سیاسیات

کسی بھی ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنا اور انتظامی امور کو چلانا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حکمرانی کو اللہ کی امانت اور فرض سمجھ کر اس فریضے کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی اس امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ المُلْكِ تُؤتِي المُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ المُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الخَيرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِير﴾[2]

ترجمہ: کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کی تشریح تفسیر ابن کثیر میں اس طرح کی گئی ہے:

"يقول تبارك وتعالى: قُلِ يا محمد معظما لربك وشاكرا له ومفوضا إليه ومتوكلا عليه اللَّهُمَّ مالِكَ الْمُلْكِ أَيْ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ تُؤْتِي

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۷۸

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۲۶

الْمُلْكَ مَنْ تَشاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشاءُ أَيْ أَنْتَ الْمُعْطِي، وَأَنْتَ الْمَانِعُ، وَأَنْتَ الَّذِي مَا شِئْتَ كَانَ، وَمَا لَمْ تَشَأْ لَمْ يَكُنْ. وَفِي هَذِهِ الْآيَةِ تَنْبِيهٌ وَإِرْشَادٌ إِلَى شُكْرِ نِعْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذِهِ الْأُمَّةِ"[١]

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کی تعظیم کرنے اور اس کا شکریہ بجالانے اور اسے اپنے تمام کام سونپنے اور اس کی ذات پاک پر پورے بھروسہ کا اظہار کرنے کے لئے ان الفاظ میں اس کی اعلیٰ صفات بیان کیجئے یعنی اے اللہ تو مالک الملک ہے، تیری ملکیت میں تمام ملک ہے، جسے تو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے اپنا دیا ہوا واپس لے لے، تو ہی دینے اور لینے والا ہے تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا، اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی۔

اختیار دے کر اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے۔ اقتدار کا دینا اور چھننا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ص۔ معاشیات

معاشی ترقی اور خوشحالی انسان کی کامیاب زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے لئے معاشی اصول وضوابط کا تعین کیا ہے تا کہ تمام انسان اس سے برابر فائدہ اٹھا سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوله مِن اَهلِ القُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی القُربٰی وَالیَتٰمٰی وَالمَسٰکِینِ وَابنِ السَّبِیلِ کَی لَا یَکُونَ دُولَةً بَینَ الاَغنِیَاءِ مِنکُم﴾[٢]

ترجمہ: جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے۔ تا کہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

قرآن میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے کے لئے راہنمائی موجود ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن مجید انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔ قرآن مجید ہر اس علم کے فروغ اور

---

(١) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد حسین شمس الدین، ٢/ ٢٤

(٢) سورۃ البقرۃ: ٢/ ٧

نشر واشاعت کو درست سمجھتا ہے جس سے نسل انسانی کا فائدہ ہو قرآن مجید کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے والے خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))[1]

ترجمہ: علم کا حصول ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔

قرآن مجید انسان اور کائنات سے متعلق علوم کو مندرجہ ذیل الفاظ میں وضاحت کرتا ہے:

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2]

ترجمہ: آپ کہیے کہ ذرا آسمان اور زمین (کی حقیقت اور ماہیت) پر غور کریں۔

اسی طرح ایک اور آیت ہے مسلمانوں کو گذشتہ اقوام سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾[3]

ترجمہ: کیا تم نے زمین میں سیر وسیاحت کرکے غور وتدبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جب کہ وہ طاقت میں تم سے زیادہ تھے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں انسانی علوم کے حاصل کرنے اور انہیں پھیلانے پر زور دیا ہے۔ قرآن کے نقطہ نظر کے مطابق علم کے ہر شعبے کو اسلامی خطوط کے مطابق ترتیب دینا چاہیے جبکہ اس کے بغیر ترتیب دیئے گئے علوم انسان کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے نزدیک وہی علم اس کے حق میں بہتر ہے جو انسان کے لئے فائدہ مند ہو کیونکہ شیطان صفت انسان کے ہاتھوں میں علم وہنر انسانیت کی تباہی وبربادی کا سبب بنتا ہے۔ ایسا علم حاصل کرنا جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے اللہ تعالی نے ایسے شخص کے لئے قیامت کے دن کوئی خیر خواہی نہیں رکھی اور یہ سراسر کفر ہے، یہ چیزیں انسان کو فائدہ تو نہیں پہنچاتیں البتہ ان کا نقصان ہی نقصان ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تعلیم کے ہر پہلو اور ہر مرحلے کو مد نظر رکھ کر مختلف تعلیمی وتربیتی سرگرمیاں تجویز کیں۔ ان خوبیوں کا اعتراف مختلف ادوار میں محققین نے بھی کیا جن کا تذکرہ مستقل طور پر اگلی مبحث میں کیا جارہا ہے۔

(۱) سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء والحث، دار المعرفۃ، حدیث نمبر: ۲۲۶، ۲/ ۹۳

(۲) سورۃ الیونس: ۱۰/ ۱۰۱

(۳) سورۃ الفاطر: ۳۵/ ۴۴

مبحث سوم

عہد نبوی میں نظام تعلیم

آنحضرت ﷺ نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا اس کی وجہ سے صحابہ میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ نصاب کا بنیادی مقصد طالب علم کی ذہنی اور اور عملی رویے کی تشکیل ہوتا ہے۔ شیخ محمد یاسین آنحضرت ﷺ کے زمانے کے نصاب کے اصول اس طرح بتاتے ہیں:

> "نصاب کی تدوین میں آپ ﷺ کی کمال مہارت کا ثبوت ملتا ہے آپ ﷺ نے جن مہارتوں کو رواج دیا بعد میں آنے والے ماہرین نے انہی کو رہنما اصول قرار دیا، غرض یہ کہ آج کل کے دور میں بھی ماہرین تعلیم، نفسیاتی ماہرین ان اصول و قوانین کے بغیر درس و تدریس کی تکمیل کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔"(۱)

آنحضرت ﷺ کے دور میں نصاب درج ذیل علوم پر مشتمل تھا:

۱۔ قرآن کی تعلیم

اسلامی تعلیمات کی بنیاد قرآن پاک ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کے دور میں قرآن مجید کی تدریس کو نصاب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ قرآن کی تعلیمات ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ تمام علوم کی بنیاد قرآن ہی ہے۔ قرآن مجید جس طرح نازل ہوتا رہا اسی طرح آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو آیات کی تدریس اور اشاعت میں مصروف رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی واحدنیت اور آنحضرت ﷺ کی سچائی کا سب سے پہلا مظہر قرآن مجید تھا جس میں زندگی گزارنے کے وہ تمام اصول و ضوابط موجود ہیں جو انسانی زندگی اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہیں۔

۲۔ قرآن فہمی کے لئے مختلف قسم کی مضامین کی معلومات

قرآن فہمی کے لئے مختلف مضامین کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ بنیادی مضامین کے علاوہ اور بھی کئی مضامین ہیں جو براہ راست زبان یا مذہب کے دائرہ کار میں نہیں آتے اور ان کی معلومات کے بغیر قرآن کو سمجھنا اور اس کی تفسیر بیان کرنا ممکن نہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

> ا۔ **"جغرافیہ:** جغرافیہ کے ذریعہ ان مقامات کے بارے میں جانا جا سکے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

---

(۱) محمد نبوی کا تعلیمی نظام، شیخ محمد یاسین، معراج الدین پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۴۱

۲۔ تاریخ: قرآن میں بے شمار قصص بیان کئے گئے ہیں ان کو اس وقت بہتر سمجھا جاسکتا ہے جب تاریخ سے واقفیت ہو۔

۳۔ منطق: منطق کے ذریعے دلائل نہ ماننے والوں اور حجت کرنے والوں پر ثابت کیا جاسکے۔

۴۔ علم الحقائق: علم الحقائق جدید مسائل کے بارے میں تحریکات اور ذرائع مہارت فراہم کرتا ہے۔

۵۔ علم الحساب: وراثت کے طریقہ کار کو سمجھنے کے لئے علم الحساب کا جاننا ضروری ہے۔

۶۔ علم العدل یا مناظرہ: اس کے ذریعے اہل باطل کو قرآن کی حقانیت اور جامعت کا قائل کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ علم اسرار: علم اسرار انسان میں حقائق کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے سائنسی طریقہ کار فراہم کرتا ہے۔"[1]

۳۔ نصاب کی تیاری کے اصول

آپ ﷺ کے تجویز کردہ تعلیم و تربیت کے نظام میں نصاب کا تعین کرتے وقت درج ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا:

۱۔ "لوگوں کو زندگی کے حقیقی مقاصد سے آگاہ کرانے کے لئے قرآن اور مذہبی امور کی تعلیم دی گئی اور اس میں نظری اور علمی دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا گیا۔

۲۔ اپنے ماحول کو بہتر بنانے، معاشرتی مطابقت اور معاشرے میں امن وسکون کے لئے زبانوں کے سمجھنے کی تاکید کی گئی تاکہ دوسروں سے رابطے میں مشکل پیش نہ آئے۔

۳۔ زندگی اور اس کے روزمرہ کے مسائل کے حوالے سے نصاب میں کئی ایسے مضامین اور سرگرمیاں رائج کی گئیں جس سے بہتر معاشرتی مطابقت حاصل کی گئی اس کے علاوہ پیشہ ورانہ تربیت بھی حاصل ہو، نصاب بیک

---

(۱) مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارنامے، امیر الہدی، قمر کتاب گھر، کراچی، ص:۲۹۔۳۳

وقت انفرادی واجتماعی نوعیت کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے معلومات فراہم کرتا ہے۔

۴۔ نصاب میں وسعت پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کی ہم نصابی سرگرمیوں کو فروغ دیا گیا ان اقدامات کے ذریعے نصاب کو متوازن بنایا گیا۔"[۱]

(۱) عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص:۱۴۹۔۱۵۰

مبحث چہارم

قومی یکجہتی میں تعلیم کا کردار

نصاب تعلیم، مقاصد تعلیم، اساتذہ کی تربیت، غرض یہ کہ تعلیم کے سارے عمل میں تعلیم کا بنیادی مقصد معاشرے کے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنا، قومی یکجہتی کو فروغ دینا اور پرامن معاشرے کا قیام ہے۔ایک پرامن معاشرے کی تشکیل میں نصاب کا بہت عمل دخل ہے۔ چنانچہ ملک میں امن کا بول بالا اور یکجہتی کو فروغ تعلیم کے ذریعے ہی دیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ کون سے ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے بدامنی پیدا ہو رہی ہے ان کا جائزہ لیا جائے اور ان کے تدارک کی تدابیر اور حل تلاش کیا جاسکے۔

۱-نصاب سازی

تعلیم کی اصلاح میں ایک اہم کردار نصاب سازی کا ہے اس سلسلہ میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

> ا۔" ہر مضمون کے نصاب اور ہر مضمون کے مقاصد تعلیم میں اسلامی اقدار و تعلیمات کو شامل کرنا چاہیے۔
>
> ۲۔ اعلیٰ تعلیم، خصوصاً فنی تعلیم میں اسلامیات کی تعلیم کو لازمی شامل کیا جائے۔
>
> ۳۔ہر مضمون کے مقاصد تعلیم اسلامی اقدار کی نمائندگی کریں۔
>
> ۴۔ مطالہ پاکستان کی مؤثر انداز میں نصاب سازی کی جائے پاکستان بننے کے دوران کیا مسائل درپیش آئے۔
>
> ۵۔ ملک میں امن وامان کی فضا قائم کرنے کے لئے باہمی یکجہتی اور باہمی رواداری کے رویے کو فروغ دیتے ہوئے نصاب کی تشکیل کرنی چاہیے۔
>
> ۶۔نصاب تعلیمی عمل میں ریڑھ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کی تشکیل میں معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں اور مسائل کو مرکزی حیثیت ہونی چاہیے۔"[۱]

رواداری اور برداشت کو فروغ دینے کے لئے تعلیمی اداروں میں امن نصاب پڑھایا جانا چاہیے۔صوفیاء کرام نے لوگوں کو پیار اور انسانیت کے احترام کا سبق سکھایا۔ صوفیا کرام نے اپنے اخلاق سے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل

---

(۱)نظام تعلیم: نظریہ، رویت، مسائل، پروفیسر خورشید احمد، پرنٹ پررڈ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۳۰۷،۳۰۸

کیا، اسلام کی سربلندی، احترام آدمیت اور پرامن معاشرے کے لئے پھر سے صوفیاء کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے بعض گروہ فرقہ واریت کو پھیلانے کے لئے طاقت اور پیسے کا استعمال کر رہے ہیں۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ آنحضرت ﷺ کا امن اور سلامتی کا پیغام لے کر نکلے اور تشدد پسندانہ گروہوں کا خاتمہ کرنے کے لئے عملی اقدام اٹھائے۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے الگ الگ نصاب ترتیب دینا چاہیے جس میں علماء کرام، طلباء طلبات، ڈاکٹرز، سول سوسائٹی، فوجی شامل ہیں۔

۲-نصاب کے موضوعات

نصاب میں تہذیب و تمدن کا بہت عمل دخل ہے۔ پاکستان میں طبقاتی نظام تعلیم رائج ہے امیر طبقہ اپنے بچوں کو انگریزی سکولوں میں بھیجواتا ہے اس طرح نچلا طبقہ اردو میڈیم سکولوں میں پڑھاتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں میں نصاب تعلیم ملک کے حالات کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا جانا چاہیے، اور ملک کو درپیش مسائل کو اجاگر کرنا چاہیے۔ اس طرح مدارس کا نصاب بھی اردو میں پڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ نصاب کو تیار کرنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا اس کے عملی نفاذ کا ہے. مختلف قسم کے نصاب تیار کرنے کی بجائے قومی سطح کا ایک ایسا منظم نظام تعلیم، نصاب ترتیب دیا جائے جو نظریاتی اور ثقافتی قدروں سے ہم آہنگ ہو۔

۳-پرامن نصاب کی خصوصیات

پرامن نصاب کی خصوصیات میں درج ذیل امور شامل ہیں:

ا۔ حقوق انسانی

یہ دو کلموں کا مرکب ہے، "حقوق جو حق کی جمع ہے: وہ چیز جو ٹھیک اور صحیح ہو"[۱] انسانی: انسان کی طرف منسوب ہے۔ انسان جو کہ جسم اور روح کا مجموعہ ہوتا ہے۔ "حقوق الانسان کو انگریزی میں Human Rights کہتے ہیں۔"[۲]

چنانچہ پرامن معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو اس کے بنیادی حقوق دیئے جائیں جو کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کیونکہ جب فرد مطمئن زندگی گزارے گا تو اس کے بعد ہی ملک میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾[۳]

---

(۱) القاموس الجدید (عربی-اردو لغت)، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹۲

(۲) المورد، قاموس، عربی-انگلیزی، الدکتور روحی البعلبکی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء، ص: ۴۸۰

(۳) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۷۰

ترجمہ: اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اسلام نے بنیادی طور پر انسان کو پانچ حقوق فراہم کئے ہیں۔

۱"۔ جان کا تحفظ　　　　۲۔ مال کا تحفظ

۳۔ اولاد کا تحفظ　　　　۴۔ عقل کا تحفظ　　۵۔ عقیدہ

ومذہب کا تحفظ "[۱]

یہ وہ بنیادی حقوق ہیں جن کے ذریعہ انسان معاشرہ میں پر امن زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر خطبہ حجۃ الوداع کے نقات کو نافذ کیا جائے تو امن وامان کی فضا قائم کی جاسکتی ہے ظلم وجبر کا خاتمہ ہوگا۔ اس طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِه شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾[۲]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسائے سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام، کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اسلام حق کا مطالبہ کرنے کی بجائے حق دینے کا قائل ہے اسلام کی بنیادی تعلیم دوسرے افراد کے حقوق کی ادائیگی ہے یہاں تک کہ حق کی ادائیگی تک محدود رہنے کی بجائے احسان تک بڑھانے کا حکم ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[۳]

---

(۱) حقوق الانسان: مفھومہ وتطبیقاتہ فی القرآن الکریم، یحیی بن محمد حسن، بحث مقدّم الی مؤتمر "حقوق الانسان فی السلم والحرب، ۱۴۲۴ھ، ریاض، سعودی عرب، ۳/۴۵

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۳۶

(۳) سورۃ النحل: ۱۶/ ۹۰

ترجمہ: بے شک اللہ (تمہیں) عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

مذکورہ آیت کے مفہوم میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں حقوق کی ادائیگی جبکہ احسان یہ ہے کہ فرائض سے بڑھ کر دوسرے افراد معاشرہ سے حسن سلوک کیا جائے۔

ب۔ جہاد اسلامی کا تصور

قرآن مجید میں جہاد کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنی اصطلاح کے مطابق دین کی سربلندی، انفرادی زندگی سے لیکر قومی، ملی اور بین الاقوامی زندگی کی درستگی واصلاح کے لئے مسلسل کوشش کا نام ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِه اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: جو شخص (راہ حق) جدوجہد کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے تگ ودو کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت کی تشریح حافظ عمادالدین نے تفسیر ابن کثیر میں اس طرح کی ہے:

"ہر نیک عمل کرنے والا اپنا ہی نفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے بے پرواہ ہے، اگر سارے انسان متقی بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔"[2]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر نیک کام کرنا بھی جہاد ہے۔ جو لوگ خلیفہ وقت کے خلاف ہر قسم کے خروج کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث ہے:

((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيٌّ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ))[3]

ترجمہ: مجھ سے پہلے ہر امت میں اللہ تعالیٰ نے جب جب کسی نبی کو مبعوث کیا تو اس کی امت میں سے اس کے ساتھ اس کے مخلص ساتھی ہوا کرتے تھے جو اس نبی کے

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۶/۲۹

(۲) تفسیر ابن کثیر، تخریج: کامران طاہر، ۱۵۰/۴

(۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر، حدیث نمبر: ۱۷۹، ۱۵۰،۱۵۱/۱

طریقے اور حکم کی اقتدار واتباع کرتے، پھر ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین ہوں گے، جو ایسی باتیں کریں گے جو وہ عملاً کرنے والے نہیں اور وہ ایسے کام کریں گے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔ لہذا جو شخص ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے گا، وہ بھی مومن ہے۔ اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی[۱] نے اس حدیث کی شرح اس طرح کی ہے:

"کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہیں کرنا چاہیے، اور نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لئے مداہنت کرنی چاہیے، کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔"[۲]

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے، یعنی باطنی طور پر بھی برا نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں ذرا برابر بھی ایمان نہیں جیسا کہ ظالم حکمرانوں کا حال ہے۔

ت۔ رواداری اور امن

قرآن مجید میں رواداری، امن اور انسان دوستی کی جو تعلیمات دی گئیں ان پر رسول خدا حضرت محمد ﷺ نے عمل کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[۳]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے در گذر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

---

(۱) علامہ غلام رسول سعیدی: آپ کراچی، پاکستان کے باشندہ ہیں۔ آپ نے شرح صحیح مسلم لکھی۔ آپ ۷۹ برس کی عمر میں مورخہ ۵ فروری ۲۰۱۶ء انتقال کر گئے، علامہ سعیدی کی تدفین جامع مسجد اقصیٰ کے احاطے میں کی گئی۔

http://www.nawaiwaqt.com.pk/karachi/۰۶-Feb-۲۰۱۶/۴۵۱۰۴۳

(۲) شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۴۶۵

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۱۵۹

تعلیمی عمل میں نصاب سازی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آئندہ آنے والی نسلوں کو نظریہ پاکستان کے مفاہیم کا سمجھانا، ان میں حب الوطنی اور ایثار کا جذبہ پیدا کرنا اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا نصاب کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ کسی بھی ملک کا نصاب اس کی اقدار، رسم ورواج اور روایات کے تابع ہوتا ہے اس کے علاوہ معاشرے کی ضروریات کے مطابق بھی۔ آج کل پاکستان میں امن کے قیام کی ضرورت ہے لہذا نصاب اس طریقے سے ترتیب دیا جائے کہ طلباء امن کے متلاشی اور ذمہ دار شہری بن کر ملک و قوم کی خدمت کریں۔

فصل دوم: امن اور اساتذہ کا کردار

مبحث اول: اساتذہ کی ذمہ داریاں

مبحث دوم: اساتذہ کی ذات کا عملی نمونہ ہونا

مبحث سوم: استاد کا طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھنا

مبحث چہارم: آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد

مبحث اول

اساتذہ کی ذمہ داریاں

موجودہ ترقی یافتہ دور میں استاد کا نئی نسل کی تعلیم و تربیت کرنے میں اہم کردار ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ استاد کا کردار ایک روحانی باپ جیسا ہوتا ہے، آج کل کے جدید دور کی بنیاد بھی درس و تدریس پر منحصر ہے اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ساری ترقی میں اساتذہ کا اہم کردار اور عمل دخل رہاہے، انسان کی کامیابی اچھے استاد کی بہترین تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ایک کامیاب استاد وہی کہلاتا ہے جو شاگردوں کی شخصیت سازی کرے ان کی فکری تشکیل اور کردار سازی میں اہم کردار سرانجام دے۔اچھے افراد کی وجہ سے اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور اچھے معاشرے سے ایک بہترین قوم تیار ہوتی ہے۔اسلام میں اساتذہ کی عزت کرنے کا حکم کئی جگہ دیا گیاہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))[1]

ترجمہ: مجھے معلم بناکر بھیجا گیاہے۔

آپ ﷺ کا بحیثیت معلم دنیا کے لئے انمول کردار تھا۔استاد کا کردار اور معلم کی فضیلت اور تقدس اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ پیغمبرانہ پیشہ ہے۔ آپ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے آپ ﷺ کے بعد اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی بہترین انداز میں رہنمائی کریں اور انہیں سیدھے راستے سے نہ بھٹکنے دیں اس عظیم مقام و مرتبے میں جتنی عظمت ہے اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی اہم اور نازک ہے۔ معلم کی ذمہ داریوں میں بچوں کی تربیت، معاشرے کی رہنمائی اور امت مسلمہ کی تعمیر و ترقی شامل ہے۔اساتذہ امت کی تعمیر کے لئے نئی نسل کی ایسی تربیت کریں کہ انہیں اسلامی نظریہ سے روشناس کروائیں، نظریہ چونکہ قوم کو روحانی قوت عطا کرتا ہے اس لئے نظریے کے بغیر قوم بے ترتیب افراد کا مجموعہ بن جاتی ہے چنانچہ اساتذہ کو نہ صرف خود صبر وقناعت اختیار کرنا چاہیے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دینا اور اس کی تربیت بھی کرنی چاہیے۔جو اساتذہ اپنے مقام و منصب کو سمجھ کر اچھے طریقے سے اپنا کردار ادا کرتے ہیں تاریخ انہیں اچھے لفظوں میں یاد کرتی ہے۔

موجودہ دور میں بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کی وجہ سے نئی نسل محقق، سائنسدان، سیاستدان اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین بن کر ابھریں گے۔ایک استاد اپنی شخصیت سے طلباء کو متاثر کرے تو وہ ان کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے۔بنیادی طور پر مسلمان معلم پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ایک تو معلم ہونے کے لئے ضروری ہیں دوسری مسلمان معلم ہونے کی بناپر ہیں۔ معلم کا قوم کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ہوتا ہے وہی آئندہ آنے

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب فضائل اصحاب رسول ﷺ، باب فضل العلماء والحث، حدیث نمبر:۲۳۵، ۱/ ۹۷

والی نسلوں کی تربیت کرتا اور مختلف علوم وفنون پڑھاتا ہے، اپنے ذاتی نمونہ و کردار سے ان کی تربیت کرتا ہے حتیٰ کہ معاشرے کے تمام شعبوں کی رہنمائی میں استاد کی تعلیم وتربیت کا عمل دخل ہوتا ہے اگر استاد سچا مسلمان ہے اور اس نے اسلامی انقلاب کے لئے نئی نسل کو تیار کرنا ہے تو وہ آنے والی نسلوں کو ہر قسم کے حالات میں مثبت قوتوں کے ساتھ اسلام کے لئے فائدہ مند بنا سکتا ہے۔ چار عملی سرگرمیاں ایسی ہیں جہاں استاد کو اپنے مقام کے تقدس کو برقرار رکھنا اور اس کے مطابق کام کرنا چاہیے۔

ا۔ اپنی ذات کی تعمیر

ب۔ علم میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا

ت۔ شاگردوں کی کردار سازی

ث۔ استاد اور تعلیمی ادارے۔"[۱]

ا۔ اپنی ذات کی تعمیر

تعلیم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا مقصد حیات ہونا چاہیے ایک مخلص استاد صرف کتابیں پڑھانے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر وقت اپنے علم میں اضافے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اپنے مضمون کے بارے میں جدید معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ معاشی مقاصد کے حصول کے لئے یا روزی کمانے کے لئے اور بھی کام کئے جاسکتے ہیں لیکن معلمی کا پیشہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے مخلص استاد کا اصل مقصد علم نظریات، تہذیب، عادات، خصائل، عقائد جو کہ ہمیں آباؤاجداد سے ملے ہیں انہیں اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہدایت اور علم کی مثال دے کر یہ بات واضح کی انسان اپنی ذات کی تعمیر کیسے کر سکتا ہے اور اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے:

((مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ مِنَ الهُدَى وَالعِلْمِ، كَمَثَلِ الغَيْثِ الكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ المَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الكَلَأَ وَالعُشْبَ الكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ المَاءَ، فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لاَ تُمْسِكُ مَاءً وَلاَ تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللَّهِ، وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا، وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ))[۲]

---

(۱) احیائے اسلام اور معلم، خرم جاہ مراد، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، ۸:اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص:۳۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم، حدیث نمبر:۷۹، ۱/۱۴۱

ترجمہ: جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے: اس کی مثال زوردار بارش جیسی ہے جو عمدہ زمین پر برسی تو وہ اسے قبول کر کے گھاس اور خوب سبزہ اگاتی ہے جب کہ زمین کا بعض حصہ سخت ہوتا ہے جو پانی کو روک لیتا ہے تو لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں کہ پیتے ہیں، پلاتے ہیں اور کھیتوں کو سیر اب کرتے ہیں جب کہ کچھ بارش دوسرے حصے پر برسی جو چیٹل میدان ہے، نہ پانی کو روکے نہ سبزہ اُگائے، پس یہی مثال اس کی ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور نفع حاصل کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا: یعنی اسے سیکھا اور سکھایا جب کہ وہ دوسرے کی مثال ہے جس نے سر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا ہے۔

اس حدیث کی شرح نزھۃ القاری میں ایسے بیان کی گئی ہے:

"اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کے دین کی مثال زوردار بارش سے دی ہے کہ جو ہر جگہ برستی ہے مگر زمین کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کا نتیجہ مختلف ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو جو کہ دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں عمدہ زمین پر بارش کے برسنے سے تشبیہہ دی ہے کہ ایسے لوگوں کی ہدایت اللہ قبول کرتا ہے۔ جو خود بھی دین کا علم سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے، کچھ اگاتی نہیں مگر اس جمع شدہ پانی سے طرح طرح کا فائدہ پہنچتا ہے یہ حال ان لوگوں کا ہے جو دین قبول کر کے دین سیکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے مگر اس کے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، تیسری وہ زمین ہے نہ پانی جمع کرتی ہے اور نہ کچھ اگاتی ہے اس پر پانی آکر بہہ جاتا ہے یہ حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دین قبول ہی نہیں کیا اور اس پر کوئی توجہ ہی نہیں دی۔"[1]

چنانچہ اس حدیث میں بارش اور زمین کی مثال سے دین ہدایت کی مثال کو واضح کیا گیا ہے، اسی طرح ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حکمت کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

((الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ المُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا))[2]

ترجمہ: حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے سو وہ اسے جہاں پائے اس کا مستحق ہے۔

---

(۱) نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، ۱/۴۳۱

(۲) جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ، حدیث نمبر: ۲۶۸۷: ۲/۱۹۸

اس حدیث میں اللہ تعالی نے مسلمان کے لئے علم وحکمت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ علم حاصل کرنے کے لئے انسان کو ہر وقت کوشش کرتے رہنا چاہیے اللہ تعالی اس کی مدد کرتے ہیں جو علم حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ امام غزالی کے نزدیک استاد میں اس خصوصیت کا ہونا بھی ضروری ہے:

"استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل میں توافق پیدا کرے ورنہ صحیح افادہ ممکن نہ ہو گا کیونکہ اقوال دل میں اترتے ہیں، لیکن اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔"[۱]

لہذا استاد کو اپنے قول و فعل میں یکسانیت پیدا کرنی چاہیے کیونکہ طلباء استاد کی تقلید کرتے ہیں۔ خرم جاہ مراد ایک استاد کے لئے ذاتی اوصاف کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"اسلامی نظام تعلیم کا پہلا مقصد انسان کے دل میں اللہ کی عظمت کا پیدا ہونا ہے۔ اللہ کی ذات پر اس کا ایمان مضبوط ہو احکام الہی کا تابع ہو آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا پابند ہو۔ خوش اخلاق اور نرم مزاج ہو۔ علم کو عبادت سمجھ کر حاصل کرے نہ کہ ذریعہ معاش سمجھ کر۔ علم کا بنیادی مقصد تعمیر سیرت ہونا چاہیے جو کہ اسے اپنی ذات کو پہچاننے میں مدد دے۔ اس کے علاوہ روح کی پاکیزگی، کردار کی تعمیر اور اخلاق کی بلندی بھی ہے۔ آپ ﷺ تعلیم کا سارا بندوبست خود کرتے تھے۔"[۲]

لہذا ایک استاد کی ذات میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ طلباء کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ب۔ علم میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا

ایک استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلی علمی معیار اور تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر انداز تنقید، اجتہاد اور جدید افکار جیسی صلاحیتیں پیدا کرے چونکہ دنیا کے ہر علم میں مسلسل وسعت اور ترقی ہو رہی ہے اس لئے ایک استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دلائل کے ساتھ اور پوری قوت سے علوم کو نئی بنیادوں پر قائم کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں میں جس کو چاہتا ہوں سیدھی راہ دکھاتا ہوں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھدِیَہ یَشْرَحْ صَدْرَہ لِلْاِسْلَامِ﴾[۳]

ترجمہ: جسے اللہ راہ دکھانا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

---

(۱) احیاء علوم الدین، الغزالی، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۸ھ، ۱/۴۸

(۲) احیائے اسلام اور معلم، ص: ۱۹۔۲۰۔۲۱

(۳) سورۃ الانعام: ۶/۱۲۵

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر اور طبری نے ایسے کی ہے:

"فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلامِ أَيْ يُيَسِّرْهُ لَهُ وَيُنَشِّطْهُ ويسهله"(۱)

ترجمہ: اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے اس پر نیکی کے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔

"نور يُقذف فيه، فينشرح له وينفسح. قالوا: فهل لذلك من أمارة يُعرف بها؟ قال:"الإنابة إلى دار الخلود، والتجافي عن دار الغرور، والاستعداد للموت قبل الموت"(۲)

ترجمہ: اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی جانب رغبت کام رکھنا اور دنیا کے فریب سے بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے تیاریاں کرنا۔

ہدایت اور گمراہی اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے وہ جس کو چاہتا ہے دین کے رستے پر چلاتا ہے۔ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۳)

ترجمہ: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوں گے؟

چنانچہ استاد جو کتاب پڑھائے اس کو اس پر عبور ہونا چاہیے اور بلا صلاحیت اور علم کے بغیر پڑھانا درست نہیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾(۴)

ترجمہ: جس چیز کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، بے شک کان، آنکھ اور دل کے بارے میں ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو بے مقصد تعلیم اور مشاغل میں پڑنے سے منع فرما رہے ہیں کیونکہ قیامت کے دن ہر عمل کا حساب لیا جائے گا۔علم میں اضافے، لگن اور جستجو کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل میں

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد شمس الدین، ص:۳/ ۳۰۰

(۲) جامع البيان في تاويل القرآن، محمد بن جریر ابو جعفر الطبري، محقق: احمد محمد شاکر، موسسة الرسالة، طبع اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۲/ ۱۰۰

(۳) سورة الزمر: ۳۹/ ۹

(۴) سورة بنی اسرائیل: ۱۷/ ۳۶

اس کی خواہش اور زبان سے اقرار ہو اللہ تعالیٰ کو چونکہ انسان کا مانگنا پسند ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری نبی ﷺ کو یہ دعا سکھائی کہ علم کی طلب اور اضافے کا اقرار انسان کی زبان پر رہے۔

((اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ))[1]

ترجمہ: اے اللہ اسے کتاب (قرآن مجید) کا علم عطا فرما۔

حضرت ابن عباسؓ کے لئے اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے وسعت علمی کی دعا فرمائی۔ آپ تفسیر قرآن کے ماہر تھے۔ محمد علی صابونی بیان کرتے ہیں کہ:

"كان ابن عباس اعلمها بالقرآن"[2]

ترجمہ: ابن عباس صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والے تھے۔

آپؓ کے کثرت علم کی شان یہ تھی کی ابو محمد بن حزم کہتے ہیں:

"ويمكن ان يجمع من فتوى كل واحد منهم سفر ضخم"[3]

ترجمہ: کہ ایسا ممکن ہے کہ ہر موضوع سے متعلق اگر ان کے فتاوی جمع کئے جائیں تو (یہ ایک موضوع سے متعلق) فتاوی ایک اونٹ کے برابر ہوں گے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کتنے باعلم تھے اور ہر وقت علم میں اضافے کے خواہاں رہتے تھے۔

ت۔ شاگردوں کی کردار سازی

اچھی عادات واطوار کا حامل استاد اپنے شاگردوں سے محبت وشفقت اور نرمی سے پیش آتا ہے وہ ان کو ڈرانے کی بجائے احساس شفقت کا احساس پیدا کرتا ہے جو سوال طالبعلم کریں ان کا جواب شفقت سے دیتا ہے۔ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہوئے کلاس میں وقت پر پہنچتا ہے، اور کلاس کا وقت ختم ہونے پر کلاس چھوڑتا ہے۔ متوسط ذہنیت کے مالک بچوں کو کلاس کے علاوہ بھی وقت دیتا ہے ان کی تعمیر وسیرت پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان خوف خدا اور شریعت کی پیروری، اور آخرت میں جوابدہی کا احساس اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کے ذہنوں سے تمام منفی سوچوں کو دور کر کے دین کے بارے میں پھیلائے ہوئے ابہام دور کرنے میں ہر وقت مصروف رہتا ہے اور جذبہ جہاد بیدار کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ انسؓ کے لئے کثرت وبرکت کی دعا کرتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول نبی ﷺ اللھم علمہ الکتاب، حدیث نمبر: ۷۵، ۱/۱۳۹

(۲) التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، دمشق، مکتبہ الغزالی، ص: ۷۰

(۳) اعلام الموقعین عن رب العالمین، شمس الدین محمد بن قیم، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص: ۱۲

((اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ))[1]

ترجمہ: اے اللہ اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کیجیے اور آپ نے اس کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے لئے اس میں برکت عطا فرمائیے۔

آنحضرت ﷺ اپنے شاگردوں کے لئے فرمائش اور بلا فرمائش دعا فرماتے تھے۔ استاد چونکہ اپنے شاگردوں کا نگران ہے اس لئے ان سے ان کے ماتحت افراد یعنی شاگردوں کے متعلق پوچھا جائے گا آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے:

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[2]

ترجمہ: خبر دار ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے معاملات کا حساب لیا جائے گا۔ خرم جاہ مراد[3] نے ایک مخلص استاد کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے:

"استاد کو شاگرد کے ساتھ گہرا تعلق قائم کرنا چاہیے اس کے بغیر استاد طالبعلم کو زندگی کے مقصد سے متعارف نہیں کرا سکتا یہ ذاتی تعلق طالبعلم کی شخصیت و کردار کی تعمیر اور اس کی علمی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے، اس سلسلے میں استاد کو اپنا اعلی کردار، معاشرتی اقدار کی پابندی، با مقصد زندگی اور دنیا سے بے نیازی اور محنت کو اپنا شعار بنانا ہو گا۔"[4]

استاد طلباء کی سیرت اور کردار سازی کو مد نظر رکھتے ہوئے خود بھی طالب علموں کے دلوں میں مقصد اور نصب العین کی لگن پیدا کرتا ہے ان کو فضول اور بے کار مشاغل سے اجتناب کرنے اور دین اسلام کو سربلند کرنے کا شوق پیدا کرتا ہے۔ وہ ان کو دنیا سے بے نیازی اور مادیت پرستی سے اجتناب کی تلقین بھی کرتا ہے کیونکہ جو علم صرف معاشی حصول کا ذریعہ بن جائے وہ تباہ برباد کر دیتا ہے اور جو علم دل و نگاہ کو پاک صاف کرے وہی اصلی علم ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، تحقیق الشیخ محمد فواد عبد الباقی، رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء الدعوۃ، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل انس بن مالک، حدیث نمبر: ۱۴۱، ۱۹۲۸/۴

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب اطیعو اللہ واطیعو الرسول، حدیث نمبر: ص: ۹۶/۳/۷

(۳) خرم جاہ مراد: آپ وسط ہند کے ایک قصبے رائے سین میں ۳ نومبر ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ (لمحات حالات زندگی، خرم مراد، ص: ۳۳)

(۴) احیائے اسلام اور معلم، ص: ۱۲۵

ث۔ استاد اور تعلیمی ادارے

ایک مسلمان معلم اپنے تعلیمی ادارے میں پوری کوشش سے اپنی تمام جدوجہد اسلام کی ترقی کے لئے وقف کرتا ہے چنانچہ مسلمانوں کی یہ کمزوری رہی ہے کہ اسلام دشمن لوگ ہر موقع پر اکھٹے ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام پسند لوگ اپنی غیر جانبداری ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں، چنانچہ ایک مسلمان استاد کا فرض ہے کہ اپنے تعلیمی ادارے میں طلبہ کے درمیان اسلامی اقداروں کو فروغ دے اور ہر موقع پر سب سے آگے آگے ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

ترجمہ: آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری میں مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی[2] آنحضرت ﷺ کے دور کی اسلامی ریاست میں تعلیم کے مرکز کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اسلامی ریاست میں مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ کیونکہ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ کا مستقل قیام مدینہ میں تھا اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کا مرکز بھی مدینہ ہی تھا۔ ابتدائی عہد میں دوسرے قبائل عرب میں دوسرے مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے مرکز کی حفاظت کے لئے زیادہ مسلم آبادی کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کو تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنا بھی مقصود تھا۔ اس کے لئے لوگوں نے اپنے محلے میں مسجدیں بنالیں۔"[3]

موجودہ دور کے معلمین مشکلات کا اچھے طریقے سے مقابلہ کر کے اپنے مطلوبہ مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آج کل جنگیں میدان جنگ میں کم لڑی جاتی ہیں اور فکر و نظریاتی محاذ پر زیادہ۔ معلمین ہی قوم کو اعلیٰ قیادت مہیا کرتے ہیں ان کو بلند مقصد حیات کا شعور دیتے ہیں اور ان کے لئے فکری اور نظریاتی راہیں مقرر کرتے ہیں۔ تعلیمی معیار کو بہتر بنانے اور اساتذہ کی عزت و تکریم جیسی صفات کو عام ہونا چاہیے۔

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۵/ ۲

(۲) شبلی نعمانی: آپ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے ۔ آپ ۱۹۱۴ء میں فوت ہوئے۔ (شبلی نعمانی، ڈاکٹر اسلم فرخی، مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی، فروری ۲۰۱۱ء، ص:٦)

(۳) سیرت النبی ﷺ، مولانا شبلی نعمانی، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل، کراچی، ۲/ ۸۸

مبحث دوم

اساتذہ کی ذات کا عملی نمونہ ہونا

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت کو طلباء کے سامنے بطور عملی نمونہ کے پیش کرے، استاد چونکہ روحانی باپ کا درجہ رکھتا ہے اس لئے طلباء کی شخصیت اور کردار کی مثبت تعمیر میں اس کا بہت عمل دخل ہے۔ عمل کے ساتھ تعلیم کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ جس بات کا معلم شاگردوں کو حکم دے وہ خود بھی کرے اور جس بات سے روکے اس سے خود بھی دور رہے اسے کے لئے عملی نمونہ، مثال اور سلوک کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ معلم اپنی بیان کردہ بات یا مسئلہ کو طلبہ کے سامنے عملی طور پر کرکے دکھائے اور اس کا اثر سننے والے کے ذہن پر محض الفاظ کے ذریعے سمجھائی گئی بات سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ امام ابن ابی جمرہؒ (وفات ۶۷۵ھ) نے تحریر کیا ہے:

"إن التعليم بالفعل والمثال ابلغ من القول وحده"(۱)

ترجمہ: عمل اور مثال کے ذریعے تعلیم لفظی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

چنانچہ تجربات ومشاہدات سے انسان تیزی سے سیکھتا ہے، استاد کو پڑھانے کے لئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو مؤثر اور آسان ہو۔

ا۔ عملی نمونہ کے ذریعہ تعلیم

آنحضرت ﷺ اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھے۔ صحابہ کو جس جس بھلائی کا حکم دیتے، نہ صرف یہ کہ خود اس پر عمل کرتے، بلکہ اس کے کرنے میں پیش پیش ہوتے جن برائیوں سے منع کرتے ان سے خود سب سے زیادہ دور رہتے سیرت طیبہ میں اس بارے میں کثرت سے مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

"کثرت سے ذکر الٰہی، پانچ نمازوں کی حفاظت، کثرت کے ساتھ سخاوت، گھر والوں سے عمدہ معاملہ، دشمنوں سے بھی ایفائے عہد کا شدید اہتمام، ایثار، ظالموں سے عفو اور درگزر، تواضع، زہد، دعوت الی اللہ تعالیٰ کا اہتمام۔"(۲)

شاگرد استاد کی شخصیت کو اپنے لئے عملی نمونہ سمجھتے ہیں اس لئے استاد کے اپنے کردار اور قول وفعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔

---

(۱) بھجۃ النفوس وتحلیھا بمعرفۃ مالھا وماعلیہ، امام ابن ابی جمرۃ الاندلسی، دار الجلیل بیروت، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ۱/ ۱۸۷

(۲) سلوک واثرہ فی الدعوۃ الی اللہ، فضل الٰہی، در ابن حزم، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۰ھ، ص: ۶۵-۱۰۶

ب۔ عملی بیان کے ذریعہ تعلیم

استاد کے لئے ضروری ہے جس بات کی نصیحت وہ طلباء کو کرے اس بات پر خود بھی عمل کرے، اس سے طلباء میں کام کرنے کی مزید حوصلہ افزائی پیدا ہو گی۔ طلبہ میں عملی بیان کے ذریعہ تعلیم کی بہت سے صورتیں ہیں جن میں:

> "کیفیت وضو کی عملی تعلیم، اوقات نماز کی عملی تعلیم، منبر پر لوگوں کو نماز کی عملی تعلیم، دوران نماز کپڑے پر تھوکنے کا عملی بیان۔"[1]

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ جو باتیں اپنے شاگردوں میں دیکھنا چاہتے تھے خود ان کا عملی نمونہ تھے، اور ہر وہ کام کر کے دکھاتے تھے جس کا حکم دیتے تھے۔

---

(۱) سلوک واثرہ فی الدعوۃ الی اللہ، ص: ۵۴-۵۷

مبحث سوم

استاد کا طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھنا

اساتذہ کا طلباء کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہر طالبعلم انفرادی خصوصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے استاد کو درج ذیل اصولوں کو مد نظر رکھنا چاہیے:

ا۔ طلبہ سے سوال کرنا

استاد کو طلباء کی ذہنی صلاحیت کو مد نظر رکھ کر طلباء سے سوال کرنے چاہیں کیوں کہ ہر طالبعلم کی ذہنی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ سوال کرنے سے طلباء کی تخلیقی صلاحیتیں نکھرتی ہیں اور طلباء کا ذہن تیز ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

((إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالُوا: حَدِّثْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هِيَ؟، قَالَ: النَّخْلَةُ))[۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ یقیناً مسلمانوں کی مانند ہے پس تم مجھے بتلاؤ کہ وہ کون سا ہے؟ لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف دوڑا۔ عبد اللہؓ (وفات ۳۲ھ) نے بیان کیا: میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، (مگر) میں شرمایا: (یعنی شرم کی بنا پر خاموش رہا) پھر انہوں نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ ہمیں بتلایئے! وہ کون سا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

اس حدیث میں کھجور کے درخت کو مسلمانوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہمیشہ سر سبز اور ہرا بھرا رہتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی طلبہ سے سوال کرنے کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"استاد کے طلبہ سے سوال کرنے میں غور و فکر کی دعوت، بتلائی جانے والی بات کی طرف پوری توجہ کے لئے تنبیہ روایات سمجھنے کی پائیدار ترغیب ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ اکثر اوقات بات بتلانے سے پہلے اسی موضوع کے متعلق شاگردوں سے سوال فرمایا کرتے تھے۔"[۲]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول المحدث، حدیث نمبر: ۵۹ ص: ۱/ ۱۳۰

(۲) نبی کریم ﷺ بحثیت معلم، پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲۲

پڑھانے سے پہلے طلباء کی ذہنی آمادگی ہوناضروری ہے کیونکہ جب تک طلباء پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے اس وقت تک سیکھنے کا عمل شروع نہیں ہو سکتا۔

ب۔ تواضع اختیار کرنا

عاجزوانکساری ہمارے دین کا حصہ ہے اور مومن کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اہل ایمان کے لئے تواضع کا حکم دیاہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اور جو اہل ایمان آپ کے پیروکار ہیں ان کے لئے پہلو کو جھکادیجئے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو نصیحت کر رہے ہیں کہ عاجزو انکساری اختیار کرو۔ تواضع سے مراد جیساکہ علامہ عینیؒ(۲) نے بیان کیاہے:

"اظهار النزل عن مرتبته"(۳)

ترجمہ: اپنے رتبہ سے فروتنی کااظہار۔

اسی طرح امام طبری نے تواضع کے بارے میں کہاہے:

"دین ودنیا کی بھلائی ہے۔"(۴)

ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تواضع کے سلسلہ میں اپنے رب کے حکم کی عملی تصویر تھے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحابہ کے ساتھ تواضع کے ساتھ معاملہ کرتے اور ہمیشہ ان سے ادب واحترام سے بات کرتے تھے۔

ت۔ طلبہ کے حالات کو پیش نظر رکھنا

دوران تعلیم ہمارے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے شاگردوں کے حالات اور کیفیات کو پیش نظر رکھنے کاشدید اہتمام فرماتے سیرت طیبہ کے متعدد گوشوں اور پہلوؤں سے یہ بات واضح ہوتی ہے جیساکہ:

---

(۱) سورۃ الشعراء:۲۶/ ۲۱۵

(۲) امام بدرالدین عینی: فقہ حنفی کے بہت بڑے شارح اور فقیہ ہیں۔ آپ کی پیدائش ۷۶۲ھ کو ہوئی۔ آپ کا پورانام محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود عینی: بدرالدین لقب اور قاضی القضاۃ خطاب تھا: مؤرخ، علامہ، اور بڑے محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حلب سے تعلق تھا جبکہ ان کی ولادت عین تاب میں ہوئی اسی کی طرف نسبت سے عینی کہلاتے ہیں۔ علامہ عینی کی وفات ۸۵۵ھ کو قاہرہ میں ہوئی۔ (الاعلام، ص: ۷/ ۱۶۳)

(۳) عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین العینی، دارالفکر، بیروت، ۲۳/ ۸۸

(۴) ایضا، ص: ۱۱/ ۳۴۱

نئے طلبہ سے ان کے بارے میں پوچھنا

آنحضرت ﷺ نئے آنے والے اجنبی شاگردوں سے پوچھا کرتے کہ وہ کون ہیں؟ اسی قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے:

((إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ الْقَوْمُ، أَوْ مَنِ الْوَفْدُ؟ قَالُوا: رَبِيعَةُ. قَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوِ الْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا نَدَامَى))[1]

ترجمہ: جب عبد القیس کا وفد نبی ﷺ کے پاس آیا، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون سی قوم کے یہ لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ وفد کہاں کا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ربعہ (قبیلہ کے لوگ ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: قوم کو خوش آمدید جو کہ نہ ذلیل ہونے والے ہیں اور نہ ہی شرمندہ ہونے والے۔

اس حدیث سے آپ ﷺ کا غیر شخص کو عزت واحترام دینا واضح ہوتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، حدیث نمبر:۵۱ ص:۱/ ۱۶۶

مبحث چہارم

آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد

آنحضرت ﷺ کے زیر تربیت سے ایسی مبارک اور مثالی نسل تیار ہوئی جو اخلاق حسنہ اور صفات کریمانہ سے آراستہ، اور اخلاقی برائیوں، ناپسندیدہ عادتوں، بری صفات، شیطانی وسوسوں اور جاہل رسوم سے پاک صفات تھی، خود قرآن نے ان کی سلامتی، صاف باطنی، تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کی شہادت اس طرح دی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَه فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر ہیں، اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا، اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"هَذَا خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُخْلِصِينَ الَّذِينَ لَا يُكَذِّبُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُخْبِرُونَ بِالْبَاطِلِ، أَيْ جَعَلَ الْإِيمَانَ أَحَبَّ الْأَدْيَانِ إِلَيْكُمْ." وَزَيَّنَهُ" بِتَوْفِيقِهِ." فِي قُلُوبِكُمْ" أَيْ حَسَّنَهُ إِلَيْكُمْ حَتَّى اخْتَرْتُمُوهُ. وَفِي هَذَا رَدٌّ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ وَالْإِمَامِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ، حَسْبَ مَا تَقَدَّمَ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ. فَهُوَ سُبْحَانَهُ الْمُنْفَرِدُ بِخَلْقِ ذَوَاتِ الْخَلْقِ وَخَلْقِ أَفْعَالِهِمْ وَصِفَاتِهِمْ وَاخْتِلَافِ أَلْسِنَتِهِمْ وَأَلْوَانِهِمْ، لَا شَرِيكَ لَهُ"[2]

ترجمہ: یہ مخلص مومنوں کو خطاب ہے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں جھوٹ نہیں بولتے اور باطل خبریں نہیں دیتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کا پسندیدہ ترین امر بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے یہاں تک کہ تم نے اسے پسند کیا اس آیت میں قدریہ اور امامیہ وغیرہ کا رد ہے جس طرح پہلے کئی دفعہ گزر چکا ہے اللہ تعالی کی ذات تمام مخلوقات کی ذاتوں

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۷

(۲) تفسیر القرطبی، ۱۶/ ۳۱۴

ان کے افعال، صفات، زبانوں اور رنگوں کی تخلیق میں منفرد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی مسلمانوں اور خاص طور پر خالص مومنوں کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان کو بطور پسندیدہ عمل ان کے لئے چن لیا گیا ہے۔

حضرت ابوذر ؓ کو ایک مرتبہ آپ ﷺ نے تحصیل علم کی کی نصیحت ایسے فرمائی:

"يَا أَبَا ذَرٍّ، ((لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ، وَلَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ، عُمِلَ بِهِ أَوْ لَمْ يُعْمَلْ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ))"[۱]

ترجمہ: اے ابا ذر تیرا اس طرح صبح کرنا کہ تو اللہ کی کتاب کی ایک آیت سیکھ لے تیرے سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے اور تیرا اس طرح صبح کرنا کہ تو علم کا ایک باب سیکھ لے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے تیرے ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحصیل علم کی کتنی اہمیت ہے جو کہ نفلی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔

پروفیسر رب نواز آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کے دور میں جو لوگ جنگ یا سریہ میں جاتے تھے وہ علم سے محروم رہتے تھے اور جو لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس موجود رہتے تھے وہ آپ ﷺ سے استفادہ کرتے تھے، اس لئے اس گروہ کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ دوسرے لوگوں کو علم سے آگاہ کریں۔"[۲]

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی حالت چاہے وہ امن ہو یا جنگ تعلیم کی اہمیت سے غافل نہ تھے۔ نعیم صدیقی حالت جنگ میں آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"آپ ﷺ نے بہت سے تعلیمی وفود بھیجے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس سرعت کے ساتھ اور کس منصوبہ بندی کے تحت ناخواندگی پر قابو پایا، لوگوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور ان میں علمی بیداری پیدا کی۔ حد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فوجی دستوں کے ساتھ بھی معلمین بھیجے تا کہ ایک طرف مجاہدین تعلیم کا سلسلہ سفر

---

(۱) سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن، حدیث نمبر: ۲۲۵، ۱/ ۹۴

(۲) آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد، پروفیسر رب نواز، ادارہ تعلیمی تحقیق، ۳- بہاول شیر روڈ، مزنگ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۶

میں جاری رکھیں اور دوسری طرف جو لوگ دین اسلام قبول کریں انہیں
تعلیم دیں۔"[1]

لہذا اس سے آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی تعلیمی جدوجہد اور منصوبہ بندی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نئے اسلام قبول کرنے والوں کے لئے بھی تعلیم کا اہتمام کرتے تھے۔

استاد چونکہ قوم کا معمار ہوتا ہے اس لئے اساتذہ کا امن قائم کرنے میں اہم کردار ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلباء کے سامنے اپنی شخصیت کو بطور نمونہ پیش کریں تاکہ طلباء ان کے نقش قدم پر چلیں۔ اساتذہ کی سوچ اور قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے اور ہمیشہ اپنے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر ملک کی ترقی وخوشحالی اور امن کے لئے کوشاں رہیں۔ ہر استاد کا یہی مطمع نظر ہونا چاہیے۔ تعلیمی ادارے اور تعلیمی عمل کسی بھی ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اسی پر ہی آنے والی نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا انحصار ہوتا ہے، تاکہ وہ ذمہ دار شہری بن کر ملک کی بھاگ دوڑ سنبھال سکیں۔

---

(۱) رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بحثیت معلم، نعیم صدیقی، الفیصل پبلیشرز، لاہور، ص: ۵۳

فصل سوم: امن اور تعلیمی اداروں کا کردار

مبحث اول: آنحضرت ﷺ اور تعلیمی ادارے

مبحث دوم: تعلیمی ادارے کے لوازمات

مبحث سوم: تعلیمی ادارے کے فرائض

مبحث اول

آنحضرت ﷺ اور تعلیمی ادارے

ملک کے موجودہ حالات میں معاشرتی برائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان برائیوں کا علاج دین اسلام میں ہے اور یہی آنحضرت ﷺ کی دعوت کا مقصد تھا۔ موجودہ دور میں یہ ذمہ داری اس وقت کے تعلیمی اداروں اور ان سے وابستہ علماء، مفکرین اور دانشوروں پر عائد ہوتی ہے۔ آج پاکستانی معاشرے میں جو برائیاں ہیں اس میں ہماری اپنی غلطیاں بھی شامل ہیں اور بیرونی قوتوں کی سازشیں بھی، قوم کو ان حالات سے نکالنے کے لئے پڑھے لکھے افراد کے عملی کردار کی ضرورت ہے۔ جس تہذیب کا نظام تعلیم وتربیت وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو وہاں اساتذہ، علماء، مفکر ومجتہدین میں وہ صلاحیتیں پیدا نہیں ہوتیں جو وقت کی ضرورت ہیں۔ تعلیمی ادارے کا مقصد ایک آزاد اور خود مختار انسان تیار کرنا ہے جو تعمیر وطن کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرے، اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں کی فضاؤں میں امن و امان کی فضا کو یقینی بنایا جائے۔ وطن سے محبت کا تقاضا ہے کہ تعلیمی اداروں میں پرامن نصاب پڑھایا جائے جس سے تعلیمی اداروں کے ماحول کو بہتر بنایا جاسکے۔ تعلیمی ادارے میں امن قائم کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

فرد اور معاشرے کی اصلاح کا زیادہ تر انحصار تعلیمی ادارے کی بہتر اور عمدہ کارکردگی پر ہے۔ خاندان چونکہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور انسانی تربیت کا بنیادی ادارہ ہے اس میں ذاتیات، جذبات اور شفقت کا دخل ہوتا ہے ان کے منفی ردعمل کی وجہ سے انسان کی سرکشی اور خود غرضی معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ تعلیمی ادارہ حصول علم اور اچھی تربیت کے لئے ایک بہترین ماحول پیدا کرتا ہے، تعلیمی ادارے میں اچھے استاد اور اچھے نصاب کے ذریعے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ تعلیم اپنے وسیع معنوں میں اخلاق وسیرت کی تربیت اور تعمیر سمیٹے ہوئے ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں مسجد کو تعلیمی وتربیتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ انسانی وجود کا مرکز اس کی روح ہے اس لئے سب سے پہلے روح کی تربیت پر زور دیا گیا اس میں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ دینی اداروں بالخصوص ''مسجد'' سے یہ کام لیا جاتا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کی روح کا تعلق ہر وقت اللہ سے جڑا رہے اسی حقیقت کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾[1]

ترجمہ: ہم ان کی شہ رگ سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر میں ایسے بیان ہوئی ہے:

---

(۱) سورۃ ق: ۵۰/۱۶

"فَالْمَلَائِكَةُ نَزَلَتْ بِالذِّكْرِ وَهُوَ الْقُرْآنُ بِإِذْنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكَذَلِكَ الْمَلَائِكَةُ أَقْرَبُ إِلَى الْإِنْسَانِ مِنْ حَبْلِ وَرِيدِهِ إِلَيْهِ بِإِقْدَارِ اللَّهِ جل وعلا لَهُمْ عَلَى ذَلِكَ.فَلِلْمَلَكِ لَمَّةٌفِي الْإِنْسَانِ كَمَاأَنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً،وَكَذَلِكَ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَم مجْرَىالدَّمِ،كَماأَخْبَرَبذلك الصادق المصدوق ولهذاقال تعالى هاهنا:إِذْيَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيانِ يعني الملكين الذين يَكْتُب انِ عَمَلَ الْإِنْسَانِ.عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمالِ قَعِيدٌ أَيْ مُتَرَصِّدٌ مَا يَلْفِظُ أَيِ ابْنُ آدَمَ مِنْ قَوْلٍ أَيْ مَا يَتَكَلَّمُ بِكَلِمَةٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ أَيْ إِلَّا وَلَهَا مَنْ يُرَاقِبُهَا مُعْتَدٍ لِذَلِكَ يَكْتُبُهَا لَا يَتْرُكُ كَلِمَةً وَلَا حَرَكَةً"(۱)

ترجمہ:یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں فرشتے ہی ذکر قرآن کریم کو لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے جس پر اللہ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے پس انسان پر ایک پہرا فرشتے کا ہوتا ہے اور ایک شیطان کا اسی طرح شیطان بھی جسم انسان میں اسی طرح پھرتا ہے جس طرح کون جیسے کہ سچوں کے سچے اللہ کے نبی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے فرمایا ہے اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی بندے کے ہر سوچ اور قول و فعل سے آگاہ ہے۔قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مسجد کی اہمیت و عظمت کا بیان ہوا ہے اور اس کے تقدس کو واضح کیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾(۲)

ترجمہ:اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے۔

اس آیت کی تفسیر طبری میں ایسے بیان ہوئی ہے:

" فَذَكَرَ الْمُفَسِّرُونَ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي بُخْتَ نَصَّرَ، لِأَنَّهُ كَانَ أَخْرَبَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَغَيْرُهُ: نَزَلَتْ فِي النَّصَارَى، وَالْمَعْنَى

(۱)تفسیر ابن کثیر،محقق:محمد حسین شمس الدین،۷/۳۷۲

(۲)سورۃ البقرہ:۲/۱۱۴

كَيْفَ تَدَّعُونَ أَيُّهَا النَّصَارَى أَنَّكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ! وَقَدْ خَرَّبْتُمْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَمَنَعْتُمُ الْمُصَلِّينَ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ. وَمَعْنَى الْآيَةِ عَلَى هَذَا: التَّعَجُّبُ مِنْ فِعْلِ النَّصَارَى بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ مَعَ تَعْظِيمِهِمْ لَهُ، وَإِنَّمَا فَعَلُوا مَا فَعَلُوا عَدَاوَةً لِلْيَهُودِوَقِيلَ: نَزَلَتْ فِي الْمُشْرِكِينَ إِذْ مَنَعُوا الْمُصَلِّينَ وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَدُّوهُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ. وَقِيلَ: الْمُرَادُ مَنْ مَنَعَ مِنْ كُلِّ مَسْجِدٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ اللَّفْظَ عَامٌّ وَرَدَ بِصِيغَةِ الْجَمْعِ، فَتَخْصِيصُهَا بِبَعْضِ الْمَسَاجِدِ وَبَعْضِ الْأَشْخَاصِ ضَعِيفٌ"[1]

ترجمہ: مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ بخت نصر کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے بیت المقدس کو خراب کیا تھا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا: یہ نصاریٰ کے بارے نازل ہوئی۔ معنی یہ ہے کہ تم کیسے دعویٰ کرتے ہواے نصاریٰ! کہ تم اہل جنت میں سے ہو حالانکہ تم نے بیت المقدس کو خراب کیا اور اس میں نمازیوں کو نماز پڑھنے سے روکا۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا: نصاریٰ کے فعل پر تعجب کا اظہار ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کے ساتھ یہ کیا حالانکہ وہ اس کی تعظیم بھی کرتے تھے اور انہوں نے یہود سے عداوت کی۔ بعض نے فرمایا: یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نمازیوں کو اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو روکا اور حدیبیہ کے ساتھ انہیں مسجد حرام میں داخل نہ ہونے دیا۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس نے بھی قیامت تک کسی مسجد سے کسی کو روکا۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ لفظ عام ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے۔ بعض مساجد کے ساتھ تخصیص اور بعض اشخاص کے ساتھ خاص کرنا ضعیف ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں صفہ کو تعلیم وتربیت کے لحاظ سے ایک اہم مقام حاصل تھا۔ مولانا ظہور الباری شرح صحیح بخاری میں درسگاہ صفہ کی اہمیت کو ایسے بیان کرتے ہیں:

صفہ جو مسجد نبوی کا ایک چبوترہ تھا، اس میں وہ مہاجرین پناہ لیتے تھے جن کا نہ کوئی گھرانہ تھا نہ ذریعہ معاش تھا۔ اس کے لئے "اضیاف الاسلام" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔[2]

---

(۱) تفسیر الطبری: ۲/۷۷

(۲) صحیح بخاری، ترجمہ وشرح، مولانا ظہور الباری اعظمی، حواشی، مولانا محمد امین اوکاڑوی، مکتبہ مدفیہ، لاہور، کتاب الرقاق، باب ۱۷

اس شرح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفہ کی درس گاہ ایک اہم تعلیمی اور تربیتی مرکز تھا۔ مدینہ منورہ میں صفہ کے ہم عصر درسگاہیں بھی موجود تھیں۔ فتح الباری میں ہے:

"لقد لبثنا با المدينة قبل ان يتقدم علينا رسول ﷺ بسنين نعم المساجد ونقيم الصلاة"[۱]

ترجمہ: ہم رسول ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے اور ان میں نماز پڑھتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسجد ہی تعلیم و تدریس کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ سید ریاست علی ندوی درس گاہ صفہ کے درج ذیل تعلیمی امتیازات بیان کرتے ہیں:

ا۔ علم و قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم۔

ب۔ تعلیم زبانی اور سمعی تھی۔

ت۔ مسجد تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی تھی۔

ث۔ تعلیم معاشی حصول کا ذریعہ نہ تھی بلکہ تعلیم بلا معاوضہ تھی۔[۲]

پہلی وحی میں امت مسلمہ کو تعلیم و تدریس کے حکم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم کا حاصل کرنا فرد اور معاشرہ کی اصلاح و تربیت کے لئے ضروری ہے بلکہ علم و تعلیم کے بغیر ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا کیونکہ دین اسلام کو سمجھنے کے لئے علم اور بصیرت کی ضرورت ہے اور یہ علم و بصیرت اور اصلاح و تربیت معاشرے کی ذمہ داری ہے اور معاشرے میں جس ادارے کے ذریعے تعلیم و تربیت ہوتی ہے اس ادارے کا نام تعلیمی ادارہ ہے۔ معاشرے کی اصلاح کا مؤثر ترین ذریعہ بھی تعلیمی ادارے ہی ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ کبھی اصلاح معاشرہ کا آغاز تعلیم سے نہ کرتے بلکہ آپ ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا تھا کہ آپ ﷺ کو مبعوث کرنے کا واحد مقصد ہی تعلیم و تدریس ہے اور امن کے قیام میں بھی اسی تعلیم و تربیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی تعلیمی ادارے کی اہمیت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

"تعلیمی ادارہ علم اور تعلیم جیسے بنیادی لوازمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ تاہم علم کو حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی ادارے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لکھا پڑھا جائے۔"[۳]

---

(۱) فتح الباری، شہاب الدین احمد، ابن حجر، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء، ۷/ ۲۴۵

(۲) اسلامی نظام تعلیم، سید ریاست علی ندوی، الفصیل ناشران و تاجران کتب لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء، ص: ۴۷

(۳) اسلام کا معاشرتی نظام، خالد علوی، المکتبۃ العلمیہ، ۱۹۶۸ء، ص: ۲۷۳

آنحضرت ﷺ کے دور میں مکاتب و مدارس کے باقاعدہ نظام نے ہی مسلمان اور اسلامی ریاست کی تعمیر و اصلاح کی جس نے مسلمانوں کے ذہنوں اور فکر کو ایک ایسی جدت پسند سوچ دی جس کے بنا پر مسلمانوں نے طویل حکومت کی۔ اسلام کا بنیادی نقطہ انسان کی تعلیم و تربیت ہے چاہے قرآن و سنت کے ذریعے ہو یا معاشرتی اداروں کے ذریعے۔ مسجد کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے مسجد ہی کی بنیاد رکھی پھر آنحضرت ﷺ نے جس جس مقام پر نماز ادا کی مسلمانوں نے وہیں مساجد تعمیر کیں۔

مسجد، معاشرتی ضرورت

مسجد مسلمانوں کی سماجی و معاشرتی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اسلامی معاشرے کے لئے ناگزیر ہے۔ مسجد نہ صرف عبادت کا مرکز ہے بلکہ مسلمانوں کی اصلاح واتحاد کا بھی ذریعہ ہے۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز اور ہر جمعہ کے علاوہ مسلمانوں کی دینی تعلیم بھی مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ عوام اور حکام میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور معاشرے کی اصلاح و ترقی کا ذریعہ مسجد ہی ہے۔ ابن سعد مسجد کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"اول مسجد قرىء فيه القرآن بالمدينَة مسجد بنى زريق"[1]

ترجمہ: مدینہ کی پہلی مسجد جس میں قرآن پڑھا گیا مسجد بنی زریق تھی۔

اس سے مسجد کا بطور تعلیمی ادارہ استعمال ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ تعلیمی ادارہ نہ صرف فرد کی تربیت واصلاح بلکہ پورے معاشرہ کی اصلاح و تربیت کے لئے ناگزیر ہے۔

---

(۱) طبقات الکبری، ابن سعد، ابو عبداللہ محمد البصری، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۹ھ، ۱/ ۲۲۷

مبحث دوم

تعلیمی ادارے کے لوازمات

معاشرے کو پر امن بنانے میں تعلیمی اداروں کا اہم کردار ہے۔ تعلیمی ادارے جس طریقہ سے فرد اور معاشرے کی تربیت واصلاح کرتے ہیں اس میں بنیادی طور پر تین چیزیں شامل ہیں۔

ا۔ درس وتدریس کا طریقہ

ب۔ نصاب تعلیم

ت۔ اساتذہ کا تعلیمی معیار

ا۔ درس وتدریس کا طریقہ

کسی بھی تعلیمی ادارے میں درس و تدریس کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ طریقہ تدریس کو طلباء کی ذہنی استعداد کے مطابق ہونا چاہیے تاکہ طلباء اساتذہ کے سمجھائے ہوئے سبق کو آسانی سے سمجھ سکیں اور ذہن نشین کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ تعلیم نہایت مؤثر اور واضح ہوتا کہ سننے والا آسانی سے بات کو سن اور سمجھ لیتا، آپ ﷺ کی بات میں کوئی ابہام نہ ہوتا اس سلسلے میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

((كَانَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْتِيلٌ، أَوْ تَرْسِيلٌ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی گفتار میں ترتیل یا ترسیل تھی۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رقمطراز ہیں:

"ان المراد منها انه كان لا يعجعل فى ارسال الحروف بل يلبث فيها،و يبينها تبيينا لذاتها من مخارجها وصفاتها،وتميزا حركاتها وسكناتها،وخلاصةالكلام نفى العجلةواثبات التودة"[2]

ترجمہ: بے شک اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حروف کو بولتے وقت جلدی نہ کرتے ،بلکہ ان کے درمیان توقف فرماتے اور عمدگی سے بیان فرماتے کہ ان کے مخارج اور صفات نکھر کر سامنے آتے، اور ان کی حرکات وسکنات واضح ہو جاتیں۔ بیان کا مقصد آپ ﷺ کی گفتگو میں جلد بازی کی نفی اور ٹھہراؤ کو ثابت کرنا ہے۔

---

(۱) سنن ابو داوٗد، کتاب الادب، باب الھدی فی الکلام، حدیث نمبر: ۴۸۳۸، ص: ۴/ ۲۶۳

(۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، علامہ ملا علی القاری، تحقیق: صدیقی محمد جمیل عطار، المکتبہ التجاریہ مکۃ المکرمۃ، ۱۰/ ۸۷

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا طریقہ گفتگو نہایت واضح اور جاذب تھا۔ آنحضرت ﷺ مثالوں کے ذریعے بھی تعلیم سکھاتے اور بات کو واضح کرتے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الحَيِّ وَالمَيِّتِ))[1]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور نہ ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے نہایت اچھے طریقے سے اللہ کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والوں کو زندہ اور مردہ انسانوں کی مثال سے واضح کیا ہے۔ ابو بکر صدیقؓ مسجد میں دینی تعلیم دیتے جس میں نماز اور قرآن کی تعلیم شامل تھی جیسا کہ محمد حسین ہیکل بیان کرتے ہیں:

"ابو بکرؓ نے اپنے مکان کے باہر صحن میں ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔"[2]

چنانچہ صحابہ کرام علم حاصل کرنے کے لئے ہر وقت مشتاق رہتے تھے۔ سید اسعد گیلانی تعلیمی ادارے میں درس و تدریس کی اہمیت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

"تعلیمی ادارے نظام تعلیم کو مذہب و معاشرے سے ہم آہنگ کر کے ایسے افراد تیار کرتے ہیں جو نہ صرف قلب روح اور ذہن و عقل کی پاکیزگی رکھتے ہیں بلکہ جسمانی طور پر بھی صحت مند ہوتے ہیں۔ تعلیمی ادارے کے فرض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک اچھے نظام تعلیم کے ذریعے فرد کے ذہن و عقل اور علم و ہنر میں اتنا ادراک پیدا کر دے کہ وہ ایک مثالی معاشرے کے وجود کا ضامن بن جائے۔"[3]

لہذا تعلیمی ادارے کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو مفید شہری بنیں اور اسلامی نظریات و افکار پر پورا یقین رکھتے ہوں۔

ب۔ نصاب تعلیم

تعلیمی ادارے کا دوسرا طریقہ جس کے ذریعے معاشرے کے افراد کی شخصیت سازی ہوتی ہے اس کا نصاب تعلیم ہے نصاب وہ راستہ ہوتا ہے جس کی مدد سے طالب علم کو تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ اگر نصاب

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ، حدیث نمبر: ۶۴۰۷، ۸/ ۸۶

(۲) الصدیق ابو بکرؓ، ہیکل، محمد حسین، دار التراث، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ص: ۶۳

(۳) سید اسعد گیلانی، اسلامی تہذیب واقدار، فیروز سنز، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۹۴

انسان کی روحانی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی ضروریات کو پورا کرے تو اس کے مثبت نتائج سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ تعلیمی اداروں میں ایسا نصاب پڑھانا چاہیے جو ملک کے مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کے مطابق ہو۔ نصاب کو اسلامی عقائد وافکار اور اسلام کے نظام حیات کے مطابق ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے بہت سے مسلمانوں کی غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے میں حوصلہ افزائی کی۔ آپ ﷺ نے ہر فائدہ مند علم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ سیرت النبی ﷺ میں عہد نبوی کے نصاب کی وضاحت ایسے کی گئی ہے:

"خوش نویسی تحریر مسلمانوں کے نصاب میں شامل تھی۔ حضرت سعید بن العاصؓ بڑے خوش نویس تھے۔ اصحاب صفہؓ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی شامل تھا، چنانچہ عبادہ بن صامتؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد نبوی کے نظام تعلیم میں کتنی وسعت تھی۔ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی کے نصاب کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"نصاب کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ مختصر اور محدود مواد سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیت، اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔"(۲)

ت۔ اساتذہ

معاشرے کی اصلاح میں تعلیمی ادارے کا تیسرا ذریعہ استاد یا معلم ہے۔ کسی بھی تعلیمی ادارے میں معلم کی حیثیت بنیادی ہوتی ہے، اس منصب کی عزت نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے لگائی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا:

((الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاء))(۳)

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ، ۲/ ۹۱

(۲) عہد نبوی میں نظام تعلیم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، شمس الاسلام پریس حیدر آباد کن، ۱۳۶۱ء، ص: ۱۶-۱۷

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلم، الحدیث: ۲۲۳، ۱/ ۱۴۶

استاد کی ذات طلباء کے لئے باعث تقلید ہونی چاہیے اس تقلید کو وہ اپنے لئے اعزاز سمجھے۔ اسی لئے استاد کا کردار تعلیمی ادارے کے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر تعلیمی ادارہ قابل لوگوں کو درس و تدریس کا کام نہیں سونپتا تو تعلیمی نظام درست طریقے سے کام نہیں کر سکتا۔ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں اسی وقت تک مؤثر کردار ادا نہیں کرسکتے ہیں جب استاد اپنے قول و فعل میں بے مثال نہ ہو۔ لائق اور قابل استاد معاشرے میں مثبت تبدیلی لاسکتے ہیں ۔ اساتذہ اپنی بہترین سیرت و کردار سے معاشرے کو زیادہ منظم کرسکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے طریقہ تعلیم تربیت میں جو پالیسی اختیار کی تھی وہ تعلیمی اداروں کے لئے ایک بہترین اصول ہے اور جب تک تعلیمی ادارہ ان اصولوں کو نہیں اپناتا وہ اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔ تعلیم و تربیت کے طریقہ کار کو مؤثر بنانے کی وضاحت یہ آیت کرتی ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِه وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ:(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے۔ اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔

درس و تدریس میں خلوص نیت واخلاص، اچھے اور برے کی تمیز، تدریج، شگفتہ مزاجی، جامعت واختصار، بہترین گفتگو و خطابت اور امثال و تشبیہات نبی اکرم ﷺ کی وہ حکمت عملی تھی جس نے پورے عرب معاشرہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا وہ لوگ جو خود اپنے نفس اور جانوں کے دشمن بن گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ انسانیت کے لئے رحمت کا باعث بن گئے اور ''امت وسط'' اور بہترین امت کا لقب پاکر ساری دنیا پر چھاگئے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾(۲)

ترجمہ: اور اس طرح تو ہم نے مسلمانوں کو ایک ''امت وسط'' بنایا ہے۔

اگر تعلیمی ادارہ اچھے نظام تعلیم، اچھے نصاب اور لائق اساتذہ کی مدد سے درس و تدریس میں وہ حکمت عملی اپناتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی تھی تو یقیناً اس کے مثبت نتائج ہوں گے اور انسانی شخصیت پر دیرپا اثرات مرتب ہوں گے۔ تعلیمی ادارے کی وجہ سے انسان زندگی کے مقاصد سے آگاہ ہوتا ہے جس مقصد کے تحت وہ دنیا میں آیا۔ تعلیمی

---

(۱) سورۃ النحل:۱۶/ ۱۲۵

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۴۳

ادارہ انسان کو وقت کا پابند کر دیتا ہے اور زندگی کی حقیقت سے آگہی اور چھوٹوں اور بڑوں سے تمیز سے پیش آنا سکھاتا ہے۔ اللہ تعالی کا ڈر جو انسان کو بے شمار گناہوں سے روکتا ہے اس علم اور تعلیم ہی کی وجہ سے ہے جو انسان ادارے سے حاصل کرتا ہے۔ اللہ سے صحیح معنوں میں وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالم ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

اساتذہ کو طلباء کے ساتھ نرمی اور شفقت کا رویہ رکھنا چاہیے اور انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ))[2]

ترجمہ: میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا والد اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمان کا ایک اہم فریضہ ہے۔ یہ دینی فریضہ اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کے پاس علم نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[3]

ترجمہ: تم حکم دو نیکی کا اور روکو برائی سے۔

تعلیمی اداروں کے ذریعے جب انسان کی اصلاح ہوتی ہے تو اعمال کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے اور یوں انسان:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾[4]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

جیسے فعل سے بچ جاتا ہے۔ مسلسل غور و فکر کرنا انسان میں تعلیم حاصل کرنے کی لگن پیدا کرتی ہے جو تسخیر کائنات کا باعث بنتا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین کے نزدیک موجودہ نظام تعلیم اس طرح کا نقشہ پیش کرتا ہے:

> موجودہ دور میں تعلیم معلومات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ معلومات حاصل کرنے کے لئے استاد اور درسگاہ کی اہمیت کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے، پاکستان میں جب سے پرائیوٹ سیکٹر کو تعلیم کے شعبے میں آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا ہے کئی لوگوں نے تعلیم کو کاروبار بنالیا ہے انہیں اس بات کا

---

(۱) سورۃ الفاطر: ۲۸/۳۵

(۲) سنن ابن ماجہ، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، کتاب الطہارۃ وسننھا، باب الاستنجاء والحجارۃ، حدیث نمبر: ۳۱۳، ۱/۱۹۹

(۳) سورۃ آل عمران: ۱۱۰/۳

(۴) سورۃ الصف: ۲/۶۱

> احساس ہونا چاہیے کہ شعبہ تعلیم کو اختیار کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ طلبہ کی اچھی تربیت کریں اور انہیں ایک پر امن شہری بنائیں۔ اساتذہ اور تعلیمی انتظامیہ کو اس بات کا مد نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام میں تعلیم کی کیا اہمیت ہے بچوں میں منفی سر گرمیوں کی کیا وجہ ہے اور تعلیمی اداروں میں کن اقدامات کے ذریعے ان محرکات کو کم کیا جا سکتا ہے۔[1]

لہذا تعلیمی عمل میں استاد کی عملی کوششوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ استاد ہی طلباء کو معاشرے کی اقدار وروایات سے آشنا کراتا ہے۔

---

(۱) تعلیمی ادارے اور کردار سازی، ڈاکٹر محمد امین، عزیز بک ڈپو، چوک اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص:۹

مبحث سوم

تعلیمی ادارے کے فرائض

تعلیمی ادارے انسان کو اہل علم بنا کر اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ اپنے اس فریضہ کو بخوبی ادا کر سکیں اور مخالف قوتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ تعلیمی ادارے نہ صرف انسان کے اخلاق و کردار کی تعمیر کرتے ہیں بلکہ انسان کی روحانی، اخلاقی، دماغی، اور جسمانی تربیت کا باعث بھی بنتے ہیں۔

ا۔ اخلاقی اقدار کو فروغ

تعلیمی اداروں کے طلباء میں منفی سرگرمیوں اور عادات واطوار کو ختم کرنے کے لئے مثبت اقدام کی ضرورت ہے۔ مذہبی اخلاقی اقدار سے تعلیمی اداروں میں ایسے اصول وضوابط بنائے جائیں جو میل جول، انتخاب اور فیصلہ کرنے کی آزادی کا باعث بنیں۔ تعلیمی اداروں کی جانب سے طلباء کے لباس، میل جول اور طرز عمل کو سماجی، مذہبی اوراخلاقی روایات کا پابند کرنے سے منفی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی ہوگی جن کی اسلام مخالفت کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اور انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالی حکم دے رہے ہیں کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے جیسی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہیں جبکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالی بندوں کو معاف کرے گا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ))[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

مومن کی یہ خصوصیت ہے کی وہ نرم خو ہوتا ہے، اللہ تعالی بندے کے ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ تعلیمی اداروں کو اخلاقیات کے اسلامی اصول وضوابط کو لاگو کرنا چاہیے تاکہ نظم وضبط کے قیام اور خوشگوار تدریسی ماحول کے لئے قواعد وضوابط کی تشکیل ہو۔ انتظامی فرائض، اخلاقی اقدار، مذہبی اور معاشرتی روایات، قواعد وضوابط کا مقصد مثبت رویوں کو فروغ دینا اور معاشرے کے تمام افراد کو یکساں آزادی فراہم کرنا ہے۔

---

(۱) سورۃ النور: ۲۴/ ۲۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کلہ، حدیث: ۳۶۲،۳/ ۳۸۰

ب۔ امتیازات کا تدارک

ہمارے ملک میں تعلیم مختلف طبقات کے لحاظ سے دی جارہی ہے۔ تعلیمی طبقات اپنے الگ الگ نصاب پڑھارہے ہیں اور ان کا ادراج بھی الگ الگ بیرون ملک اور اندرون ملک مختلف یونیورسٹیوں سے ہے، ملکی نظام تعلیم کے لئے یہ خطرے کی بات ہے کہ ہم نے اپنے ہی ملک کے اندر تعلیم کے کئی نظام نافذ کئے ہوئے ہیں۔ نظام تعلیم سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس میں یکساں ہونا چاہیے اس کی وجہ سے پورے ملک میں معیاری نظام تعلیم رائج ہو گا اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ تعلیمی اداروں میں مستقبل کی نئی نسل کی تعمیر ہوتی ہے اس لئے اساتذہ اور طالبعلموں کا فرض ہے کہ اپنے دین سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے خواہ تعلیم کے میدان میں ہوں یا سرکاری ملازمت میں وہ ہمیشہ غیر جانبداری دکھانے اور ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الحَدَّ عَلَى الوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ الشَّرِيفَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))[1]

ترجمہ: تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لئے تو تباہ ہوئی ہیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں دوسروں کو کم تر سمجھنے، امتیازات برتنے اور انصاف نہ کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کا امن وسکون تباہ ہوتا ہے۔ خرم جاہ مراد تعلیمی اداروں میں استاد کے مثبت کردار کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ایک استاد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس بھی تعلیمی ادارے میں ہو خواہ پرائمری اسکول کا ٹیچر ہو یا سیکنڈری سکول کا، ہیڈ ماسٹر ہو یا کالج اور یونیورسٹی میں استاد ہو پوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس کی تمام سرگرمیاں مثبت ہوں اور عملی طور پر اسلام اور ملک کے حق میں ہوں۔"[2]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود، دار طوق النجاۃ، حدیث نمبر: ۶۷۸۷، ۸/ ۱۶۰

(۲) احیائے اسلام اور معلم، ص: ۱۴۵

تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ وہ طلباء کو سادگی کا درس دیں۔ سکول میں یونیفارم کے ایک ہونے کا مقصد یہ ہے کہ تمام طلباء ایک ہی قسم کے سادہ لباس میں آئیں اور امیری غریبی کا فرق ختم ہو۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ خود بھی صاف ستھرا لباس پہنیں اور طلباء کو بھی اس کی نصیحت کریں۔

ت۔ فرائض کی ادائیگی

حقوق و فرائض کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے جیسا کہ عوام کے فرائض دراصل حکومت کے حقوق اور حکومت کے فرائض دراصل عوام کے حقوق ہیں پس دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض پورے کریں۔ قومی تعلیمی کمیشن ۱۹۵۸ء کو ایسی تعلیمی سفارشات مرتب کرنے کے لئے کہا گیا تھا جس سے چار مقاصد حاصل ہوں۔ ان مقاصد میں سب سے پہلا مقصد فرائض کی ادائیگی کے متعلق تھا۔ جسے یوں بیان کیا گیا ہے:

> "افراد میں فرائض کی ادائیگی کا احساس، وطن سے محبت، قومی یک جہتی، محنت کی عادت، خدمت اور خودداری ایسی خوبیاں پیدا کرنا ہے۔ تعلیمی اداروں کا یہ فرض ہے کہ وہ طلباء میں فرض ادا کرنے کا جذبہ پیدا کریں اس کے لئے اساتذہ کو فرض شناسی کا نمونہ ہونا چاہیے۔"[1]

تعلیمی ادارے کا فرض ہے کہ طلباء میں فرائض کی ادائیگی کا احساس پیدا کرے تاکہ طلباء انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنی اخلاقی اور دینی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں۔

ث۔ جذبہ ہمدردی

انسانوں میں ہمدردی کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ دوسروں کے غم میں شریک ہونا ایک اعلیٰ انسانی جذبہ ہے۔ تعلیمی اداروں میں طلباء کے اندر ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے جب کوئی طالب علم بیمار ہو تو طلبا سے کہا جائے کہ وہ اس کی عیادت کریں۔ اس طرح بیمار طالبعلم کی نفسیاتی طور پر حوصلہ افزائی ہوگی جس سے اس کے جلد تندرست ہونے میں مدد ہوگی، اس طرح اگر کسی طالب علم کا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو تعزیت کے لئے اس کے گھر جانا چاہیے اور کلاس میں متوفی کے لئے دعا مغفرت کرنی چاہیے۔ اس طرح ہمدردی کو فروغ ملے گا۔ رضائے الٰہی کی خاطر اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی اور خیر خواہی تمام اعمال کا محرک جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱)Pakistan government of planning commission,The second five year plan Islamabad:The commission,June,۱۹۵۰,۵۱۷p,۱۹٦۵

((الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ))[1]

ترجمہ: تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، اللہ کی تمام مخلوق کو کنبے سے تشبیہ دی ہے۔

ج۔ اچھے کاموں میں تعاون اور برے کاموں سے روکنا

اسلامی اقدار کی امتیازی حیثیت میں اچھے کاموں میں تعاون اور برے کاموں سے روکنے کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری شامل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[2]

ترجمہ: نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

تعلیمی اداروں میں طلباء کے اندر اچھے کاموں میں تعاون اور برے کاموں میں عدم تعاون کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ اگر کوئی طالب علم دوسرے طالب علم کو تنگ کرتا ہے تو طلباء میں اتنی اخلاقی جراءت ہونی چاہیے کہ وہ اسے زیادتی سے باز رکھیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))[3]

ترجمہ: قسم اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تمہیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنا ہوگی اور برائی سے ضرور روکنا ہوگا ورنہ عین ممکن ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے اور پھر تم اسے پکاروگے اور جواب نہ آئے گا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو خبردار کر رہے ہیں کہ نیکی کے کاموں میں پہل کرو اور برائی سے منع ہو جاؤ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ کا عذاب تمھیں پکڑ لے گا۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، خطیب تبریزی، کتاب الاداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، منشورات مکتب الاسلامی، ۱۹۶۱ء، ۲/۶۱۳

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/۲

(۳) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی امر بالمعروف، حدیث نمبر: ۱۳۹۸، ۱/۷۷۶

ح۔ فلاح وبہبود کے کام کرنا

فلاح وبہبود کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، بغیر کسی لالچ کے دوسروں کی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنے والے کو اسلام قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ خود بھی رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور شاگردوں کو بھی اس کی نصیحت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾[۱]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے فردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہو گا۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے ان مسلمانوں کے لئے جو اچھے کام کرتے ہیں انعام کا اعلان کیا ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

خ۔ نفس کا محاسبہ

تعلیمی ادارے کے فرائض میں یہ بات بھی آتی ہے کہ وہ نفس کی پاکیزگی اور اس کا محاسبہ کرنے کے مواقع فراہم کرے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اہم مقصد یہ بھی تھا کہ رسول ﷺ ان لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں ان کے نفس کو مختلف قسم کی خواہشات اور بری قسم کی بیماریوں سے پاک کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[۲]

ترجمہ: پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لئے بہتر ہے جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے اور بغیر کسی سوال کے اللہ کی بات ماننے کو کہا گیا ہے۔ بہتر عمل خیرات کرنے کو قرار دیا گیا ہے۔ ایسے شخص کو کامیاب قرار دیا گیا ہے جو لالچ سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے۔

---

(۱) سورۃ الکہف: ۱۸/ ۱۰۸،۱۰۷

(۲) سورۃ التغابن: ۶۴/ ۱۶

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾(۱)

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے جانتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مال کو پاک کرنے کے لئے صدقہ دیناضروری ہے اور اللہ تعالی ایسے لوگوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے کیونکہ وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ڈاکٹر انعام الحق تعلیمی اداروں کی کارکردگی کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"تعلیمی اداروں میں اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے تو اس کا بر وقت نوٹس لیا جائے اور بغیر کسی خوف وخطر کے فیصلہ کیا جائے اور ان اسباب کو دور کیا جائے جو تنازعہ کا باعث ہوتے ہیں۔"(۲)

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے قوموں کے اتار چڑھاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ تعلیم کے لئے تعلیمی ادارے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں تعلیم کا عمل اس وقت ہی جاری رکھا جاسکتا ہے جب ملک میں امن، رواداری اور سکون واطمینان ہو۔ تعلیمی اداروں میں اساتذہ کو چاہیے کہ وہ طلباء کی تربیت اس انداز سے کریں کہ وہ ذمہ دار شہری بنیں اور پر امن پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ طلباء کے سامنے بطور نمونہ اپنی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کریں۔

---

(۱) سورۃ التوبۃ:۹/۱۰۳

(۲) بلوچستان کے تعلیمی ادارے اور نظم وضبط کے چند پہلو، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی، ۱۹۸۴ء، ص:۱۰

فصل چہارم: اسلام اور امن پاکستان بحیثیت موضوع تحقیق

مبحث اول: امن کے لئے اصلاح کی ضرورت

مبحث دوم: اسلام امن اور علم کا تعلق

مبحث سوم: پاکستان میں امن کا قیام اور تحقیقی موضوعات

مبحث اول

امن کے لئے اصلاح کی ضرورت

دین اسلام فطری دین ہے اس کی بنیاد سکون، محبت وآشتی، امن وامان پر ہے۔ اسلام امن وامان قائم کرنے کے لئے یہ تعلیم دیتاہے کہ اگر معاشرے کا امن وسکون تباہ کرنے کے لئے شر پسند عناصر معاشرتی برائیوں کے ذریعے بدامنی پھیلارہے ہوں جن کی وجہ سے لوگوں کی عزت وجان ومال محفوظ نہ ہو ایسے سماج دشمن اور غلط عناصر کی سزا قتل، سزائے قید، یا جلاوطنی ہے تاکہ معاشرے کے دوسرے عناصر اس قسم کی حرکتوں کے کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَاوَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی انکی دنیاوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔

اسی طرح اگر تاریخ پر نگاہ دوڑائی جائے تو حضرت علیؓ نے خوارج کو پر امن رہنے کا کئی دفعہ یہ پیغام بھجوایا:

"فارسل الي هم كونوا حيث شئتم وبيننا وبينكم ان لا تسفكوادما ولا تقطعواسبيلا ولا تظلموا احدا فان فعلتم نبذت اليكم الحرب"[2]

ترجمہ: تم کو آزادی حاصل ہے جہاں چاہو رہو البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرارداد ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہیں بہاؤ گے۔ بدامنی پیدا نہیں کروگے اور کسی پر ظلم نہیں ڈھاؤ گے اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی سرزد ہوئی تو پھر میں تمہارے کے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا۔

لہٰذا اسلامی ریاست میں رہنے والے کسی بھی فرد کے لئے جائز نہیں کی وہ قانون کو ہاتھ میں لیں اور معاشرے کا امن وسکون برباد کریں، اللہ تعالیٰ بھی اس چیز کو ناپسند فرماتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بھاری عذاب کا

---

(۱) سورۃ المائدہ:۵/ ۳۳

(۲) نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخبار، محمد بن علی شوکانی، مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ، ۷/ ۱۱۹

اعلان کیا ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں روایات اور ضوابط کو نافذ کرنا چاہتا ہے اوراس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اگر دنیا میں امن وسکون چاہتے ہو تو اللہ پر ایمان لے آؤ اور اپنی اصلاح کر لو، اور اچھے کام کرو جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: یعنی جو شخص ایمان لے آیا اور اپنی اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں پہ نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔

ایمان اور امن دونوں چونکہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزم ہیں اس لئے پاکستان کی عوام میں ایمان کے بغیر امن کا قیام ناممکن ہے اور اس کے لئے طویل جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ حدیث میں ہے:

((أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللهِ،قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ))[2]

ترجمہ: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، پھر پوچھا گیا؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، پھر پوچھا گیا؟ فرمایا: حج مبرور۔

لہٰذا سب سے افضل عمل اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اسلام کی تعلیمات امن، ترقی، سلامتی اور استحکام پاکستان کے لئے ضروری ہیں۔ اسلام امن کا سرچشمہ اور انسانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دینے والا مذہب ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّه لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[3]

ترجمہ: اے مومنو! امن وسلامتی میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابع داری نہ کرو۔

اس آیت کی تشریح تفسیر قرطبی میں ایسے بیان کی گئی ہے:

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶/ ۴۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان، حدیث نمبر: ۲۴۸، ۱/ ۱۸۱

(۳) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۰۸

"لَمَّا بَيَّنَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ النَّاسَ إِلَى مُؤْمِنٍ وَكَافِرٍ وَمُنَافِقٍ فَقَالَ: كُونُوا عَلَى مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ، وَاجْتَمِعُوا عَلَى الْإِسْلَامِ وَاثْبُتُوا عَلَيْهِ. فالسلم هنا بمعنى الإسلام"(۱)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے مومن، کافر اور منافق ہونے کے بارے میں بیان کر چکا تو فرمایا: تم ایک دین پر ہو جاؤ اور اسلام پر جمع ہو جاؤ اور اسی پر ثابت قدم ہو جاؤ۔ پس اس آیت میں "السلم"، بمعنی اسلام ہے۔

اسی طرح مختلف ادیان و مذاہب میں انسانی جان کا احترام، عزت، امن و اطمینان کے ساتھ زندگی گزارنے کی آزادی دی گئی ہے اور اس سلسلے میں اسلام کا درجہ سب سے افضل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُواالنَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِه لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور جس کا خون اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ سمجھو۔

اس طرح اس کی مزید وضاحت کے لئے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا))(۳)

ترجمہ: بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ آج کا دن، حتیٰ کہ تم اللہ کے ساتھ جا ملو۔

قرآن کی واضح تعلیمات کی وجہ سے تھوڑے سے عرصے میں عرب جیسی قوم تہذیب و شرافت کا عملی نمونہ بن گئی اور احترام انسانیت اور امن کی علم بردار ہو کر کائنات کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ معاشرے میں افراتفری اسلام میں ناقابل برداشت ہے۔ اسلام ہر قسم کی کشمکش ختم کر کے پر امن ماحول میں افراد کے درمیان باہمی محبت واخوت اور فلاحی کاموں میں تعاون چاہتا ہے۔ اسی طرح تحقیقاتی اداروں اور جامعات میں ہونے والی تحقیق اسی صورت میں فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے جب اس کے نتائج عام عوام تک پہنچیں گے۔ تمام مکاتب فکر، اور شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اسلامی اصول و ضوابط کو نافذ کرنا چاہیے اور ملک میں امن برقرار رکھنے کے لئے اپنا مخلصانہ کردار ادا کرنا چاہیے۔

---

(۱) تفسیر القرطبی، ۳/ ۲۲

(۲) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۵۱

(۳) السیرۃ النبویۃ ابن ھشام، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء، ۴/ ۲۵۰

مبحث دوم

اسلام امن اور علم کا تعلق

دین اسلام امن کا درس دیتا ہے۔اسلام کی ساری تعلیمات امن کی متقاضی ہیں۔اسلم امن اور علم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔امن کے قیام کے لئے اسلام علم کے مثبت انداز میں پھیلاؤ پر زور دیتا ہے ایسا علم جو افراد معاشرہ کے لئے فائدہ مند ہو۔امن کے قیام کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا-علوم میں دین اسلام کی جھلک

اسلام ہی ہمارا اعلی نصب العین ہے۔قرآنی نقطۂ نظر سے علم کے ہر شعبے کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیوی علوم، علم وحی کے بغیر انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّه اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُه كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ:اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی وہ ہانپے یا اسکو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔

اس آیت کی تشریح وتفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے ایسے بیان کی ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے جو اس کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں کتے سے تشبیہ دی ہے۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مراد اس سے اہل مکہ ہیں جو ہمیشہ سے یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی ہادی اور رہبر آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلائے اور اطاعت کے صحیح طریقے سکھائے، پھر جب وہ رہبر آگئے اور ایسی کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے کہ ان کے

(۱)سورۃ الاعراف:۷/۱۷۶

صدق وحقانیت میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی تو ان کی تکذیب کرنے اور آیات الٰہیہ سے روگردانی کرنے لگے۔(۱)

شیطانی قوتوں کے ہاتھوں میں علم وہنر آجائے تو وہ قوموں کی تباہ بربادی کا باعث بنتا ہے۔اسلام کی نظر میں وہی علم صحیح ہے جو انسان اور انسانیت کے لئے فائدہ مند ہو۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِه يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: پھر جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے پاس تھا اور انہیں اس (عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

لہٰذا علم پر فخر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ علم حاصل کرنے کی سعادت اللہ تعالی اپنے خاص بندوں پر کرتا ہے، لہٰذا قیامت کے آتے ہی علم اٹھالیا جائے گا اور ہر طرف جہالت ہوگی اس کی وضاحت اس حدیث میں ملتی ہے:

((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ وَيَثْبُتَ الجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا))(۳)

ترجمہ: یہ قیامت کی نشانیاں ہیں کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت کا دور دورہ ہو گا۔شراب عام پی جائے گی اور زنا بھی عام ہو جائے گا۔

عصر حاضر میں پاکستان کے عوام کو اس فائدہ مند علم اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے جس سے مشکلات میں پھنسی ہوئی قوم اخلاقی بنیادوں پر مشتمل معاشرہ استوار کرے جس میں عدل ومساوات، اخوت وایثار اور حریت، جیسی صفات پر مشتمل اسلامی معاشرے کی تشکیل ہو۔آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دینوی علوم وفنون خصوصا سائنس وٹیکنالوجی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر حقیقی ترقی کے خواب کو عملی تعبیر دی جائے۔موجودہ دور میں ایسی تحقیق کی ضرورت ہے جس سے انسانیت کے وجود کو تحفظ ملے۔چنانچہ علم وتحقیق میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد صرف تلاوت آیات یا تعلیم کتاب وحکمت نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عملی بنیادوں کا وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق درپیش مسائل کے حل کا تزکیہ وتربیت بھی تھا۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) تفسیر معارف القرآن: ۴/ ۱۲۲

(۲) سورۃ المومن: ۴۰/ ۳۸

(۳) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظہور الجہل، حدیث نمبر: ۸۰، ۱/ ۲۷

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾[1]

ترجمہ: وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو صرف آیات سنا دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے افراد کی تربیت عملی طور پر کر کے دکھائی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے دور میں صحابہ کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جس نے مختلف علوم و فنون میں کمال مہارت حاصل کی تا کہ یہ قابل صحابہ کرامؓ قرآن کی تشریح و توضیح کریں۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

"کنا نعلم اولادنا مغازی رسول ﷺ کما نعلم السورۃ من القرآن الکریم"[2]

ترجمہ: کہ ہم اپنی اولاد کو آنحضرت ﷺ کے غزوات کے واقعات کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام تعلیم تخصص کے مطابق دیتے تھے۔ اسلام اور امن پاکستان کو بحیثیت موضوع تحقیق بنا کر علوم کی اسلامائزیشن اگر صرف علمی سطح پر ہو تو کتابیں تو وجود میں آئیں گی لیکن اسلام کا مطابق با عمل انسانی معاشرہ نہیں اس کے لئے عملی جدوجہد کی ضرورت ہے جس کے لئے معاشرے کے ہر فرد میں محنت کرنے کا جذبہ اور آگے بڑھنے کی لگن کے ساتھ با عمل مسلمان اور معاشرے کا ذمہ دار شہری بننے کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔

۲۔علم وحکمت، ہدایت اور امن

علم و ہدایت اللہ تعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کو اللہ تعالی اس نعمت سے نوازے اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے لئے صدقہ جاریہ بنے، لوگوں کو بھی علم و حکمت کی تعلیم دے۔ قرآن مجید نے علم کے تعلق سے تفقہ کی وضاحت ایسے کی ہے:

﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[3]

---

(۱) سورۃ الجمعۃ: ۶۲/ ۲

(۲) التربیت الاسلامیہ و مراحل النمو، عباس مجوب، باب مرحلہ البلوغ، الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۲ھ، ۱/ ۱۲۲

(۳) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۱۲۲

ترجمہ: تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین کی اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈر سنائیں جب ان کی طرف لوٹیں، عجب نہیں کہ وہ بچتے رہیں۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے ایسے بیان کی ہے:

"علم دین حاصل کریں، مگر قرآن نے اس جگہ تعلم کا لفظ چھوڑ کر تفقہ کا لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں، وہ تو بہت سے کافر یہودی نصرانی بھی پڑھتے ہیں، اور شیطان کو سب سے زیادہ حاصل ہے، بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے، یہی لفظ تفقہ کا ترجمہ ہے، اور یہ فقہ سے مشتق ہے، فقہ کے معنی سمجھ بوجھ ہی کے ہیں"[1]

قرآن مجید میں علم وہدایت کے لئے حکمت اور ھُدی کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ علوم کی گہرائی، بصیرت اور تحقیقی نقطۂ نظر سے تفقہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت کی حیثیت سے لفظ حکمت قرآن میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ حکمت کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک حکمت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور جس کو حکمت سے نوازا گیا اس کو "خَيْرًا كَثِيْرًا" سے نوازا گیا۔

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾[2]

ترجمہ: اور جس شخص کو حکمت اور سمجھ دی گئی اسے بہت ساری بھلائی دی گئی۔

اس آیت میں "خَيْرًا كَثِيْرًا" صفت حکمت کے لئے استعمال ہوئی ہے اس آیت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کوئی بھی تحقیق کرنے والا فرد اس وقت تک سچائی تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اسے اللہ تعالی کی مدد حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں انسان کے قلب میں تب ہی نمودار ہوتی ہیں جب کہ وہ پختہ یقین ایمان اور بصیرت حاصل کرکے اور عملی تدابیر، تجربات کے بعد غور و تدبر کے ذریعے کائنات میں اپنے فائدے و مقاصد کو جاننے کی کوشش کرے۔ قرآنی نقطہ نظر کے مطابق چونکہ ہدایت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم﴾[3]

ترجمہ: وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔

---

(۱) تفسیر معارف القرآن: ۴/ ۴۹۰

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۶۹

(۳) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۴۲

ہدایت اللہ تعالیٰ کی اس رہنمائی کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنی حقیقت، کائنات کی حقیقت، کائنات وانسان کی تخلیق کا مقصد اور کائنات میں انسان کی حیثیت اور اپنے انجام کا علم یقینی طور پر حاصل کرلیتا ہے اور اس کی روشنی میں زندگی کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ امام غزالی کے نزدیک افضل عمل علم حاصل کرنا ہے:

"نبوت کے بعد سب سے افضل عمل علم حاصل کرنا ہے۔ لوگوں کے دلوں کو ہلاک کر دینے والی بری عادتوں سے پاک کرنا، اچھی اور باعث سعادت خصلتوں کی طرف ان کی رہنمائی کرنا ہے ۔علم سکھانا تمام صنعتوں اور پیشوں سے افضل ہے۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں علم سیکھنے اور سکھانے کی کتنی فضیلت ہے۔ ملک میں قومی یکجہتی صرف تعلیم و تحقیق کے ذریعے ہی پیدا کی جاسکتی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں موجود مسائل کی وجوہات واسباب پر تحقیق کی جائے تاکہ ان کا تدارک کیا جاسکے۔

۳-معاشرتی برائیوں کا تدارک

پاکستان میں امن واتحاد قائم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے حقوق ادا کرے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر شخص کی جان، مال، عزت وآبرو محفوظ رہے گی اور وہ زیادتیوں سے محفوظ رہے گا۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے انسانی جان کی عزت وحرمت کا واضح تصور دیا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُه))(۲)

ترجمہ: مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون (جان) اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔

آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی جان مال عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنِ امْرِئٍ يَخْذُلُ امْرَأً مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ تُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ، وَيُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ، إِلَّا خَذَلَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ، وَمَا مِنِ امْرِئٍ يَنْصُرُ امْرَأً مُسْلِمًا فِي مَوْطِنٍ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عِرْضِهِ،

---

(۱) احیاعلوم الدین، ۱/ ۶۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب البر، باب تحریم الظلم، حدیث: ۶۵۱۴، ۶/ ۱۹۸

وَيُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نُصْرَتَهُ))[1]

ترجمہ: جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے یارو مددگار چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو اور اس کی بے عزتی کی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم کر دے گا جہاں اسے اللہ کی مدد کی ضرورت ہو گی اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہش مند اور طلب گار ہو گا۔

ابو عمار نے اس حدیث کی شرح ایسے کی ہے:

"مسلمان صاحب ایمان کی عزت کا دفاع کرنا، اس کے سامنے ہو یا اس کی غیر موجودگی میں بہت بڑی فضیلت کا کام ہے اس سے ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور شریر طبعیت افراد کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہے اللہ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے۔"[2]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک انسان کی عزت کی کتنی قدر ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے درجے بلند کرتا ہے جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، ترجمہ: ابو عمار عمر فاروق سعیدی، مکتبہ دارالسلام، الریاض، ۱۴۲۷ء، کتاب الادب، باب الرجل یذھب عن عرض اخیہ، حدیث: ۴۸۸۴، ۴/ ۶۸۶

(۲) ایضا

مبحث سوم

پاکستان میں امن کا قیام اور تحقیقی موضوعات

زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کا دارومدار امن پر ہے۔امن کے بغیر ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ تحقیقی اور علمی سطح پر ایسے موضوعات کو زیر بحث لانا چاہیے تاکہ امن کو قائم کرنے کے لئے تجاویز و تدابیر سامنے آئیں۔ بدامنی اور فساد سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

پاکستان میں علمی سطح پر ایسے موضوعات پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے جو معاشرے کے مسائل کی عکاسی کریں ۔معاشرے میں پائی جانے والی معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کر کے ان کے سدباب کی کوشش کرنی چاہیے۔ تحقیقی موضوعات درج ذیل ہیں:

ا۔فتنے وفساد کی مذمت

قرآن مجید میں فتنے وفساد کی شدید مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کا کہا گیا ہے۔ فتنہ، لڑائی جھگڑے کا سبب بنتا ہے جس سے انسانوں کے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی مخالفت کے سبب قتال اور خون ریزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[۱]

ترجمہ: شرارت قتل سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

تفسیر قرطبی میں اس آیت کی وضاحت ایسے کی گئی ہے:

"أَيِ الْفِتْنَةُ الَّتِي حَمَلُوكُمْ عَلَيْهَا وَرَامُوا رُجُوعُكُمْ بِهَا إِلَى الْكُفْرِ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. فَالْقَتْلُ أَخَفُّ عَلَيْهِ مِنَ الْفِتْنَةِ"[۲]

ترجمہ: وہ فتنہ جس پر انہوں نے تمہیں ابھارا اور انہوں نے اس کے ذریعے تمہارے کفر کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا ہو قتل سے زیادہ شدد ہے۔ پس قتل کرنا اس پر فتنہ سے زیادہ خفیف ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فتنا وفساد جو کہ کفر کی طرف لے جاتا ہے یہ قتل سے بڑا جرم ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[۳]

---

(۱)سورۃ البقرہ:۲/ ۱۹۱

(۲)تفسیر القرطبی:۲/ ۳۵۱

(۳)سورۃ البقرہ:۲/ ۲۱۷

ترجمہ: شرارت قتل سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے۔

شرارت، دوسروں کو تنگ کرنا اور اذیت پہنچانا معاشرتی برائیاں ہیں اسلام میں ان کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں فتنے وفساد سے منع کیا گیا ہے اور لوگوں کو سبق کھانے کے لئے حدود وتعزیرات کی بنا پر سزائیں دینے کا بھی کہا گیا ہے تاکہ جن لوگوں پر محض کہنے کا اثر نہ ہو انہیں سبق سیکھا کر معاشرے سے معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کیا جائے۔

۲۔ منافقین کی سازشوں پر نظر

قرآن مجید میں فتنے اور فساد کو منافقین کا طرز عمل قرار دیا ہے منافقین اسلام دشمنی کی وجہ سے نئے نئے منصوبے بنا کر فتنے کھڑے کرتے رہتے ہیں کبھی جھگڑے کی صورت میں اور کبھی مسلمانوں کے راز فاش کر کے۔ اس کے برعکس قرآن کی تعلیمات مسلمانوں کی اتفاق سے رہنے کی تلقین کرتی ہیں:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِه اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾[1]

ترجمہ: تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقہ نہ کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرلو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی پھر تم اللہ کی نعمت کے نتیجے میں بھائی بھائی بن گئے اور تم تباہی کے گڑھے کے کنارے پر تھے اور اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

تفسیر ابن کثیر میں منافقین کے طرز عمل کی وضاحت ایسے کی گئی ہے:

"منافقین چونکہ مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے شروع دن سے ہی ان کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے۔ ایک موقع پر منافقین نے مسلمانوں میں باہمی محبت کو دیکھ کر ان میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں میں اپنے بندے چھوڑدیے جو ان میں باہم لڑائی جھگڑے اور اشتعال پیدا کرتے ایک روز وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ جنگ بعاث کے واقعات کو اچھال کر اوس اور خزرج کو باہم لڑادیا۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں فیصلہ ہوا کہ حرہ کے میدان میں نکل کر اپنے جوہر دکھائیں۔

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۰۴

آنحضرت ﷺ کو پتہ چلا تو فوراً لڑائی کی جگہ تشریف لا کر صحابہ کو قرآن مجید کی یہ آیات سنائیں۔"[1]

نبی ﷺ چونکہ اس بات سے آگاہ تھے کہ تعصب نے دوبارہ خاندانی رشتوں میں جگہ پالی تو لوگ پھر سے منتشر نہ ہو جائیں۔ اور دور جاہلیت کی طرح ایک دوسرے کے خلاف ہو کر دشمنی پر اتر آئیں گے جیسا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ خاندانی تعصبات میں پڑ کر منتشر ہو گئے۔ منافقین ان حسدانہ حرکتوں کے باوجود اپنے آپ کو اصلاح کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَ رْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

لوگوں میں فساد پیدا کرنا غلط فعل ہے لیکن اخوت کی لڑی میں پروئے ہوئے لوگوں میں فساد ڈالنا نا قابل معافی جرم ہے۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی شخص، کوئی ادارہ، گروہ جماعت، اخوت و محبت میں رہنے والے لوگوں میں انتشار و اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ منافقانہ حرکت ہو گی منافقین کے انجام کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾[3]

ترجمہ: بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رہیں گے۔

مسلمانوں کو منافقانہ طرز عمل سے بچانے کے لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر کئی جگہ کیا ہے چونکہ منافقین کو مسلمانوں کا اتحاد اور اسلام کی ترقی قابل قبول نہیں اور وہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ سورۃ البقرہ میں بھی منافقین کے اس شر پسند رویے کا ذکر کر کے اس کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُه فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِه وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[4]

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱/۳۸۹

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/۱۱

(۳) سورۃ النساء: ۴/۱۴۵

(۴) سورۃ البقرہ: ۲/۲۰۴

ترجمہ: لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کی (چرب زبانی سے کی ہوئی) دنیوی بات آپ کو بھلی لگتی ہے او وہ دل کی سچائی پر اللہ کو گواہ بناتاہے حالانکہ وہ بڑا جھگڑالوہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے (یا اسے اختیار ملتا ہے) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے کھتیاں اور جانیں برباد کرتا ہے اللہ فساد کرنے ولوں کو پسند نہیں فرماتا۔

مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ اس آیت میں منافقین کے طرز عمل کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاشرے میں مختلف صورتوں میں فساد برپا کرتے ہیں کبھی جان ومال اور فصلوں کی تباہی، اور کبھی ماحول کو کشیدہ بنا کر بد امنی کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ منافقین کے اس طرز عمل کی مثال آج کے دور میں دشمن کا ساتھ دے کرمالی لالچ کی خاطر ملک میں بم دھماکے کروانا، دہشت گردی سے لوگوں کی جانیں لیناہے، مسلم معاشرے کے پرامن شہریوں میں عدم تحفظ کے احساس کے ذریعے خوف وحراس پیدا کرنا، ملکی تنصیبات کرتباہ کرناوغیرہ ہیں۔

۳۔ تفرقہ سے اجتناب

قرآن مجید میں یہ بات واضح انداز میں کی گئی ہے کہ دین وحدت امت کی بنیاد ہے اگر دین کو اس کے اصل مفاہیم کے ساتھ سمجھا جائے تو پھر امت کی وحدت قائم رہتی ہے اور اگر دین میں اختلافات پیدا کر دیئے جائیں تو امت بھی اختلاف کا شکار ہو جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾[1]

ترجمہ: دین پر قائم رہنااور اس میں اختلافات و تفرقہ پیدانہ کرنا۔

اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: انہوں نے علم کے آجانے کے بعد محض ازرہ سرکشی اور دغابازی اور آپس میں تفرقہ پیدا کیا۔

حافظ محمد ارشد تفرقے کی بجائے اتحاد واتفاق کی اہمیت کو ایسے واضح کرتے ہیں:

"اسلام لا تفرقوا ہے اور اتحاد واتفاق کا دین ہے۔ نظم وضبط اور بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں نفاق وافتراق، انتشار وخلفشار، فرقہ بندی اور دھڑے بازی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے اور

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۱۳

(۲) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۱۴

ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جو ہر قسم کے ظلم وجور، استحصال اور ناانصافی سے پاک ہو۔"[1]

جن لوگوں نے دین میں تفرقہ، فساد اور اختلافات پیدا کئے، انہوں نے ایسی سرکشی وبغاوت کی ورنہ دین تو بالکل واضح اور غیر مبہم تھا۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پس ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

سورۃ آل عمران میں گروہوں میں بٹ جانے سے منع فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾[3]

ترجمہ: تم ان لوگوں کی مانند بن جاؤ جنہوں نے تفرقہ بازی اختیار کر لی اور اختلافات کا شکار ہوگئے۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس ہمارے واضح دلائل اور روشن نشانیاں آگئیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

چنانچہ اللہ کے واضح احکام آنے کے بعد جو شخص، گروہ، فرقہ یا جماعت دین میں اختلاف پیدا کرتے ہیں اللہ نے بہت بڑا عذاب ان کے لئے تیار کر رکھا ہے چنانچہ اس عذاب کا یہ مطلب نہیں کہ مرنے کے بعد عذاب دیا جائے گا بلکہ اس دنیا میں بھی انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ معاشرتی عدم استحکام، سیاسی بدنظمی، معاشی بدحالی، دشمن کی نگاہ میں نیچا ہونا یہ سب عذاب ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ دور جدید کے تحریک اسلامی کے بانی حسن البناء شہید اپنے پیروکاروں کو اکثر اختلاف وافتراق سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے وہ ان سے فرماتے:

"مجھے تمھارے متعلق تمھارے دشمنوں کی طرف سے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے، بلکہ مجھے تو خود تمھاری طرف سے ڈر ہے۔ میں تمہارے خلاف نہ برطانیہ سے ڈرتا ہوں نہ امریکہ اور روس اور دوسری طاقتوں سے خوف زدہ ہوں مجھے تمھارے خلاف دو باتوں کا ڈر ہے:

ا۔ یہ کہ تم اللہ تعالی سے اپنا رشتہ توڑ لو اور وہ تم سے اپنا منہ پھیر لے۔

---

(۱) لاتفرقوا، محمد ارشد آزاد، شعبہ نشر واشاعت تحریک اتحاد عالم اسلامی، ۱۹۸۰ء، ص:۱۱-۱۲

(۲) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۰

(۳) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۰۵

۲۔ یہ کہ آپس میں تفرقہ کا شکار ہو جاؤ اور موقع ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے متحد نہ ہو سکو۔"[۱]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا کتنا ضروری ہے۔ اتحاد و اتفاق سے ہی مسلمان تفرقے سے بچ سکتے ہیں۔

۴۔ اتحاد امت، پرامن پاکستان کی ضمانت

نبی کریم ﷺ نے لڑائی سے بچنے کا حکم دیا جو شخص لڑائی سے بچتا ہے آنحضرت ﷺ نے اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ لوگ اتفاق واتحاد کی بجائے تفرقے میں پڑ جائیں اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فتنہ وفساد ہی برپا ہو گا آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ شَذَّ شَذَّ الی النَّار))[۲]

جو شخص جماعت سے الگ ہوا اللہ تعالیٰ اسے آگ کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اتفاق سے رہنے سے انسان مضبوط ہوتا ہے جبکہ افتراق سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے جس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًاانما الامات مَيْتَةً جَاهِلِيَّة))[۳]

ترجمہ: جو جماعت سے بالشت بھر دور ہوا وہ صرف جاہلیت کی موت مرا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے نا اتفاقی سے انسان جاہلیت کی موت مرتا ہے یہ اللہ کے عذاب ہی کی ایک صورت ہے اس طرح ایک جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ))[۴]

ترجمہ: کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تم اپنے معاملے میں ایک شخص پر متفق ہو۔ تم میں پھوٹ ڈالنا چاہیے تمہاری اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے چاہے تو اسے قتل کر دو۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے نزدیک امت کی وحدت کی بنا پر جو فوائد ہوتے ہیں وہ مستقل ہوتے ہیں:

---

(۱) اسلامی نظام ایک فریضہ۔ ایک ضرورت، ص:۲۸۷

(۲) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعت، حدیث:۲۱۶۶، ۱/۴۷۴

(۳) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب مافی جاء قول اللہ، حدیث:۱۹۳۶، ۳/۶۶۷

(۴) صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب حکم من فرق، حدیث:۴۷۹۸، ۵/۴۲

"روحانی، جذباتی اور فکری وحدت میں اخوت و استحکام کا بہت عمل دخل ہے۔اس وقت اس کے مثبت نتائج میں اور بھی اضافہ ہو گا جب عقیدہ توحید کی واحد قوت افتراق اور تنازعات کا سدباب کرتی ہے۔"(۱)

((أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))(۲)

ترجمہ: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنا، اپنے امیر کا حکم سننا اور اس کی تابعداری کرتے رہنا چاہیے وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا ایسے حالات میں میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کو پکڑے رکھنا، نئی نئی باتوں سے بچے رہنا کیونکہ دین میں نئی بات گمراہی ہے۔

اس حدیث کی شرح ابو عمار نے ایسے بیان کی ہے:

"اختلاف امت کو مٹانے اور نجات وفلاح کی کلید صرف وصرف رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ مسلمانوں کے امام جس کو شوری سے قائد چن لیا گیا ہو اس کی اطاعت واجب ہے بغیر اس کے کہ اس کا نام ونسب یا رنگ وروپ دیکھا جائے بشرطیکہ وہ قیادت میں شریعت کا پیرو ہو۔ دین میں بدعات سراسر گمراہی اور امت میں افتراق وفتنہ کا باعث ہیں۔ جب کہ سنت وحدت واتفاق کی باعث اور نجات کی ضامن ہے۔"(۳)

ان احادیث کی روشنی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے تمام عصبیتوں کو ختم کر دیا۔ سیاسی مفادات اور گروہ بندی کی خاطر، نسلی، لسانی اور علاقائی تعصب کو اچھالا جاتا ہے اس کا مقصد دوسرے لوگوں کو بتانا ہے کچھ خاص گروہ ان کا استحصال کر رہے ہیں۔ چنانچہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں پاکستان کے آئین میں یہ بات شامل کرنی چاہیے اور

---

(۱) اسلامی نظام ایک فریضہ۔ ایک ضرورت، ص: ۱۹۱

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، حدیث نمبر: ۴۶۰۷، ۴/ ۵۰۷

(۳) ایضا، ص: ۴/ ۵۰۸

پھر اس کے مطابق قوانین بنانے چاہیں کہ کسی بھی مذہبی، سیاسی جماعت اور گروہ کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ گروہی بنیادوں پر شر انگیز تحریر یا لٹریچر طبع کروا کر اس پر عمل درآمد کروائے اس سلسلے میں حکومت ایک مخصوص شعبہ تشکیل دے جس کی ذمہ داری یہ ہو کہ وہ کسی بھی صورت میں عصیبت اور گروہ بندی کے مواد کو منظر عام پر نہ آنے دے۔ اس سلسلے میں حکومت، ذرائع ابلاغ، علماء اور اساتذہ کرام کے ذریعے رواداری اور دوسروں کے احترم کے لئے خصوصی تحریک چلائے اور لوگوں میں شعور بیدار کیا جائے کہ وہ کسی قسم کا بھی اشتعال پھیلانے والے کو اس کی ہرگز اجازت نہ دیں۔

باب سوم: امن پاکستان اور مذہبی، لسانی، جغرافیائی عصبیت

فصل اول: مذاہب ومسالک اور قرآن کا نکتہ نظر
فصل دوم: مسلکی ومذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کا قیام امن میں کردار
فصل سوم: مسلکی ومذہبی، لسانی، جغرافیائی تعصب کے نقصانات
فصل چہارم: مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور حل

فصل اول: مذاہب و مسالک اور قرآن کا نکتہ نظر

مبحث اول: دین اسلام

مبحث دوم: دین اور مذہب میں فرق

مبحث سوم: اسلام کے اصل تقاضے

مبحث اول

دین اسلام

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے ملک میں باہمی محبت و تعاون، اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے ساتھ ساتھ مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی ہونا ضروری ہے لیکن اس کے برعکس یہاں عبادتگاہوں میں بھی دہشت گردی ہوتی ہے۔ پاکستان میں ملی وحدت کا قائم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ فرقہ پسندی کے اس دور میں پڑھے لکھے لوگوں کو عصر حاضر کے حالات، تقاضوں کے مطابق مسائل کے حل کے لئے عملی کوشش کرنی چاہیے جب کہ مذہبی امور سے منسلک افراد کو جزوی اور محدود فقہی مسائل پر توجہ دینے کی بجائے حقائق کو درست انداز میں عوام کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ مختلف زبانیں، تہذیبیں، تمدن اور طرز معاشرت دنیا میں اس وقت سے ہے جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے ان کی وجہ سے زندگی رنگین ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر اپنا یہ احسان جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ اٰيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعَالِمِيْنَ﴾[۱]

ترجمہ: اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔

چنانچہ کسی نسل، خون، رنگ، زبان یا تہذیب کی بنا پر محبت و نفرت، تعلق اور قطع تعلق، صلح و جنگ، عصبی جاہلیت ہے جس کی مذمت قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾[۲]

ترجمہ: اور جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی[۳] میں حمیت کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے:

---

(۱) سورۃ الروم: ۳۰/۲۲

(۲) سورۃ الفتح: ۴۸/۲۶

(۳) علامہ شمس الدین قرطبی کی ولادت قرطبہ میں ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۴ء کو ہوئی۔ آپ کی تفسیر کو شہرت نصیب ہوئی یہ تفسیر اپنے معنی میں کامل ہے۔ آپ کی وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، (ترجمہ: حافظ اکرام الحق یسین)، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی، یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ۱/۵۹)

"حَمِيَّتُهُمْ أَنَفَتُهُمْ مِنَ الْإِقْرَارِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرِّسَالَةِ"(۱)

ترجمہ: ان کی حمیت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا۔

اسلام نے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی ہے خصوصاً جو غیر مسلم کسی مسلمان ریاست کے باشندے ہوں ان کے حقوق کا مکمل تحفظ جس میں ان کے جان ومال، عزت و آبرو کو اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے انہیں اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنے کے علاوہ روزگار، تعلیم اور حصول انصاف میں ہر قسم کے مواقع حاصل ہونے چاہیے۔ قرآن مجید نے دوسرے مذاہب کے افراد سے نیکی اور انصاف کے برتاؤ کا حکم دیا ہے اور ان کی دوستی کا جواب دوستی سے دیئے جانے کا کہا ہے۔

مسلکی تعصب

مسلکی تعصب سے مراد تنگ نظری ہے جس میں ہم اپنی سوچ کے زاویے خود متعین کر لیتے ہیں اور کسی بھی معاملے اور مسئلے میں غور وفکر نہیں کرتے اس کی ایک اہم وجہ شعور اور تاریخی علوم کا علم نہ ہونا ہے۔ اس سلسلے میں سید تنویر بخاری رقمطراز ہیں:

> "آج ہر شخص کسی نہ کسی مذہبی گروہ یا مسلک کا حصہ ہے۔ مسلمان فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی بات ہمارے مکتب سے متصادم ہو مگر یہ بات واضح اور حق کی بات ہو جو ہمارے مکتب سے متصادم ہو تو اس کے باوجود ہم اسی حق بات سے انکار کرتے ہیں تو اسے مسلکی تعصب کہتے ہیں۔"(۲)

جہاں تک دینِ اسلام کا تعلق ہے تو دین قرآنی لفظ ہے۔ قرآن مجید میں اسلام کے لیے دین کا لفظ آیا ہے۔ دین اور مذہب میں یہ فرق ہے کہ مذہب صرف عبادات تک محدود ہے جبکہ دین ایک پورے نظام کی نمائندگی کرتا ہے ، جس میں چار چیزیں شامل ہیں:

۱۔ حاکمیت واقتدار اعلیٰ

۲۔ تسلیم واطاعت

۳۔ نظام فکر وعمل

---

(۱) تفسیر القرطبی: ۱۶/ ۲۸۸

(۲) اسلام اور جدید افکار، ڈاکٹر سید تنویر بخاری، پروفیسر حمید اللہ جمیل، ایور نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور، ص: ۵۰۳

۴۔ مکافات عمل۔[1]

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے یہ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کے لئے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے اور آپ ﷺ کی تعریف اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس طرح کی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسلام کی ترویج و ترقی اور اسے مسلمانوں کی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو منتخب فرمایا۔ اسلام، یہودیت اور عیسائیت بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کا ہی تسلسل ہے جس کی وجہ سے اسے دین ابراہیمی کہا جاتا ہے لیکن جب سے اسلام کی تعلیمات کی ابتدا ہوئی اس وقت سے سابقہ تمام مذاہب، نیز یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات منسوخ ہو گئیں جیسا کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ))[3]

ترجمہ: ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام سرخ و سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

نووی نے اس حدیث کی شرح ایسے کی ہے:

"آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نئی کتاب اور شریعت لے کر آنے والا نہیں۔ حضرت عیسی بلا شبہ قیامت کے قریب آئیں گے، لیکن وہ ساری دین کی باتوں میں ہمارے پیغمبر ﷺ کے تابع ہوں گے۔"[4]

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے مگر اس کی تبلیغ کسی خاص گروہ یا قبیلہ کے لیے محدود نہیں رہی، بلکہ اس کی تعلیمات انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں جس سے دنیا کا ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ))[5]

ترجمہ: دین آسان چیز ہے جو شخص خود اس میں سختی کرے گا تو وہ اس پر مسلط ہو جائے گا۔

---

(۱) دین فطرت "اسلام ہی کیوں؟ دیگر مذاہب کیوں نہیں؟، نور الحق صدیقی، طاہر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ص:۲۲

(۲) سورۃ الانبیاء: ۲۱/ ۱۰۷

(۳) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب المساجد مواضع، حدیث نمبر: ۱۱۶۳، ۲/ ۱۰۴

(۴) ایضا، ۲/ ۱۰۵

(۵) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب الایمان، باب الدین یسر، حدیث نمبر: ۳۹، ۱/ ۱۶

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے دین کو آسان بنایا ہے تاکہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کر سکے اور جو شخص خود اپنے اوپر پابندیاں لگائے گا اور سختیاں کرے گا اللہ تعالی وہ چیز اس پر مسلط کر دے گا۔ اللہ تعالی کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے باقی تمام مذاہب اسلام کے آنے کے بعد متروک ہو گئے ہیں اب ان پر عمل کرنا جہالت کے مترادف ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کی اطاعت سے انکار کرنے کے زمرے میں آتا ہے ۔ارشاد نبوی ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے، ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی، ان کے اس طرز عمل کی اس کے علاوہ کوئی وجہ نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات کی اطاعت سے انکار کر دے اللہ تعالیٰ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

اس آیت کی وضاحت آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث کرتی ہے:

((أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ))[2]

ترجمہ: اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین آسان دین حنیف ہے۔

اس حدیث سے بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔ دین اسلام کی خوبیاں درج ذیل ہیں جو اسے ممتاز کرتی ہیں:

۱۔ اسلام کا تبلیغی مذہب ہونا۔

۲۔ عالمگیر ہونا۔

۳۔ تمام اقوام کے لئے ہونا۔

۴۔ جغرافیائی حدود کا نہ ہونا۔

۵۔ مرکز ایک ہونا۔

۶۔ مقدس زبان کا محفوظ اور روز بروز وسیع تر ہونا۔

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۱۹

(۲) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب الایمان، باب الدین یسر، ۱/۱۶

۷۔ سادہ اور فطرت کے مطابق ہونا۔

۸۔ مختلف مذاہب، ثقافات، اقوام اور زبانوں پر مؤثر ہونا۔

۹۔ دین و دنیا کے لیے جامع ہونا۔

۱۰۔ سیاسی و معاشی مساوات کا حامل ہونا۔

۱۱۔ صدیوں سے ہر حال میں مخالفین کا کامیاب مقابلہ کرنا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے دین اسلام کو منتخب کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر دنیا میں آئے انہوں نے اپنی اپنی قوم کو دین اسلام کی طرف بلایا۔ وہ سب پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے ان کے پیروکار بھی مسلمان تھے۔

تمام انبیاء کا مرکزی نقطہ

تمام انبیاء کا مشن ایک ہی تھا اور تعلیمات بھی ایک جیسی تھیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جن اقوام نے دین اسلام ماننے سے انکار کیا وہاں ان کے عقیدہ توحید کی جگہ کفر و شرک نے لے لی اور شرک وہ گناہ کبیرہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش نہیں. جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف شرک ہی کی بخشش نہیں ہے اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے، جسے وہ معاف کرنا چاہے مگر جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

اہل کتاب، یہود و نصاریٰ اور صابئین نے اللہ کی وحدانیت کو چھوڑ کر کفر و شر کو اختیار کیا جبکہ اللہ تعالی کے نزدیک ہر چیز کی معافی ہے سوائے شرک کے۔ ان لوگوں نے بت پرستی شروع کر دی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو خدا ماننا شروع کر دیا۔ اہل کتاب کی گمراہی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بغض رکھتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (۳)

---

(۱) مکالمہ بین المذاہب، مولانا ولی خان المظفر، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۲

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۱۱۶

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۵۱

ترجمہ: بھلا تم نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے راستے پر ہیں۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی نے اس وضاحت کے ساتھ کی ہے:

"وَنَزَلَ فِي كَعْب بْن الْأَشْرَف وَنَحْوه مِنْ علماء اليهود قَدِمُوا مَكَّة وَشَاهَدُوا قَتْلَى بَدْر وَحَرَّضُوا الْمُشْرِكِينَ عَلَى الْأَخْذ بِثَأْرِهِمْ وَمُحَارَبَة النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {أَلَمْ تَرَ إلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنْ الْكِتَاب يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوت}صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ {وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا} أَبِي سُفْيَان وَأَصْحَابه حِين قَالُوا لَهُمْ أَنَحْنُ أَهْدَى سَبِيلًا وَنَحْنُ وُلَاة الْبَيْت نَسْقِي الْحَاجّ وَنُقْرِي الضَّيْف وَنَفُكّ الْعَانِي وَنَفْعَل أَمْ مُحَمَّد وَقَدْ خَالَفَ دِين آبَائِهِ وَقَطْع الرَّحِم وَفَارَقَ الْحَرَم {هَؤُلَاءِ} أَيْ أَنْتُمْ {أَهْدَى مِنْ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا} أَقْوَم طريقا"(1)

ترجمہ: اور علماء (یہود) میں سے کعب بن اشرف جیسوں کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، جب یہ لوگ مکہ آئے اور مقتولین بدر کا مشاہدہ کیا اور مشرکین کو اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لینے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا، کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، (اس کے باوجود) بت اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں، (جبت اور طاغوت) قریش کے دو بتوں کے نام ہیں، اور کافروں یعنی ابوسفیان اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہتے ہیں جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ہم راہ راست پر ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)؟ حال یہ کہ ہم بیت اللہ کے متولّی ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی (بہت کچھ) کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے آبائی دین کی مخالفت کی اور قطع رحمی کی اور حرم کو خیرباد کہہ دیا۔

اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں اور وہ جنت کے حقدار ہوں گے جب کہ اللہ تعالیٰ کے اصول حتمی ہوتے ہیں حالانکہ اس نے نجات کے اصولوں سے قوموں کو آگاہ فرمادیا جبکہ آنحضرت ﷺ کو تمام اقوام عالم کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) تفسیر الجلالین: ۱/ ۱۱۰

﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾[1]

ترجمہ:(اے محمد ﷺ!) کہو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ، اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالوگے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اعلان کروایا کہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے آنحضرت ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اور اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اور اللہ کی بادشاہی ہی تمام کائنات میں ہے اور اللہ ہی ہر جاندار کو زندگی اور موت دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی میں ہی راہ نجات ہے یعنی آخرت کی بھلائی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((تَرَكْنَا وَاللّٰهِ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ))[2]

ترجمہ: یقینا میں تمہیں ایسے صاف اور واضح رستے کی طرف چھوڑ رہا ہوں جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف بھیجا ہوا دین واضح اور روشن ہے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ ما كُنْتُ بِدْعاً مِنَ الرُّسُلِ﴾[3]

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! (ان سے فرما) دیجیے میں کوئی نرالا رسول تو نہیں ہوں۔

یعنی آنحضرت ﷺ سے پہلے ہی انبیاء علیھم السلام دنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں، آنحضرت ﷺ بھی اللہ تعالی کی جانب سے رسول مبعوث ہوئے ہیں۔ اطاعت الٰہی کے لیے لازمی دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو صرف ایک دین اختیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ سلامتی اور امن کا دین اسلام ہے۔ گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا دین بھی اسلام ہی تھا مگر ہر نبی کی امت نے ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنے اپنے

---

(۱) سورۃ الاعراف:۷/۱۵۸

(۲) سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب، باب اتباع سنت رسول ﷺ، حدیث نمبر:۵، ۱/۴

(۳) سورۃ الاحقاف:۴۶/۹

دین کو بدل ڈالا اور ایسا تبدیل کیا کہ ان کا دین اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ دین اسلام کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((نَحْنُ الآخِرُونَ السَّابِقُونَ))[1]

ترجمہ: زمانے کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں مگر دخول جنت میں اللہ تعالی کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین اسلام چونکہ سب سے آخر میں نازل ہوا لیکن جنت میں داخل ہونے میں یہ باقی ادیان اور امتوں سے افضل ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب البول فی الماء، حدیث نمبر: ۲۳۸، /۵۷

مبحث دوم

دین اور مذہب میں فرق

دین مکمل ضابطہ حیات ہوتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور وحدانیت کا درس دیتا ہے جبکہ مذہب صرف عبادات کا نام ہے۔ جب قوموں نے دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار کر لیے تو وہ مذاہب بن گئے جو صرف عبادات تک محدود کر دیئے گئے جیسا کہ:

عیسائی مذہب میں نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقیدہ توحید سے رخ موڑ لیا اور انجیل مقدس کو ان کے علماء نے تحریف کر ڈالا۔ یہودیت میں بنی اسرائیل نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ۔۔۔ یعنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء کی الہامی تعلیمات چھوڑ دیں۔ عقیدہ توحید چھوڑ کر اللہ کے ساتھ عزیرؑ کو بیٹے کے طور پر شریک کر لیا تو وہ مسلم نہ رہے بلکہ انہوں نے نیا مذہب اختیار کر لیا اور وہ یہودی بن گئے۔ صابئین کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت داوٗدؑ اور سلیمانؑ کے پیروکار اور سچے مسلمان تھے اور دین اسلام پر تھے اور حضرت داودؑ پر نازل ہونے والی الہامی کتاب زبور کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے جب کافی عرصہ گزرنے کے بعد تنزلی کا شکار ہوئے تو ان کے علماء نے الہامی تعلیمات کو بدل ڈالا تو ان کا دین اسلام سے تعلق نہ رہا۔[1]

آنحضرت ﷺ سابقہ الہامی مذاہب اور دین اسلام کی وضاحت اس مثال سے بیان فرماتے ہیں:

((مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ، وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ))[2]

ترجمہ: میری اور سابقہ انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے ایک محل نہایت عمدہ تیار کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ

---

(۱) دین فطرت "اسلام ہی کیوں؟ دیگر مذاہب کیوں نہیں؟، ص:۲۲-۲۳

(۲) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین ﷺ، حدیث نمبر:۳۵۳۵، ۴/۱۸۶

اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی ہے میں ہی خاتم النبیین ہوں یعنی میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور میرے ہی سے یہ تعمیر ختم ہوئی اور مجھ پر ہی ابنیاء اور رسل کا سلسلہ ختم ہوا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام ادیان اور شریعتوں کی تکمیل کا سبب بنے اور ان پر پیغمبری کا سلسلہ ختم ہوا۔ اللہ کے نزدیک، دین اسلام ہی قابل قبول خود ساختہ مذاہب کی کوئی حیثیت نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًاوَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ-قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾[۱]

ترجمہ: اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ (دین) چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ تعالیٰ ہی کی تابع فرمان ہیں (مسلم ہیں) اور اسی ہی کی طرف سب کو پلٹنا ہے (اے نبی ﷺ!) کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین اسلام ہی واحد دین ہے جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہے کیونکہ اس کی تعلیمات میں کوئی شک نہیں۔ ماضی میں حکمرانوں نے شیطان کے پیچھے لگ کے الہامی تعلیمات کو دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے بدل ڈالا تھا اور عقائد میں تبدیلی کر کے کفر و شرک کو اپنا لیا۔ اگر کوئی شخص دین اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو قبول کرے گا تو وہ دوزخ کا حقدار ہو گا۔ دین اسلام کی تعلیمات کو آنحضرت ﷺ نے ایسے بیان فرمایا ہے:

((تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُصَلِّي الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَنْصَحُ لِلْمُسْلِمِ، وَتَبْرَأُ مِنَ الْكَافِرِ))[۲]

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز پڑھو، فرض زکوۃ دو۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو اور کافر سے براءت کا اظہار کرو۔

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۸۳-۸۵

(۲) مسند الامام احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل (وفات: ۲۴۱ھ)، محقق: شعیب الارنوط، عادل مرشد، موسسۃ الرسالۃ، طبع اول، ۱۴۲۱ھ، مسند الکوفین، حدیث جریر بن عبد اللہ، حدیث نمبر: ۱۹۱۵۳، ۳۱/۴۹۱

مبحث سوم

اسلام کے اصل تقاضے

اسلام لانے کا اصل تقاضا یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ کی واحدنیت کا اقرار کیا جائے اور محمد ﷺ کو آخری نبی مانا جائے کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا قرآن مجید میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے یعنی نبوت کا اختتام آپ ﷺ پر ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ما كانَ مُحَمَّدٌ أَبا أَحَدٍ مِنْ رِجالِكُمْ وَ لكِنْ رَسُولَ اللّهِ وَ خاتَمَ النَّبِيّينَ وَ كانَ اللّهُ بِكُلِّ شَيْ ءٍ عَليماً﴾[1]

ترجمہ: لوگو! محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ پر نازل ہونے والے دین اسلام پر ایمان لانا ہر امتی پر فرض ہے جس تک ہدایت پہنچی اور اگر اس نے اسے قبول نہ کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اس کی وضاحت آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث کرتی ہے:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَا يُؤْمِنُ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))[2]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت کا کوئی بھی فرد خواہ یہودی ہو یا نصرانی جو میرے بارے میں سن لے پھر جب تک مجھ پر اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔

قرآن کی عالمگیر دعوت تمام انسانوں کے لئے تا قیامت ہے قرآن مجید بھٹکے ہوئے انسانوں کو جہالت اور گمراہی سے نکال کر روشن راستے پر لاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: وہی اللہ ہے جو اپنے بندہ پر واضح آیات نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۴۰

(۲) مسند احمد، مسند ابی ہریرہ، حدیث نمبر: ۸۶۰۲، ۱۴/ ۲۶۱

(۳) سورۃ الحدید: ۵۷/ ۹

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيمِنا عَلَيهِ﴾[1]

ترجمہ:(اے پیغمبر ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو ان تمام دعوؤں کی تصدیق کرتی ہے جو سابقہ الہامی کتابوں میں کیے جاتے رہے ہیں اور ان تمام کتابوں کی (اصل) تعلیم اس کے اندر آگئی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی قرآن مجید کی امتیازی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ یہ کتاب گذشتہ تمام الہامی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور یہ تمام الہامی کتابوں کا نچوڑ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث مزید وضاحت ایسے کرتی ہے:

((إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ))[2]

ترجمہ: مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس پر ضروری نہ ہو اپنی امت کو جو بہتر بات اس کو معلوم ہو بتانا۔

اب اس کتاب میں تحریف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس میں سچے احکامات بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَتَمَّت كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدقًا وَعَدلًا لا مُبَدِّلَ لِكَلِماتِهِ﴾[3]

ترجمہ:(اے پیغمبر ﷺ!) تمہارے رب کی طرف سے دیئے جانے والے احکامات اور قوانین صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہوگئے۔ اب ان میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں۔

اس کی حفاظت کا ذمہ تا قیامت اللہ تعالی نے خود لیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[4]

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن مجید) ضابطہ حیات کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ::۵/ ۴۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الامر بالوفاء، حدیث نمبر:۴۷۷۶، ۵/ ۱۳۶

(۳) سورۃ الانعام:۶/ ۱۱۵

(۴) سورۃ الحجر:۱۵/ ۹

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب اور میری سنت کو اپنائے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ فرمان نبوی ہے:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ , وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ صَلى الله عَلَيه وَسَلم))[1]

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ان کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت۔

اسلام ہی دین فطرت ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی واحدنیت تھا یہ مسلک اور فرقے لوگوں کی اپنی اختراع ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾[2]

ترجمہ: ابتداء میں تمام انسان ایک ہی امت تھے، بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ جو دین اسلام اللہ نے انسانوں کو دیا تھا ہر دور میں انسانوں کو اسی دین پر رہنا چاہیے تھا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین تھا اور اللہ کے نزدیک سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین (مذہب) قابل قبول نہیں ہے۔ بنیادی طور پر تمام انبیاء نے ایک جیسی تعلیمات دی تھیں یعنی اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، کلمہ طیبہ ہر نبی کا کلمہ تھا۔ تمام دنیا کے مذاہب سچے ہوتے تو ان کے عقائد اور تعلیمات ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوتے۔ ان کی مذہبی کتابوں کی تعلیمات میں یکسانیت ہوتی۔ ان کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہی ثابت کر دیتا ہے کہ یہ مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ شیاطین کی پیروی نے ان قوموں کو گمراہی کی دلدل میں دھکیل دیا۔

توریت، زبور اور انجیل بھی الہامی کتابیں ہیں جن کی الہامی تعلیمات ہونے پر تمام مسلمان یقین رکھتے ہیں اگر ان الہامی کتب میں تحاریف نہ ہوتیں تو تمام اہل کتاب اور مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں کوئی فرق نہ ہوتا مگر انہوں نے عقیدہ توحید کو شرک سے ناپاک کر دیا۔ اسلام چونکہ آخری دین ہے اور آخری دین ہونے کے ساتھ ساتھ دین فطرت بھی ہے۔ اسلام کے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام الہامی و غیر الہامی مذاہب کو منسوخ کر دیا کیونکہ آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام میں مکمل ضابطہ حیات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مسلکی اختلافات چونکہ معمولی اختلافی نوعیت کے ہوتے ہیں اس لئے ان کو اتنا نہیں اچھالنا چاہیے کہ معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو اور ملک میں فساد اور بدامنی کی فضا پیدا ہو۔

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ، النیسابوري المعروف بابن البیع (وفات: ۴۰۵ھ)، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۱ھ، کتاب العلم، باب فاما حدیث عبد اللہ، حدیث نمبر: ۳۱۸، ۱/ ۱۷۱

(۲) سورۃ الیونس: ۱۰/ ۱۹

فصل دوم: مسلکی و مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کا قیام امن میں کردار

مبحث اول: مسلکی و مذہبی ہم آہنگی اور اسلامی معاشرے کی وسعت

مبحث دوم: لسانی و جغرافیائی ہم آہنگی کا قیام امن میں کردار

مبحث اول

مسلکی و مذہبی ہم آہنگی اور اسلامی معاشرے کی وسعت

ملکی امن میں مذہبی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی اور باہمی تعاون کا اہم کردار ہے۔ ملک کے اندر تمام اقوام اور مذاہب کے درمیان اتفاق، بھائی چارہ اور اتحاد ملک کے لئے مثبت نتائج کا سبب بنتا ہے اور وطن عزیز کے تمام شہریوں کے یکساں حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ مذہبی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی ملک کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اتحاد اور اتفاق کا قوم میں ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ دین اسلام نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ دوسروں کی مدد اور اچھے رویے کی تلقین کی ہے۔ اتحاد و باہمی تعاون سے فرقہ واریت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیں اللہ کے آخری نبی ﷺ کے احکامات کی روشنی میں انسانیت کی بے لوث خدمت کرنی چاہیے اور تمام مذاہب و مسالک سے حسن سلوک اور معاشرے میں امن و محبت اور بھائی چارے کے فروغ سمیت ملکی ترقی میں خوشحالی کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اختلاف رائے کا پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ معمولی اختلافات کے باوجود قوم متحد ہے۔ اپنے مسلک و مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسرے مسلک و مذہب والوں کا احترام ضروری ہے۔

تعصب، جہالت اور لاعلمی پر قابو پا کر مسلکی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی پیدا کر کے قیام امن میں اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے جہالت سے نکل کر حقائق اور علم تک، تعصب سے ہٹ کر اخوت، محبت اور انسانیت تک اور انا سے ہٹ کر اخلاص، وفاداری، ادائیگی حقوق اور دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر کے ہم اختلافات کو ختم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے ملک کو منافرت، اختلاف، تعصب، جہالت اور انانیت سے محفوظ رکھے۔

مسلکی و مذہبی ہم آہنگی کا قیام امن میں کردار

قرآن مجید میں امن اور امان کا گہرا تعلق ہے۔ اگر ایمان کے تمام امور ادا ہو جائیں تو امن بھی قائم ہو جاتا ہے اور جتنا ہمارا ایمان کمزور ہو گا اتنا ہی امن کم ہو گا۔ امن و ایمان دونوں کا مصدر ایک ہی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان جتنا پختہ ہو گا ہمیں امن و سکون کی نعمت بھی اتنی ہی عطا کی جائے گی۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾[1]

ترجمہ: جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمانوں کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو نہیں ملایا تو ان ہی کے لئے امن ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶/ ۸۲

معاشرتی برائیوں والے معاشرے میں آنحضرت ﷺ نے توحید اور وحدانیت کو لوگوں میں اتحاد و یگانگت کی بنیاد بنایا۔ آپ ﷺ نے تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا اور انسانوں کے خالق و مالک کے ایک ہونے کی مضبوط دلیل فراہم کی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ))[1]

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ نیز محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب ایسا کریں تو انہوں نے اپنے خون اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر جو اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ نے لینا ہے۔

لہٰذا اسلام لانے میں امن وعافیت ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ دونوں نے کی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ))[2]

ترجمہ: جو کوئی ہمارے ساتھ نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھے، ہمارا ذبیحہ کھائے وہ ایسا مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان ہے۔

مسلکی و مذہبی ہم آہنگی کی بنیاد دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ مسلمانوں کو نصیحت کی آپس میں اتفاق و محبت سے رہو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ﴾[3]

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی میں اور شعب الایمان میں اس حدیث کے ساتھ کی گئی ہے:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۲۴، ۱/ ۲۸

(۲) ایضاً، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال قبلۃ، حدیث نمبر: ۳۹۱، ۱/ ۴۰۲

(۳) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۰۳

((إن هَذَا الصِّرَاط محتضر تحضره الشَّيَاطِين ينادون يَا عبد الله هلمَّ هَذَا هُوَ الطَّرِيق ليصدوا عَن سَبِيل الله فَاعْتَصمُوا بِحَبل الله فَإِن حَبل الله الْقُرْآن))[1]

ترجمہ: بلاشبہ یہ راستہ حاضر کیا ہوا ہے شیاطین حاضر ہوئے اور آواز دیتے ہیں کہ اے اللہ کے بندے! آجاؤ یہ وہی راستہ ہے (یعنی اس کو دھوکہ دیتا ہے) تاکہ ان کو اللہ کے راستے سے روکے سو تم مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو اور بلاشبہ اللہ کی رسی قرآن ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں باہم محبت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ قرآن مجید پر عمل کرنے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں اور بعد میں عربوں کو کوئی چیز متحد نہ کر سکی۔ یہ قرآن مجید ہی کی خصوصیت تھی کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور صلح وصفائی سے رہنے لگے۔ حدیث میں ہے:

((أَلَا أُنَبِّئُكُ مْ بِدَرَجَةٍ أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟»
قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ))[2]

ترجمہ: میں تم کو روزہ، نماز اور زکوۃ سے بڑے درجے کی چیز بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ، فرمایا: لوگوں میں صلح کرانا۔

مسلمانوں میں اتحاد کی وجہ دین اسلام ہی بنا۔ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم فلموں، ڈراموں اور کھیلوں کے ذریعے ملکی وحدت قائم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ قرآن کی تعلیمات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے واضح طور پر حکم فرمایا کہ باہمی تعاون اور یگانگت وہم آہنگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَ اِيَّاكُمْ وَالْفِرْقَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ مَنْ اَرَادَ بحبُوحَةِ الْجَنَّةِ فَلْيُلْزِمِ الْجَمَاعَةَ))[3]

ترجمہ: تمہارے اوپر جماعت لازم ہے اور تفرقے سے بچو کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے جو کوئی جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ جماعت کو لازم قرار دے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور جماعت بندی سے ان کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے شخص پر زیادہ حملہ آور ہوتا ہے اس لئے جماعت کو لازم قرار دیا گیا

---

(۱) تفسیر الدر المنثور، ۲/ ۲۸۴، شعب الایمان، باب تعظیم القرآن، باب فصل فی ادمان تلاوۃ القرآن، حدیث نمبر: ۱۸۶۷، ۳/ ۳۹۷

(۲) الادب المفرد، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ (وفات: ۲۵۶ھ)، محقق: محمد فواد عبد الباقی، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۹ھ، کتاب اصلاح ذات البین، حدیث نمبر: ۳۹۱، ۱/ ۱۴۲

(۳) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر: ۱۳۹۶، ۱/ ۷۷۳

ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مضبوط و مستحکم کرنے اور ان میں باہم محبت و ہمدردی اور یگانگت پیدا کرنے کے لیے متعدد مثالیں پیش کیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا))[1]

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک دیوار کی مانند ہوتا ہے کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح کی ہے:

"ہر ایک مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کا مددگار رہے گو وہ مومن کتنا ہی دور ہو اور دوسرے ملک میں رہتا ہو مگر جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرنی چاہیے خصوصا اس حالت میں جب کافر اس کو ستائیں تو ایک مومن کے لئے تمام دنیا کے مومنوں کو لڑنا چاہیے۔"[2]

اس بات کی آپ ﷺ نے اس طرح وضاحت فرمائی ہے:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِم وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى))[3]

ترجمہ: مسلمانوں کی مثال دوستی اور اتحاد میں ایسی ہے جیسے ایک بدن ہو۔ بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے نیند نہیں آتی اور بخار ہو جاتا ہے۔

مسلکی و مذہبی ہم آہنگی کے فوائد

مسلکی و مذہبی ہم آہنگی اعلیٰ اقدار کو پروان چڑھانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر انسان خوش اخلاق ہو تو تمام لوگ اسکے گرویدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اخلاق ایک ایسی طاقت ہے جس سے بکھرے ہوئے معاشرے کو راہ راست پر لا کر امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس برے اخلاق سے معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے اور بدامنی اور فساد کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور لوگ اس شخص اور معاشرہ سے دور بھاگتے ہیں۔ مسلکی / مذہبی ہم آہنگی کے فوائد درج ذیل فوائد ہیں:

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم وتعاونھم، حدیث نمبر: ۶۵۸۵، ۶/ ۲۰۹

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، ۶/ ۲۰۹

(۳) ایضا، حدیث نمبر: ۶۵۸۶، ۶/ ۲۰۹

ا۔ مسلکی و مذہبی ہم آہنگی اور اعلیٰ اقدار کا پنپنا

آنحضرت ﷺ نے انسانیت کو معاشرے میں امن کی فضا قائم کرنے اور معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی فضا کو قائم کرنے کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات دیا جس پر عمل کر کے کوئی بھی معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے چنانچہ اس میں خوش اخلاقی کا ذکر سب سے پہلے آتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے محمد ﷺ! اللہ کی مہربانی سے آپ ﷺ کا افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اگر آپ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ آپ ان کی غلطیوں پر انہیں معاف کر دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگتے رہا کریں۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے اعلی اخلاق کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نرم مزاج تھے اگر آپ ﷺ سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ سے دور بھاگ جاتے لہذا آپ ﷺ ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کو معاف کر دیا کریں۔

ب۔ صلہ رحمی اور مسلکی/مذہبی ہم آہنگی

آنحضرت ﷺ نے دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کا درس دیا اور دوسروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَاَنْ يُّنْسَالَهُ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَه))[2]

ترجمہ: جس شخص کو یہ بات بھلی لگے کہ اس کی روزی میں اضافہ ہو اور اس کی عمر بڑھ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی سے کام لے۔

دوسروں سے اچھے تعلقات رکھنے سے انسان خوشحال ہوتا ہے اور اس کی عمر طویل ہوتی ہے۔ ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَاتَبَاغَضُوْا وَلَاتَحَاسَدُوْا وَلَاتَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللهِ اِخْوَانًا وَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ))[3]

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۱۵۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من احب البسط فی الرزق، حدیث نمبر: ۱۹۲۵، ۷/۲۲۸

(۲) جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی الحسد، حدیث نمبر: ۱۹۳۵، ۱/۶۷۷

ترجمہ: آپس میں بغض نہ رکھو۔ نہ باہم حسد کرو۔ ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ دیر تک قطع تعلقی قائم رکھے۔

آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپس میں اچھے تعلقات رکھنے میں انسان کی فلاح وکامرانی ہے۔ ایک دوسرے سے منہ موڑنے اور قطع تعلقی کی سختی سے ممانعت ہے۔

ت۔ مسلکی ومذہبی ہم آہنگی اور استحکام پاکستان

استحکام پاکستان کے لئے مسلکی اور مذہبی ہم آہنگی کا ہونا بہت ضروری ہے اس سے معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ ملے گا اور معاف کرنے سے اچھے تعلقات بنانے اور معاشرے میں امن وامان قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ))[1]

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے لیکن عفو کرتے درگزر فرماتے۔

مؤاخات مدینہ کے بعد مسلمان چونکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ آنحضرت ﷺ نے جس حکمت عملی سے اپنے جانی دشمنوں کو جھکنے پر مجبور کیا اور معاشرے کے تمام افراد کو حقوق انسانی اور معاشرتی حیثیت کے مطابق مساوی کر دیا، کسی کو عزت واحترام ملی تو اپنی اپنی خدمات کی بناء پر اور اس اصول کو سب سے پہلے اپنے اوپر لاگو کیا اور اس اصول کو آنے والے لوگوں کے بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا۔

محمد حسین ہیکل[2] میثاق مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ تحریر معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے انسانی معاشرے میں ایک ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکاب جرم پر گرفت اور مؤاخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی، اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ اس سے سیاسی

---

(۱) سنن ترمذی، باب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق نبی ﷺ، حدیث نمبر: ۲۰۱۶، ۴/ ۳۶۹

(۲) محمد حسین ہیکل: آپ کی پیدائش ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ (الاعلام، ۶/ ۱۰۷)

اور مذہبی زندگی کو بلندی نصیب ہوئی اور جس سے سیاست و معاشرت پر دست استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کی تجربہ گاہ بنی ہوئی تھی۔"[1]

دوسروں کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے بہت سے معاہدات غیر مذاہب کے افراد کے ساتھ بھی کیے۔ ان میں میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ کے علاوہ متعدد وہ معاہدات شامل ہیں ور تمام معاہدات برابری کی بنیاد پر ہوئے۔ مسلمان اپنے موقف سے ہٹے نہیں۔

پاکستان میں معاشرتی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں مذہبی و مسلکی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ اتحاد و یگانگت بھی ہو ایک ہی معاشرے میں رہنے والے مختلف طبقے اور فرقے آپس میں باہمی تعاون سے رہیں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو بھی جائے تو اس میں فوراً مصالحانہ کوششیں شروع کر دیں تا کہ معاملات بگڑنے نہ پائیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾[2]

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور تم آپس کے معاملات کی اصلاح کر لیا کرو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اگر تم مومن ہو۔

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ باہمی معاملات اور حقوق و فرائض کے تناظر میں اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کو ملحوظ خاطر رکھیں اور دوسری بات جب مسلمانوں کے باہمی تنازعات اور معاملات شدت اختیار کر جائیں تو دوسرے لوگ آکر صلح کروا دیں اور اس کے علاوہ آپس کے معاملات میں نرمی، انصاف، خندہ پیشانی سے کام لیا کریں۔

---

(۱) حیات محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل، مطبع النہضۃ العصریۃ، مصر، ۱۹۴۸ء، ص: ۲۲۷

(۲) سورۃ الانفال: ۸/۱

مبحث دوم

لسانی وجغرافیائی ہم آہنگی کا قیام امن میں کردار

کسی بھی قوم کی بقا، سلامتی اور ہم آہنگی کا انحصار اس ملک کی لسانی اور جغرافیائی ترقی اور امن وامان پر ہوتا ہے اور یہی چیزیں ملکی امن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ موجودہ دور میں پاکستان میں فرقہ واریت ایک اہم مسئلہ ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرنا چاہیے چنانچہ ان تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ کر لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے معاشرے کو پاک کیا جانا چاہیے۔ ملکی و قومی سلامتی اور بقاء کا انحصار قرآن اور سنت رسول ﷺ کو حقیقی معنوں میں سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہے۔ لسانی وجغرافیائی بدامنی اور تعصبات دین سے آگہی نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی بھی قوم میں دینی شعور ہونے کے علاوہ عملی طور پر مومن ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ پر ایمان لانے کو گویا مضبوط سہارا ڈھونڈنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

﴿فَمَن يَكفُر بِالطّاغوتِ وَ يُؤمِن بِاللهِ فَقَدِاستَمسَکَ بِالعُروَةِ الوُثق لَا انفِصامَ لَها﴾[1]

ترجمہ: پس جو کوئی سرکش کا انکار کرکے، اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

گویا اللہ پر ایمان لانا اور پھر اس پر جمے رہنا نہایت مضبوط سہارا ہے جو کہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ زبانوں کا مختلف ہونا ایک فطری عمل ہے۔ زبان اظہار بیان کا ایک اہم ذریعہ ہے اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمِنْ آياتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَآيَاتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[2]

اور اسی کی نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ عمادالدین اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"وَمِنْ آياتِهِ الدَّالَّةِ عَلَى قُدْرَتِهِ العظيمة خَلْقُ السَّماواتِ وَالْأَرْضِ أي خلق السموات في ارتفاعها واتساعها، وسقوف أَجْرَامِهَا، وَزِهَارَةِ كَوَاكِبِهَا وَنُجُومِهَا الثَّوَابِتِ وَالسَّيَّارَاتِ، وَالْأَرْضَ فِي

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۲۵۶

(۲) سورۃ الروم: ۳۰/۲۲

انْخِفَاضِهَا وَكَثَافَتِهَا، وَمَا فِيهَا مِنْ جِبَالٍ وأودية وبحار، وقفار وحيوان وأشجار. وقوله تعالى: وَاخْتِلافُ أَلْسِنَتِكُمْ يَعْنِي اللُّغَاتِ، فَهَؤُلَاءِ بِلُغَةِ الْعَرَبِ، وَهَؤُلَاءِ تَتَرٌ لَهُمْ لُغَةٌ أُخْرَى، وَهَؤُلَاءِ كَرَجٌ، وَهَؤُلَاءِ رُومٌ، وَهَؤُلَاءِ إِفْرِنْجُ وَهَؤُلَاءِ بَرْبَرٌ، وَهَؤُلَاءِ تَكْرُورٌ، وَهَؤُلَاءِ حَبَشَةٌ، وَهَؤُلَاءِ هُنُودٌ، وَهَؤُلَاءِ عَجَمٌ، وَهَؤُلَاءِ صَقَالِبَةٌ، وَهَؤُلَاءِ خَزَرٌ، وَهَؤُلَاءِ أَرْمَنٌ، وَهَؤُلَاءِ أَكْرَادٌ، إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا لَا يَعْلَمُهُ إلا الله تعالى مِنَ اخْتِلَافِ لُغَاتِ بَنِي آدَمَ وَاخْتِلَافِ أَلْوَانِهِمْ وَهِيَ حُلَاهُمْ"(1)

ترجمہ: رب العلمین اپنی زبردست قدرت کی ایک نشانی اور بیان فرماتا ہے کہ اس قدر بلند کشادہ آسمان کی پیدائش اس میں ستاروں کا جڑاؤ ان کی چمک دمک ان میں سے بعض کا چلتا پھرتا ہونا بعض کا ایک جگہ ثابت رہنا زمین کو ایک ٹھوس شکل میں بنانا اسے کثیف پیدا کرنا اس میں پہاڑ میدان جنگل دریا سمندر ٹیلے پتھر درخت وغیرہ جمادینا۔ خود تمہاری زبانوں میں رنگتوں میں اختلاف رکھنا عرب کی زبان تاتاریوں کی زبان، کردوں، رومیوں، فرنگیوں، تکرونیوں، بربر، حبشیوں، ہندیوں، ایرانیوں، حقابلہ، آرمینوں، جزریوں اور اللہ جانے کتنی کتنی زبانیں زمین پر بنو آدم میں بولی جاتی ہیں۔ انسانی زبانوں کے اختلاف کیساتھ ہی ان کی رنگتوں کا اختلاف بھی شان اللہ کا مظہر ہے۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ ہے اس کا ایک خاص نظریہ ہے زندگی کے ہر پہلو چاہے عقائد ہوں، عادات واطوار یا معاملات اس کی واضح ہدایات ہیں۔ اسلام میں تہذیب و ثقافت اور اقدار کی ایسی شفاف اور وسیع نقطہ نظر ہے کہ اس میں تمام انسانیت کے لئے رہنمائی موجود ہے اور دوسری طرف قومی اور وطنی مظاہر بھی اس کا احاطہ کرتے ہیں تاکہ فرد، قوم اور پوری کائنات میں اختلافات باقی نہ رہیں۔ چنانچہ یہی کائنات کی رنگینی ہے کہ اصولی وحدت کے باوجود اپنی آغوش میں مختلف قسم کے رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔ اسلام نے ہمیشہ زبان کے اختلافات، لباس کے رہن سہن، اور رسوم ورواج میں عداوت کی مخالفت کی ہے، کوئی بھی ثقافت اور زبان الگ تھلگ ترقی نہیں کر سکتی، ہر زبان اپنی بقاء کے لیے بہت سی انسانی قدروں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی اور امن

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۶/ ۲۷۹

کوئی بھی زبان فطری طور تنگ نظر یا تعصب کا مزاج نہیں رکھتی، اس میں بہت سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں چنانچہ اس میں سیاسی، تاریخی، اقتصادی، معاشرتی عوامل ہوتے ہیں جو کہ عداوت کا باعث بنتے ہیں اس کے نتیجے میں انسان انسان کا اور قوم قوم کی دشمن بن جاتی ہے اور جب یہ حالات شدت اختیار کرتے ہیں تو زبان کے اثرات بھی بدلنا شرع ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ اللہ کے پیغام کو کھول کر بیان کرے۔

اس آیت کی تفسیر حافظ عمادالدین تفسیر ابن کثیر میں اس طرح کرتے ہیں:

"هَذَا مِنْ لُطْفِهِ تَعَالَى بِخَلْقِهِ أَنَّهُ يُرْسِلُ إِلَيْهِمْ رُسُلًا مِنْهُمْ بِلُغَاتِهِمْ، لِيَفْهَمُوا عَنْهُمْ مَا يُرِيدُونَ، وَمَا أرسلوا به إليهم"[2]

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی انتہائی درجے کی مہربانی ہے کہ ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا تا کہ سمجھنے سمجھانے کی آسانی رہے۔

اس بات کی تصدیق آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث بھی کرتی ہے:

((لَمْ يَبْعَثِ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا بِلُغَةِ قَوْمِهِ))[3]

ترجمہ: ہر نبی اور رسول کو اللہ تعالی نے اس کی امت کی زبان میں ہی بھیجا ہے۔

لسانی و جغرافیائی ہم آہنگی مندرج ذیل طریقوں سے قیام امن کا باعث بنتی ہے:

ا۔ لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی علمی، اخلاقی اور روحانی قدروں کو پروان چڑھاتی ہے، رنگ و نسل کے اختلافات کو مٹاتی ہے۔

ب۔ ابلاغ، تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے معاشرے کے احترام لسانیت کے حق کو بھی تسلیم کرتی ہے۔

ت۔ زبان نقطہ نظر بیان کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے چنانچہ انبیائے کرامؑ نے نہ صرف اس سے تہذیب و ثقافت کو پھیلایا بلکہ ہم آہنگی اور فکری آزادی اور تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے۔

---

(۱) سورۃ الابراہیم: ۱۴/ ۴

(۲) تفسیر ابن کثیر، ص: ۴/ ۴۱۰

(۳) مسند احمد، مسند الانصار، حدیث ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۲۱۴۱۰، ۳۵/ ۳۲۳

ث۔ انبیاء کرام لسانی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کے احترام اور عبودیت کے رشتوں میں جڑے ہوئے نظر آئے۔
ج۔ ہر پیغمبر نے دعوت و تبلیغ کے لیے وہی زبان استعمال کی اور وہی طریقے استعمال کیے جو اس وقت کے حالات کے مطابق تھے۔ جس فکر و انداز سے وہ لوگ سوچتے تھے۔[1]

لباس کے معاملے میں بھی اسلام انہی اصولوں پر کار فرما ہے کہ لباس میں پاکیزہ انسانی افکار کا خیال رکھا جائے جس میں انسانیت کی فلاح و بہتری ہو وہاں مختلف قسم کی رنگینی اور مختلف ڈیزائن کے ملبوسات کی خصوصیات ہوں جو کسی بھی قوم کے باشندوں اور معاشرے نے اپنے طرز کے مطابق کر رکھی ہے کیونکہ قرآنی نقطہ نظر سے لباس کے ڈیزائن اور تبدیلیوں کا آب و ہوا، موسم اور پیشے کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور تمہارے لیے کچھ پہناوے دیئے گئے کہ تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ پہناوے بنائے کہ لڑائی میں تمہاری حفاظت کریں۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"يَعْنِي الْقُمُصَ، وَاحِدُهَا سِرْبَالٌ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ يَعْنِي الدُّرُوعَ الَّتِي تَقِي النَّاسَ فِي الْحَرْبِ"[3]

ترجمہ: مراد قمیضیں اور کرتے ہیں، اور اسرابیل کی واحد سربال ہے۔ وسرابیل تقیکم باسکم اس میں مراد وہ زرہیں ہیں جو لوگوں کو جنگ میں محفوظ رکھتی ہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قومی خصوصیت کی وضاحت اس انداز سے کرتے ہیں:

"یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے مقصد فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا تھا۔"[4]

---

(۱) اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ، مکتبہ اصلاح ملت کندھ کوٹ، ۱۹۹۰ء، ص:۱۰۵

(۲) سورۃ النحل:۱۶/۸۱

(۳) تفسیر القرطبی:۱۰/۱۶۰

(۴) الفاروق، مولانا شبلی نعمانی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص:۳۹۸

ممتاز عالم دین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مختلف قوموں کی تہذیب و ثقافت اور اقدار کے فطری اختلافات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قوموں کا یہ امتیاز اس لیے ہے کہ تمدنی اغراض کے لیے انسانوں کے ایسے اجتماعی دائرے اور حلقے بن سکیں جن کے درمیان آسانی کے ساتھ باہمی تعاون ہو سکے لہٰذا یہ ضروری ہو گا کہ ہر گروہ یا ہر تمدنی و اجتماعی حلقے کے کچھ امتیازی اوصاف ہوں جن کے ذریعہ سے ایک حلقے کے آدمی ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ اس قسم کے امتیازی اوصاف ظاہر ہے کہ زبان، لباس، طرز زندگی اور شاہی تمدن ہی ہو سکتے ہیں پس یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے۔"(۱)

آنحضرت ﷺ تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں، نہ ہی آنحضرت ﷺ کے پیغام کی کوئی جغرافیائی حدود تھیں اور نہ ہی زمانے کی قید و بند کیونکہ آنے والے لوگوں کے لیے آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾(۲)

ترجمہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر آیا ہوں۔

آج کے موجودہ دور میں پاکستان میں مذہبی، لسانی اور جغرافیائی تنازعات اور علاقائی عصبیتوں کا واحد حل آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ میں پوشیدہ ہے۔ ابن خلدون عصبیت کو مثبت انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کچھ خاص عوامل، خصوصیات کی کمی و بیشی ہو تو وہ قوم منتشر ہو گی اس میں عصبیت نہیں رہے گی یہ ایک فطری بات ہے کہ عصبیت و حمیت والی قومیں ان لوگوں کے ساتھ جس اخلاق سے پیش آتی ہیں اور ان قبائل کا ارباب عصبیت کا اور خاندان کا احترام کرتی ہیں جو ان کی عصبیت کے لیے موجب تقویت ہوتے ہیں اور شرف میں انہیں بلند کرتی ہیں اور ان کے مقابلہ کی ہوتی ہیں اور عزت و جاہ میں ان کے برابر ہوتی ہیں اس کی وجہ اکثر بقائے عزت کی رغبت ہوا کرتی ہے۔"(۳)

---

(۱) مسئلہ قومیت، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ص:۹۷

(۲) سورۃ الاعراف:۷/۵۸

(۳) تاریخ ابن خلدون، ۱/۲۶۰

ملکی استحکام کے لیے علاقائی اور قبائلی عصبیت نقصان دہ ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل بدامنی، افراتفری کا شکار رہتاہے اور معاشرے کے کسی بھی طبقے کے ساتھ تعصب روار کھا جاتا ہے اگر یہ تعصب باہمی اور معاشرتی اور ریاستی معاملات میں دخل اندازی کرے تو اس کے نتائج نہایت خطرناک نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جغرافیائی، علاقائی اور قبائلی تفریق کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ اللہ کے نزدیک عزت اور اعلیٰ معیار کا دارومدار تقویٰ پر ہے حسب نسب اور قبائل پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو برابری کی تلقین کی ہے تاکہ اونچ نیچ کے تصور سے بالاتر ہو کے ایک دوسرے کے حقوق کا تصور ممکن ہو سکے، اس سلسلے میں مذہبی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی اہم کردار ادا کرتی ہے جس سے معاشرے میں امن کا خواب حقیقت بن سکتا ہے۔ تحمل اور برداشت کو اپنے اندر پیدا کرنے سے معمولی معمولی واقعات کو رفع دفع کرنے میں مدد ملتی ہے اس کے علاوہ اس سے معاشرے میں مثبت رویے فروغ پاتے ہیں اور امن امان کی راہ ہموار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ہمیں بحثیت قوم اور پاکستانی مذہبی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنے ملک میں امن بحال کر کے اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کریں۔

فصل سوم: مسلکی ومذہبی، لسانی، جغرافیائی تعصب کے نقصانات

تعصب نہ صرف فرد کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ اجتماعی طور پر معاشرے کے تمام افراد کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ تعصب سے معاشرے میں تشدد، افرتفری اور فساد جیسی برائیاں پنپتی ہیں مزید اس کے نقصانات درج ذیل ہیں:

ا۔ ملکی فساد

بنی نوع انسان کی بری عادتوں میں سے ایک بری عادت تعصب ہے جو کہ انسان کی تمام نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں، بہت سی خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔ دوسرے کو حقیر سمجھنا متعصب شخص کی خصوصیت ہوتی ہے۔ مذہب میں متعصب شخص دوسروں کی بات کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اپنے تعصب کے باعث، مغرور، سخت دل اور بد اخلاق ہو جاتا ہے۔ اسلام کی اعلیٰ و مکمل ضابطہ حیات تعلیمات کے باوجود پاکستان میں عدم مساوات، طبقاتی فاصلے اور اسلامی اور انسانی ذمہ داریوں کی طرف سے لاپرواہی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ملک میں امن وامان متاثر ہو رہا ہے۔ پاکستانی عوام میں تفرقہ اور فساد کی سب سے بڑی وجہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانا ہے اور اس کے علاوہ بے جا تعصب اور انتہا پسندی کے رویے کو فروغ دینا ہے۔

تعصب کی وجہ سے ملکی اور عالمگیر سطح پر فساد برپا ہے آج جس طرح لوگ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ان میں صبر کا مادہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک دوسرے کے معاملات کے بگاڑ میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾[1]

ترجمہ: خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے، لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے۔

تفسیر القرطبی میں اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

"فَسَادُ الْبَرِّ قَتْلُ ابْنِ آدَمَ أَخَاهُ، قَابِيلُ قَتَلَ هَابِيلَ. وَفِي الْبَحْرِ بِالْمَلِكِ الَّذِي كَانَ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا"[2]

ترجمہ: زمین میں فساد سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) کے بیٹے کا اپنے بھائی کو قتل کرنا ہے۔ قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا تھا بحر میں فساد سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا ہے۔

یہاں فساد کی دو معنوں میں وضاحت کی گئی ہے ایک قتل کرنے کے معنوں میں اور دوسرا ظلم و زیادتی کے معنوں میں۔ اس سے معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) سورۃ الروم: ۳۰/۴۱

(۲) تفسیر القرطبی: ۱۴/۴۰

۲۔بد گمانی

مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مختلف وہموں اور وسوسوں کو اپنے دماغ میں آنے دے کیونکہ بد شگونی گناہ کے زمرے میں شمار ہوتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(۱)

ترجمہ:اے ایمان والو!اکثر گمانوں سے بچو بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن میں اس طرح کرتے ہیں:

"ظن کے معانی گمان کے ہیں اس کے متعلق قرآن کریم نے یہ فرمایا کہ "بہت سے گمانوں سے بچا کرو" پھر اس کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ "بعض گمان گناہ ہوتے ہیں" چنانچہ ہر گمان گناہ نہیں ہوتا چنانچہ ظن سے مراد اس جگہ تہمت ہے یعنی کسی شخص پر بغیر کسی قوی دلیل کے کوئی الزام عیب یا گناہ لگانا۔"(۲)

یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ جلد بدگمان ہو جاتا ہے۔برے برے خیالات اس کے ذہن میں آنے لگتے ہیں۔کسی کے بارے میں اچھا سوچنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ بعض گمان انسان کو گناہ تک لے جاتے ہیں۔بدگمانی کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اس شخص کی گرفت ہو گی۔اگر کسی شخص نے ناحق بدگمانی کی ہے تو اس کی سخت سے سخت سزا ہے۔بدگمانی کی جو بھی نوعیت ہو بدگمانی کرنے والا آگے بڑھتا رہتا ہے اور بات بڑھ کر قتل وغارت تک پہنچ جاتی ہے۔اس میں زیادہ تر غلط فہمیوں کا دخل ہوتا ہے۔

۳۔حسب ونسب پر فخر کا نقصان

اللہ تعالیٰ نے حسب نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معاشرتی تفاوت جنم لیتی ہے۔تمام انسانوں کو برابر قرار دیا جبکہ برتری کی بنیاد تقویٰ کو قرار دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۳)

---

(۱)سورۃالحجرات:۴۹/ ۱۲

(۲)تفسیر ابن کثیر،۵/ ۹۵

(۳)سورۃالحجرات:۴۹/ ۱۳

ترجمہ:لوگو!ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قوم اور قبیلے شناخت اور پہچان کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی حسب نسب پر فخر کرنے پر سخت وعید سنائی ہے فرمایا:

((اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عَيْبَةَ الجْاَهِلِيَّةِ وَ فَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ، مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَنْتُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ لِيَدَعْنَ رِجَالٌ فَخْرهمْ بِاَقْوَامٍ اِنَّمَاهُمْ فحمٌ مِن فَحمِ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهوَانٌ عَلَى اللهِ مِنَ الجعلَانِ الَّتِى تَدفَعُ بِاَنفُسِهَا النَّتَن))[1]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ نے تم سے جاہلیت اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے (تمہیں ایمان و اسلام سے معزز بنایا ہے) آدمی دو قسم کے ہیں) صاحب ایمان ، متقی یا فاجر اور بدبخت، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے۔ لوگوں کو قومی نخوت ترک کرنا پڑے گی، وہ تو (کفر و شرک کے سبب) جہنم کے کوئلے بن چکے، ورنہ یہ (قوم پر تکبر کرنے والے) اللہ کے گندگی کے کالے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔

کسی بھی صاحب ایمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آباو اجداد پر فخر کرے اس سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اس شخص کا انجام بھی بہت برا ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے لوگوں میں حسب نسب پر فخر کرنے کا رواج تھا لیکن اسلام آنے کے بعد یہ تمام فرسودہ رسم و رواج ترک ہو گئے۔

٤۔ حق سے محرومی ہلاکت کا باعث

آنحضرت ﷺ نے حق سے محرومی کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے کسی بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ فرمایا:

((مَنْ نَّصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الحَقِّ،فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِیْ ردی فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنبِه))[2]

ترجمہ: جس نے حق کے بغیر اپنی قوم کی مدد کی تو وہ ایسے اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر گیا ہو اور پھر اسے دم سے پکڑ کر باہر نکالا جاتا ہے۔

---

(۱) سنن ابو داوٗد، دارالسلام، کتاب النوم، باب فی التفاخر بالاحساب، حدیث نمبر:۵۱۱۶، ۴/ ۸۲۷

(۲) ایضا، کتاب النوم، باب فی العصبیۃ، حدیث نمبر:۵۱۱۷، ۴/ ۸۲۸

اس حدیث کی شرح ڈاکٹر عبد الرحمن نے اس طرح بیان کی گئی ہے

"جس طرح دم پکڑ کر اونٹ کو نکالنا ممکن نہیں ہے اسی طرح متعصب شخص کا جہنم سے نکلنا بھی ناممکن ہو گا۔"(۱)

ناحق طور پر اپنی قوم کی مدد کرنے والا اپنے آپ کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتا۔اس طرح ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

((يَارَسُوْلَ اللهِ! مَاالْعَصَبِيَّةُ؟ قَالَ: اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ))(۲)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! عصبیت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ اپنی قوم کے لوگوں کی مدد کرے، حالانکہ وہ ظلم پر ہوں۔

یہ چیز ظلم میں شمار ہوتی ہے کہ لوگوں کا ظلم میں ساتھ دینا اور ان کی حمایت کرنا۔

۵۔ عصبیت کی وعید

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جس نے عصبیت کو دعوت دی، فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلىٰ عَصْبِيَّة، وَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلىٰ عَصْبِيّة وَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلىٰ عَصْبِيّة))(۳)

ترجمہ: جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر لڑائی کی وہ ہم میں سے نہیں اور جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں۔

اس حدیث کی شرح ابو عمار نے ایسے بیان کی ہے:

"قومی عصبیت اور باطل کی حمایت اور دفاع ناجائز اور حرام ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول اور دین و ایمان کے لیے عصبیت، ایک مطلوب عمل ہے، جس دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ ان کی مخالفت کرنے والے کے خلاف غصہ اور ناراضگی نہیں اسے اپنے ایمان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔"(۴)

تعصب کی وجہ سے انسان حرص و بخل کی عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں کے لوگوں کا استحصال کرنے لگتا ہے اور ان کے ذرائع و وسائل پر قبضہ کرنے لگتا ہے۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، تخریج: ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار، مؤسسۃ دار الدعوۃ التعلیمیۃ الخیریۃ، ۴/ ۹۳۰

(۲) سنن ابو داؤد، دار السلام، کتاب النوم، باب فی العصبیۃ، حدیث نمبر: ۵۱۱۹، ۴/ ۸۲۹

(۳) ایضا، حدیث نمبر: ۵۱۲۱، ۴/ ۸۲۹

(۴) ایضا، ص: ۸۳۰

۶۔ جھوٹی قسم میں گناہ کی سختی

جھوٹی قسم گناہ کے زمرے میں آتی ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایسا شخص جو معمولی فائدے کے لئے جھوٹی قسم اٹھاتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے ایسے شخص کے لئے اللہ نے عذاب کی سخت دعید سنائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلا أُولَئِكَ لا خَلاقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[۱]

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں پر معمولی مال حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ ان کی طرف نظر نہیں کرے گا اور ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر الزام تراشی کرے اور اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے تو اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے بہت بھی سخت وعید سنائی ہے:

((مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ مَصْبُورَةٍ كَاذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ بِوَجْهِهِ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))[۲]

ترجمہ: جس نے (کسی حاکم وغیرہ کی مجلس میں محبوس ہو کر یا دیدہ دانستہ) جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہیے کہ اپنے چہرے کا مقام آگ بنالے۔

اس حدیث کی شرح ابو عمار نے ایسے بیان کی ہے:

"جھوٹ بولنا ویسے ہی کبیرہ گناہ ہے اور لعنت کا کام ہے۔ ایسے شخص کی سزا جہنم ہے۔ دنیا میں اس کا کوئی کفارہ نہیں لیکن توبہ کا دروازہ کھلا ہے جسے اپنے اس غلط عمل کا احساس ہو جائے وہ بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرے۔"[۳]

۷۔ قرآن مجید میں جھگڑا کرنا

قرآن مجید میں جھگڑا کرنا کفر کے زمرے میں آتا ہے اور اس سے مذہبی انتہاپسندی جنم لیتی ہے اور معاشرتی امن وسکون تباہ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۷۷

(۲) سنن ابو داؤد، دار السلام، کتاب الایمان والنذور، باب التغلیظ فی الیمین الفاجرۃ، حدیث نمبر: ۳۲۴۲، ۳/ ۵۹۱

(۳) ایضا

((اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْر))[۱]

ترجمہ: قرآن کریم میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

اس حدیث کی شرح ابو عمار نے ایسے بیان کی ہے:

"المراء سے مراد جھگڑنا اور شک کا اظہار کرنا ہے چنانچہ قرآنی آیات میں مباحثہ اور جھگڑا کرنا یا شک و شبہ کرنا حرام اور کفر ہے۔ وضاحت کے لیے ثقہ اور راسخ علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ شکوک و شبہات سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اور فتنہ انگیزی امت کے لیے خطرناک فعل ہے اور اس سے معاشرے میں نفرت پھیلتی ہے۔"[۲]

۸۔ بدشگونی

مذہبی، مسلکی، لسانی اور علاقائی تعصب کی بنا پر انسان بدشگونی کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسرے شخص کے بارے میں برا سوچتا ہے اور برے برے خیالات اس کے ذہن میں آتے ہیں جس سے معاشرے میں بدامنی اور انار کی پھیلتی ہے اور معاشرہ تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بدشگونی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَہُ ثَلَاثًا وَمَا مِنَّا))[۳]

ترجمہ: بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔ تین بار فرمایا اور ہم میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی وہم ہو ہی جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بدشگونی کو شرک قرار دیا ہے اور تین مرتبہ اس بات کی تاکید کی ہے کہ یہ ایک مہلک بیماری ہے جس سے لوگوں کے دلوں میں نفرتیں جگہ بنا لیتی ہیں اور لوگ آپس میں باہم دست و گریباں ہوتے ہیں۔

۹۔ قتل و غارت

تعصب ایک ایسی بیماری ہے جس سے انسان آخری حد تک جانے سے بھی گریز نہیں کرتا اور دوسرے شخص کی جان بھی لے سکتا ہے جو کہ قبیح فعل ہے اور اپنی عزت و وقار اور مرتبے کے لیے دوسرے شخص کی جان لے لینا، اس کی سزا اللہ کے ہاں دوزخ ہے اس کا اندازہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ہوتا ہے:

---

(۱) ایضا، کتاب السنۃ، باب النھی عن الجدال، حدیث نمبر: ۴۶۰۳، ۴/ ۵۰۳

(۲) ایضا

(۳) سنن ابو داوٗد، دار السلام، کتاب الکھانۃ والتطیر، باب فی الطیرۃ، حدیث نمبر: ۳۹۱۰، ۴/ ۶۴

((مَنْ مَّشٰى اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِىْ لِيَقْتُلَهٗ هٰكَذَا (يعنى فليمد عنقه) فَالْقَاتِلُ فِى النَّارِ وَالْمَقْتُوْلُ فِى الْجَنَّةِ))[1]

ترجمہ: جو آدمی میری امت کے کسی آدمی کو قتل کرنے کے لئے چلے تو اسے اسی طرح کرنا چاہیے یعنی اپنی گردن بڑھادے۔ قاتل دوزخ میں ہے اور مقتول جنت میں۔

۱۰۔ توہین آمیز رویہ اور گالم گلوچ

نسلی، لسانی اور علاقائی تعصب کی وجہ سے انسان توہین آمیز رویے اور گالی گلوچ سے بھی پرہیز نہیں کرتا، دوسرے شخص یا افراد کو نیچا دکھانے کے لیے ہتک آمیز رویہ اپناتا ہے اس طرح آج کل کے علماء کو بھی گالی گلوچ سے پرہیز کرنا چاہیے، دوسری دینی جماعتوں کے خلاف بغض رکھنا اور ان کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کی وعید ان الفاظ میں فرمائی ہے:

((اِنَّ مِنْ اَكْبَرِالْكَبَائِرِ اِسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِىْ عِرْضِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ ، وَ مِنَ الْكَبَائِرِ السَّبْتَانِ بِالسَّبَّةِ))[2]

ترجمہ: بے شک کبیرہ گناہوں میں ایک بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کی ناحق ہتک اور توہین کردے۔ کبیرہ گناہوں میں یہ بھی ہے کہ کوئی ایک کے بدلے میں دو گالیاں دے۔

چنانچہ ہتک آمیز اور توہین کرنے والے رویے کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے اس کے علاوہ ایک گالی کے بدلے میں دو گالیاں دینا بھی گناہ کبیرہ میں شامل ہے اور یہ اخلاقی پستی اور مذموم اخلاق کی نمائندگی کرتے ہیں۔

۱۱۔ قومیت پرستی

قومیت پرستی سے باہمی منافرت اور تعصب کو فروغ ملتا ہے۔ ایک علاقے کے افراد دوسرے علاقے کے افراد سے نفرت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بغض اور کینہ پروان چڑھتا ہے۔ ایک معاشرے اور علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں ۔ ایک قبیلے اور معاشرے کے لوگ دوسرے کو برداشت نہیں کرتے اور لوٹ مار اور غارتگری کا بازار گرم رکھتے ہیں۔

قومیت، نسلی، علاقائی اور جغرافیائی اور مذہب (مسلک) پرستی انسانی تہذیب، امن اور سلامتی کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ قومی منافرت اور تعصب کی وجہ سے ملک خطرناک صورتحال سے گزر رہا ہے، چھوٹی چھوٹی جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہیں۔ قومیت پرستی کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ ایک صوبہ کے لوگ

(۱) ایضا، کتاب الفتن والملاحم، باب النهى عن السعى فى الفتنة، حديث: ۴۲۶۰، ۴/ ۲۷۱

(۲) ایضا، کتاب الاداب، باب فى الغيبة، حديث: ۴۸۷۷، ۴/ ۶۸۳

دوسرے صوبے کے وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں اور انہیں اتنا حق نہیں دیتے جتنے وہ حقدار ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۱)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

تعصب کی وجہ سے معاشرے کے بااثر لوگ متوسط درجے کی جماعت یا لسانی اور علاقائی تعصبات کی وجہ سے علاقائی نمائندگی کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ جمہوری نظام کا اصول ہے کہ نمائندوں کا انتخاب علاقائی نمائندگی کے اصول پر کیا جاتا ہے کیونکہ کوئی ایک نمائندہ ایک علاقے کے تمام افراد اور ان کے مفادات کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔

۱۲۔ حسد

لسانی، علاقائی، اور جغرافیائی تعصب کی وجہ سے ایک معاشرے کے افراد دوسرے معاشرے کے افراد سے حسد کرنے لگتے ہیں جو کہ ان کے اپنے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ حسد انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے اور حسد کرنے والا انسان اور قومیں دنیا کے اندر تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، اَوْ قَالَ: الْعشْبَ))(۲)

ترجمہ: حسد (دوسروں پر جلنے اور کڑھنے) سے اپنے آپ کو بچاؤ، بلاشبہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو۔۔۔ یا فرمایا۔۔ گھاس پھوس کو کھا جاتا ہے۔

حسد کے برا ہونے میں چونکہ کوئی شک نہیں کیونکہ حسد دراصل اللہ کے فیصلوں اور اس کی تقسیم پر راضی رہنے میں کمی، کمزوری کی وجہ سے آتا ہے اس لیے اگر انسان کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھے تو اس سے جلنے کڑھنے کے بجائے اللہ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے بھی اس عمدہ عنایت اور نعمت سے سرفراز فرما۔

۱۳۔ گروہوں کے اختلافات اور مسلح دہشت گردی

ایسے معاشرے جو مسلسل تعمیر کے عمل سے گزرتے رہتے ہیں۔ مختلف گروہوں اور تنظیموں کے ثقافتی پس منظر اور ان کے اخلاقی اور فکری معیار الگ الگ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں اچھائی، برائی، صحیح اور غلط کے

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۸۸

(۲) سنن ابو داؤد، دارالسلام، کتاب الاداب، باب فی الحسد، حدیث: ۴۹۰۳، ۴/ ۶۹۹

ایک ہی وقت میں کئی تصورات پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ ذہنی طور پر بڑی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مسلم ریاست اور اجتماعی نظم ونسق کے خلاف مسلح بغاوت کرنا بہت بڑا جرم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاء الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریزی، راہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے سے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیئے جائیں۔ یہ تو ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اس آیت سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ ایک پر امن معاشرے کو مسلح دہشت گردی کے ذریعے خوف زدہ کرنے والوں کا قلع قمع کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں (اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ) ملک میں فساد (یعنی بدامنی) پھیلاتے ہیں (مراد اس سے رہزنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جس کو اللہ نے قانون شرعی سے جس کا اظہار رسول ﷺ کے ذریعہ سے ہوا امن دیا ہو یعنی مسلمان پر اور ذمی پر ، اور اسی لیے اس کو اللہ اور رسول ﷺ سے لڑنا کہا گیا ہے، کہ اس نے دین کے دیئے ہوئے امن کو توڑا، چونکہ رسول کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لیے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں) انکی یہی سزا ہے کہ (ایک حالت میں تو) قتل کیے جائیں (وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو)، دوسری حالت سولی دے دیئے جائیں، تیسری حالت ہاتھ پاؤں مخالف

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/۳۳

سمت سے کاٹ دیئے جائیں، چوتھی حالت جیل میں بھیج دیئے جائیں یہ سزا
تو ان کی دنیا کے لیے ہے اور ان کو آخرت میں عذاب عظیم ہو گا۔"(۱)

۱۴۔باہمی اتحاد و اعتماد کا فقدان

مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصب کی وجہ سے باہمی اتحاد و اعتماد کا فقدان پیدا ہوتا ہے جس سے اغیار فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ریاست کے وسائل پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں زندگی کے ہر میدان جس میں معاشی، معاشرتی، سیاسی میں زیر کر دیتے ہیں تاکہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾(۲)

ترجمہ: اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا

اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو، ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ باہمی کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو یقینی امر ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے اس میں کمزوری اور بزدلی آجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اعتماد و اتحاد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوتی ہے اس لیے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اعتماد ہی نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی۔"(۳)

۱۵۔فتنہ و فساد معاشرتی انحطاط کا سبب

مذہبی، لسانی اور جغرافیائی و علاقائی تعصب کی وجہ سے معاشرہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ مقدس روایات جو دینی اور روحانی اقدار پر مشتمل ہوتی ہیں کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ مادیت پرستی عام ہوتی ہے۔ مادی اقدار کے حصول اور غلبے کی وجہ سے معاشرہ اعلیٰ انسانی اقدار سے محروم ہو جاتا ہے۔ علاقائی، نسلی لسانی اور مذہبی فرقہ وارانہ تعصبات کی وجہ

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، ۳/ ۱۱۴-۱۱۵

(۲) سورۃ الانفال: ۸/ ۴۶

(۳) تفسیر معارف القرآن، ۴/ ۲۵۲-۲۵۳

سے معاشرے میں اتحاد و اتفاق نہیں رہتا۔ اپنے عیوب و نقائص کا ذمہ دوسروں کو ٹھہرایا جاتا ہے گویا اپنے ذاتی احتساب کی بجائے دوسروں کو تعصب کا نشانہ بناتے ہیں جس سے ہمارے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے میں تشدد اور ظلم کی کیفیت بڑھتی ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

((تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا، نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتَّى تَصِيرَ عَلَى قَلْبَيْنِ، عَلَى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ، مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا، وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا))[1]

ترجمہ: فتنے دلوں پر چٹائی کے تنکوں کی طرح ایک ایک کر کے گرتے ہیں جو دل اسے قبول کر لے اس پر ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے اور جو دل اس کو رد کر دیتا ہے اس پر سفید نقطہ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں ایک سفید شفاف پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوسرا سخت سیاہ دل جسے نیکی اور بدی کا شعور ہی باقی نہیں رہتا۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح کی ہے:

"یہ تشبیہ ہے اس دل کی صاف چکنے پتھر سے یعنی جیسے اس قسم کا پتھر داغوں سے پاک ہوتا ہے ویسے ہی یہ دل ان فتنوں کی الائش سے پاک اور صاف ہوگا دوسرا کالا سفیدی مائل جو نہ کسی اچھی بات کو اچھا سمجھے گا نہ بری کو برا۔"[2]

مذہب سے دوری کی بدولت ملک بدامنی کا شکار ہوتا ہے۔ مذہب کو محض دینی عوامل تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ دین اور دنیا کو الگ الگ کرنے سے ہماری عملی زندگی میں دین کے اصول وضوابط درست طریقے سے نافذ نہیں اور دین افراد کا ذاتی معاملہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس طرح علم و ادب، فن، سیاست، معاشرت، معاش اور اخلاق ہر چیز میں اسلام کی جھلک نظر آنی چاہیے۔ مذہبی، مسلکی اور جغرافیائی تعصب کی وجہ سے معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور ملک میں بدامنی کی فضا جنم لیتی ہے۔ شدت پسندی کے رویوں کو فروغ ملتا ہے، تحمل وبرداشت کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور باہمی محبت واخوت کو فروغ نہیں ملتا۔

---

(۱) صحیح مسلم، دار السلام، کتاب الایمان، باب رفع الامانۃ والایمان، حدیث نمبر: ۳۶۹، ۱/ ۲۴۱

(۲) ایضا، ص: ۲۴۰-۲۴۱

فصل چہارم: مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور حل

مبحث اول: مذہبی تعصب سے بچنا اور التزام جماعت کا حکم

مبحث دوم: لسانی، علاقائی، جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور حل

کسی بھی ملک کی ترقی میں اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج تک جتنی قوموں نے بھی ترقی کی ہے وہ اتحاد و اتفاق ہی کی بنا پر کی ہے۔ تمام وسائل اور ذرائع ہونے کے باوجود کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے پاس مخلص، امانتدار، محب وطن، اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی سے بھرپور افرادی قوت موجود نہ ہو. اگر کسی بھی قوم میں مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کے علاوہ، انفرادی، فکری، معاشرتی، معاشی، علمی و فنی اور سائنسی قوتوں میں یک جہتی ہو تو پھر انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ملک و قوم کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جاسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک ایسا ضابطہ حیات لے کر آئے جس میں جغرافیائی بنیاد پر رنگ و نسل، مذہب، فرقہ کی بنا پر امتیاز کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں کو نہ صرف متحد کیا بلکہ ہم آہنگی اور یگانگت پیدا فرمائی، مواخات مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا۔ جب تک مسلمانوں نے اتحاد و اتفاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنی اس کے برعکس جب اتحاد و اتفاق، ہم آہنگی کو ختم کیا تو تفرقہ پرستی، تعصب پسندی، گروہ بندی میں مبتلا ہو گئے۔ اسلام مسلمانوں کو رواداری کا درس دیتا ہے۔ اسلام میں انتہاء پسندی ، شدت پسندی، اور تعصبانہ رویے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے تعصب، گروہ بندی اور دین، مذہب، رنگ و نسل اور علاقے کے فرق کو مٹا کر تمام انسانوں سے برابری کے سلوک کا حکم دیتا ہے۔ نیشنل ایکشن پلان کے ذریعے فرقہ وارانہ تعصبات، لسانی و علاقائی عصبیت معاشرے میں اتحاد و ہم آہنگی کی فضا قائم کرنے کی ضرورت ہے اور چھوٹے صوبوں کا احساس محرومی ختم کر کے انہیں ملکی ترقی کی دوڑ میں شامل کرنا چاہیے اس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

مبحث اول

مذہبی تعصب سے بچنا اور التزام جماعت کا حکم

مذہبی تعصب کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے تمام دینی جماعتوں کا ایک جگہ جمع ہونا ضروری ہے اس کے لیے سب سے پہلے مذہبی جماعتوں کا رضامند ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾[1]

ترجمہ: (اے مسلمانو!) ہم نے تمہارے لیے از قسم دین وہی مقرر کیا ہے کہ جس کی ہم نے وصیت کی تھی۔ نوحؑ کو اور جس کی وحی کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ قائم کرو دین کو اور اس کے بارے میں ٹکڑے ٹکڑے مت ہو جاؤ۔

یہ آیت اتحاد امت کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتی ہے جیسا کہ شرع لکم من الدین، سے مراد وہی دین ہے جو دوسرے پیغمبروں پر نازل ہوتا رہا اور ولاتتفرقوا سے مراد فرقہ فرقہ مت ہو جاؤ، گروہوں میں تقسیم مت ہو جاؤ۔ کوئی بھی پیغمبر ہو ان سب کا تعلق ایک ہی ملت سے ہے۔ ان سب کو ایک ہی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارا رب ہوں۔ تمھیں میرا حکم ماننا ہے اور میری ہی عبادت کرو، اسی کو دین کہتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ ، وَالْفُرْقَةُ عَذَابٌ))[2]

ترجمہ: جماعت رحمت ہوتی ہے اور عذاب کو دور کرنے کا سبب ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا نزول کرتے ہیں جماعت کی یہ بھی خوبی ہے کہ یہ عذاب کو دور کرنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بندوں سے اچھے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے:

((مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ))[3]

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۳

(۲) مدخل لدراسۃ العقیدۃ الاسلامیۃ، عثمان جمعۃ ضمیریۃ، مکتبۃ السوادی للتوزیع، طبع دوم، ۱۴۱۷ھ، مصطلحات و تعریفات، ۱/ ۱۴۰

(۳) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث نمبر: ۶۵۰۲، ۸/ ۱۰۵

ترجمہ: جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی برتتے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں اور میرا قرب حاصل کرنے کے لئے بندے کا سب سے بہتر کام یہ کہ وہ فرائض ادا کرے۔

چنانچہ اچھے تعلقات رکھنا فرائض میں شامل ہے اس سے آنحضرت ﷺ کا قرب حاصل ہو گا۔ اس کے لئے دینی و سیاسی جماعتوں کو درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

۱۔ دینی مسالک کا تعاون

دینی مسالک کے تعاون کے لئے دینی جماعتوں کو صبر و تحمل اور برداشت کا مادہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے باہمی تعاون اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

۱۔ دینی میگزین اور مختلف قسم کی مجالس میں جذباتی مباحثوں، مناظروں، تحریروں اور تقریروں سے گریز کرنا چاہیے۔

۲۔ مسلکی اختلافات کو فتح و شکست نہ سمجھا جائے۔

۳۔ بین المسالک اختلافات کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کرنا درست نہیں۔

٤۔ مسالک اور علماء کرام کے درمیان اختلافات کو عوامی سطح تک نہ لایا جائے بلکہ تحقیقی و علمی سطح تک رکھا جائے۔

٥۔ سنجیدہ، قابل علماء اور ذمہ داری نبھانے والے علماء کا تقرر کیا جائے۔

٦۔ اختلافات و تعصبات کی بجائے برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے اور قومی وحدت کے لیے بیرونی حمایت کو رد کرنا چاہیے۔

۲۔ مساجد کا کردار

مساجد کا احترام کرتے ہوئے علماء کو چاہیے کہ مساجد کو ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ کے لئے استعمال کریں اس کے لئے درج ذیل اقدامات کرنے چاہیں:

۱۔ جمعہ و عیدین کے خطبات میں باہمی ہم آہنگی کو فروغ اور رواداری اور امن وامان کی فضا قائم کرنے کا درس دیا جائے۔

۲۔ مسجدوں کو بغیر کسی تعصب کے لوگوں کو دینی تعلیم و تربیت دینے کے لیے استعمال کیا جائے۔

۳۔ اگر کوئی مسجد کسی خاص مسلک کی ہو تو دوسرے مسلک کے افراد اپنا رعب جمانے کی کوشش نہ کریں۔ اس سے فتنہ و فساد پھیلتا ہے۔

۳۔ دینی مدارس کا کردار

دینی مدارس کو ملک میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اس کے لئے دین اور دنیا میں توازن پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ دینی مدارس کا بنیادی مقصد دین کی تعلیم دینا ہے نہ کہ کسی ایک مسلک کی حمایت کرنا۔ نصاب کا مقصد آنے والی نسلوں میں جذبہ حب الوطنی اور دینی خدمات پیدا کرنے کا باعث بنے۔

۲۔ مدارس میں اختلافی مسائل کو زیر بحث نہ لایا جائے اور نہ کسی دوسرے مسلک کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ دینی مدارس کو صرف دینی تعلیم تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ مدرسوں کے علاوہ نوجوان نسل جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھتی ہے، گرمیوں کی چھٹیوں میں دینی تعلیم کے لیے استعمال کیا جائے۔

۴۔ مدرسوں کا نصاب عصر جدید، جدید علوم و ٹیکنالوجی کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے جو ملک کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد پیدا کر سکے۔

۴۔ دینی دعوت واصلاح

معاشرے میں روز بروز بڑھتے ہوئے تعصب، فساد، اخلاقی بگاڑ، بے دینی کے سبب ہے، جس کی بڑی وجہ دین سے دوری اور مغرب کی اندھی تقلید ہے چنانچہ دینی و سیاسی جماعتوں کو درج ذیل اقدامات کرنے کی ضرورت ہے:

ا۔ علماء کرام کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی تمام تر توانائیاں مثبت سرگرمیوں کی طرف مرکوز کرنی چاہیں۔

۲۔ خدمت خلق کا جذبہ ہر وقت ہمارے اساتذہ اور شاگردوں میں رہنا چاہیے۔

۳۔ مذہبی و دینی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ مسلک کی بنا پر سیاسی جماعتیں بنانے کے بجائے پاکستان میں نفاذ شریعت کے ایک نقطے پر اکٹھے ہو کر مضبوط سیاسی جماعت بنائیں تاکہ ان کی جماعت کی اکثریت ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ ان کا ساتھ دیں۔

۴۔ الیکشن کے دوران مختلف دینی وسیاسی جماعتوں کا آپس میں الجھنا نہیں چاہیے لہٰذا تمام جماعتوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ اخلاق و ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے ملک و قوم کی خدمت کریں۔[1]

پاکستان کی بنیاد چونکہ دو قومی نظریے پر ہے۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس کی بنیاد میں تمام قومیتوں ، مسالک و مذاہب، طبقات، تمام لوگوں کی کوششیں شامل تھیں اس کی جدوجہد میں کوئی ایک گروہ یا فرقہ یا مسلک شامل نہیں تھا بلکہ برصغیر پاک وہند میں موجود مسلمان اور مختلف مذاہب کے پیروکار اور اقلیتیں بھی شامل تھیں۔ آج بھی اسی اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔

(۱) نفاذ شریعت کے حوالے سے تمام مکاتب فکر کے جید علماء کے پندرہ نکات، ملی مجلس شرعی، اقبال ٹاؤن، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۱۷-۲۰

مبحث دوم

لسانی، علاقائی، جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور حل

۱۔ مذہبی تعصب کی بجائے اصلاحی و تبلیغی عمل

اسلامی معاشرے کا استحکام اس عمل میں مضمر ہے کہ جس میں ایک کامیاب اور اصلاحی معاشرے کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے۔ یہ اصلاحی و تبلیغی عمل امت محمدی کے لئے جاری کر دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[۱]

ترجمہ: اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾[۲]

ترجمہ: تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی ہو لوگوں کے لئے، بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

ان آیات میں ایک ایسے معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے جس میں نیکی اور بھلائی کی جدوجہد کی جاتی ہے اور برائی اور بدی سے روکا جاتا ہے ایسے معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت، برکات نازل ہوتی ہیں اور ایسا معاشرہ ہی کامیاب اور مستحکم کہلاتا ہے کیونکہ اس کی بنیادوں میں کتاب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا جذبہ عمل موجود ہوتا ہے اس کی وجہ سے یہ معاشرہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے کیونکہ انسان اللہ اور رسول سے مضبوط تعلق میں بندھے ہوتے ہیں۔

۲۔ لسانی و جغرافیائی تعصب کی بجائے اصلاح بین الناس

اسلامی معاشرے کی ایک سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں لوگوں میں باہمی نزاع اور جھگڑے کی صورت میں لوگوں کے درمیان میں افہام تفہیم اور صلح کرانے کی کوشش کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۰۴

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۱۰

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے کا حکم دیا ہے اور نزاع و جھگڑے کی صورت میں صلح و امن کا راستہ اختیار کرنے اور معاف کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس طرح سورۃ الشوری میں فرمایا:

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللهِ﴾[2]

ترجمہ: سو جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کروانا اور معاف کر دینے کا بہت ثواب ہے اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث بھی وضاحت کرتی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کو اپنی عزت سمجھنا چاہیے اور دوسرے شخص کو اس کی بے عزتی سے روکنا چاہیے۔

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[3]

ترجمہ: جو شخص اپنے بھائی کی بے عزتی کرنے سے کسی کو روکے تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کے چہرہ کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔

معاشرے میں صلح و صفائی کو فروغ دینے سے امن قائم ہوتا ہے اس سے مسلمانوں کے آپس کے تعلقات درست ہوتے ہیں اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾[4]

ترجمہ: سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں تعلقات کو درست کرلو۔

اسلامی معاشرے کے استحکام کے لیے ضروری ہے افراد آپس میں رواداری سے رہیں۔ جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا انسانوں کے ساتھ باہمی اخلاق کا رویہ رکھو اور دینی معاملات میں کسی قسم کی نرمی نہ برتو۔

((خَالِطُوا النَّاسَ بِأَخْلَاقِهِمْ وَخَالِفُوهُمْ فِي أَعْمَالِهِمْ))[5]

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۰

(۲) سورۃ الشوری: ۴۲/ ۴۰

(۳) جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الذب، حدیث نمبر: ۱۹۳۱، ۴/ ۳۲۷

(۴) سورۃ الانفال: ۸/ ۱

(۵) کنز العمال في سنن الاقوال والافعال، علاء الدین علی الھندی (وفات: ۹۷۵ھ)، محقق: بکری حیانی، صفوۃ السقا، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع خامس ۱۴۰۱ھ، کتاب الثالث فی الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق، حدیث نمبر: ۵۲۳۰، ۳/ ۱۷

ترجمہ: لوگوں سے اپنے اخلاق کے ذریعے ربط و ضبط رکھو مگر اپنے دینی اعمال کے معاملے میں کوئی رواداری اور مداہنت نہ برتو۔

ہم آہنگی کے بارے میں دین اسلام نے خوشخبری سنائی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام کو لاگو کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے صالح معاشرے کو مغلوب نہیں ہونے دیتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنتُمُ الأَعلَونَ إِن كُنتُم مُؤمِنينَ﴾(۱)

ترجمہ: اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے۔

صالح معاشرہ ہی مستحکم اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اللہ کے دین کی مدد کے لیے ہر لحہ محوِ عمل رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُركُم وَيُثَبِّت أَقدامَكُم﴾(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عنایت فرمائے گا۔

مدد اور فتح ان لوگوں کے حصے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام کو نافذ کرتے رہیں اور آنحضرت ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنا تن من دھن قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔ اللہ کے دین کو غالب کرنا اللہ کا ساتھ دینا ہے اس کے حکم کو نافذ کرنے میں۔ جس معاشرے میں دین کی فتح کا عمل جاری رہے گا اسے اللہ تعالیٰ کی حمایت جاری رہے گی اور ایسا معاشرہ مستحکم معاشرہ کہلائے گا۔

۳۔ ناانصافی کی بجائے عدل اجتماعی

عدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو عدل کے ساتھ فیصلہ کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾(۳)

ترجمہ: اور اللہ حق کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔

انصاف پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔ انصاف کرنے میں رشتہ داری اور اور دشمنی کو بھی ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے۔ ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۱۳۹

(۲) سورۃ محمد: ۴۷/۷

(۳) سورۃ المومن: ۴۰/۲۰

﴿كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾[1]

ترجمہ: اللہ کے لئے قائم ہونے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم سے تمہاری دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہ بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ مخالف گروہ اور دشمنوں سے بھی عدل کیا جائے۔ قرآن میں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ جب ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو انسان کو اپنی ذات یا رشتے داروں کے خلاف بھی فیصلہ دینا پڑے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾[2]

ترجمہ: جب آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ صادر کریں۔

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ جاری ہوئے کہ:

﴿وَأُمِرتُ لِأَعدِلَ بَينَكُمُ﴾[3]

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

((إذا رَأَيْت أمتِي تهاب أَن تَقول للظالم يَا ظَالِم، فقد تودع مِنْهُم))[4]

ترجمہ: اگر میری امت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈر جائے تو سمجھ لو کہ اب اس کی خیر نہیں۔

لہذا انصاف نہ کرنے والے کو آنحضرت ﷺ نے پکڑ کی وعید سنائی ہے۔ کسی صورت میں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے غرض کہ عدل اجتماعی اسلامی معاشرے کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں عدل اجتماعی کو امام السرخسی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی بیت عقبہ کی رو سے ہر قبیلے میں نقیب مقرر کئے اس کے علاوہ ایک عریف (دس آدمیوں پر ایک عہدے

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۸

(۲) المائدۃ: ۵/ ۴۲

(۳) الشوری: ۴۲/ ۱۵

(۴) السنن والمبتدعات المتعلقۃ بالاذکار والصلوات، محمد بن احمد عبد السلام خضر الشقیری الحوامدی، (وفات: ۱۳۵۲ھ)، دار الفکر، بیروت، باب ۲۹، فصل خطاب عام الی کافۃ علماء، ۱/ ۴۲۲

دار) مقرر کیا۔ جب نقیب کے فیصلے سے ناراضگی ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے پاس مرافع ہوتا تھا، مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے قاضی مقرر فرمائے تھے، جو فیصلہ کرتے تھے۔"(۱)

٤۔ تشدد پسندی کی بجائے رواداری کو فروغ

اسلام چونکہ امن و سلامتی کا مذہب ہے اور داعی امن واخوت والا دین ہے اس میں تشدد پسندی، قتل، جھگڑے اور غصہ و اشتعال کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلام میں تشدد کی بجائے صلح و مفاہمت پر زور دیا گیا ہے۔ اور تنازعات کو بڑھانے اور ہوا دینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنت لهمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْب لاَ نفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُم﴾(۲)

ترجمہ: (اے پیغمبر ﷺ!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔

ایسے لوگ جو امن کے داعی ہوتے ہیں وہ غصیلے نہیں ہوتے بلکہ نرم خو اور دھیمے مزاج کے لوگ ہوتے ہیں اور وہ انتقام پر یقین نہیں رکھتے اور انسانوں سے درگذر، رواداری اور چشم پوشی کا معاملہ کرتے ہیں اور کسی بات پر غصہ آجائے تو غصہ پی جاتے ہیں۔ یہ انسان کی بہترین صفتوں میں سے ایک صفت ہے جسے قرآن مجید میں نہایت قابل تعریف قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾(۳)

ترجمہ: جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو پسند ہیں۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی نے اس طرح بیان کی ہے:

---

(۱) المبسوط، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۳۱ھ، ص:۱۰۹

(۲) سورۃ آل عمران:۳/۱۵۹

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۱۳۴

"إن العَبْد ليبلغ بِحسن خلقه عَظِيم دَرَجَات الْآخِرَة وشرفات الْمنَازل وَأَنه لضعيف الْعِبَادَة وَأَنه ليبلغ بِسوء خلقه أَسْفَل دَرَجَة فِي جَهَنَّم"[1]

ترجمہ: بلاشبہ بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے آخرت کے بڑے درجات اور اونچی منزلیں پالیتاہے جبکہ وہ عبادت کی وجہ سے کمزور ہوتا ہے اور بلاشبہ اپنے برے اخلاق کی وجہ سے جہنم میں سب سے نچلے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی اچھے اخلاق اور نرمی پر زور دیا گیاہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((وتَهَادَوْا تَحَابُّوا، وتذهب الشحْنَاء))[2]

ترجمہ: ایک دوسرے کو تحفے تحائف دو آپس میں محبت بڑھے گی اور دشمنی دور ہو جائے گی۔

((لَا تَكُونُوا إِمَّعَةً، تَقُولُونَ: إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا، وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا،وَلَكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ، إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا،وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا))[3]

ترجمہ: تم میں سے کوئی بے وقوفوں کی طرح یہ نہ کہے کہ میں لوگوں کے ساتھ ہوں، اگر لوگ اچھے کام کریں گے تو میں بھی اچھے کام کروں گا، اور اگر لوگ برے کام کریں گے تو میں بھی برے کام کروں گا بلکہ اپنے آپ کو مضبوط بناؤ اگر لوگ اچھے کام کریں تو تم بھی اچھے کام کرو اور اگر لوگ برے کام کریں تو تم ان کی برائی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کے کامیاب داعی ہونے کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ غصے سے پرہیز کرتے تھے اور ہمیشہ نرم خو رہتے۔

۵۔ تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری

مذہبی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری کو فروغ دیا جائے۔ اسلام بھی مسلمانوں میں باہمی رواداری کا درس دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

(۱) تفسیر الدر المنثور، ۲/ ۳۲۱

(۲) مشکوۃ المصابیح، محقق: محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۹۸۵ء، کتاب الاداب، باب المصافحہ، فصل ۳، حدیث نمبر: ۴۶۹۳، ۳/ ۱۳۳۰

(۳) جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الاحسان والعفو، حدیث نمبر: ۲۰۰۷، ۴/ ۳۶۴

﴿وَ لَا تُجَادِلُوْا اَهلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[1]

ترجمہ: اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب (احسن) طریقہ کے مباحثہ مت کرو۔

آپس میں محبت رکھنے کو آپ ﷺ نے اس طریقے سے واضح کیا:

((إِنَّ اللهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي))[2]

ترجمہ: اللہ تعالی روز قیامت فرمائے گا آج وہ کہاں ہیں؟ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ پاؤ گے۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح کی ہے:

"سوائے میرے سائے کے یعنی میری پناہ کے یا میری نعمت کے یا میرے عرش کے سایہ کے، اللہ تعالی کے لئے محبت وہ ہے جو اس کی تعمیل حکم اور اس کی رضامندی کے لئے ہو جیسے محبت رکھنا دینداروں سے عالموں سے پرہیزگاروں سے۔"[3]

((أَصْلِحْ بَيْنَ النَّاسِ وَلَوْ بِالكَذِب))[4]

ترجمہ: لوگوں کے درمیان اصلاح کرو اگر تم کو جھوٹ بولنا پڑے۔

مسلمانوں کے درمیان باہمی رواداری اسلامی معاشرے کی نمایاں خصوصیت ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ تنگ نظری کا رویہ نہیں اپناتے اور آپس کے جھگڑے باہمی افہام و تفہیم سے حل کر لیتے ہیں۔ وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور عدم برداشت سے گریز کرتے ہیں۔ تنگ نظری سے چونکہ معاشرہ کمزور ہوتا ہے اس لیے اہل اسلام کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ تمام معاملات میں تنگ نظری سے اجتناب کریں اور کھلے دل، ذہن، نظر سے اپنے معاشرے کی وحدت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

۶۔ استحصال کی بجائے فراخدلی کا مظاہرہ

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۴۶

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، دارالسلام، کتاب البر والصلۃ، باب فی فضل الحب، حدیث نمبر: ۶۵۴۸، ۶/ ۲۰۰

(۳) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، دارالسلام، ۶/ ۲۰۰

(۴) المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد ابو القاسم الطبرانی (وفات: ۳۶۰ھ)، محقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، طبع دوم، باب القاف، قیس بن عائذ، ۱۸/ ۳۶۱

اسلام ہر قسم کے استحصال کے خلاف ہے وہ مذہبی، لسانی، جغرافیائی یا علاقائی ہو۔ اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔ ڈاکٹر سید تنویر نے استحصال کی وضاحت ایسے کی ہے:

"استحصال سے مراد کسی کی کمزوری کا غلط فائدہ اٹھانا ہے۔ استحصال ان معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ اپنے کام کے لیے یا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے دوسرے کو استعمال کرنا۔"(۱)

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے لین دین آپس کی رضامندی سے ہو۔

اسلام میں ہے کہ استحصال کی بجائے جائز طریقوں سے دولت کمائی جائے اور کمائی ہوئی دولت کو جمع کرنے سے بہتر ہے کہ اس میں سے غریبوں اور ناداروں کا حصہ نکالا جائے۔ ایسا کرنے سے دولت گردش کرتی ہے اور جو لوگ دولت جمع کر کے رکھتے ہیں وہ بدترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پورے معاشرے کے خلاف جرم کے ارتکاب کا باعث بنتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾(۳)

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

استحصال کرنے والا شخص یا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو ضائع ہو جائے گا کیونکہ لالچ میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ اسلام کے نزدیک وہ مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ اس کا بہتر فائدہ تمھاری طرف لوٹ کر آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْخَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾(۴)

---

(۱) اسلام اور جدید افکار، ص:۵۱۱

(۲) سورۃ النساء:۴/ ۲۹

(۳) سورۃ التوبۃ:۹/ ۳۴

(۴) سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۷۲

ترجمہ: اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کروگے وہ تم کو پورا پورا ملے گا اور تم پر ہر گز ظلم نہ ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر میں اس وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

"إذا عطيت لِوَجْهِ اللّٰهِ فَلَا عَلَيْكَ مَا كَانَ عَمَلُهُ. وَهَذَا مَعْنًى حَسَنٌ وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْمُتَصَدِّقَ إِذَا تَصَدَّقَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَلَا عَلَيْهِ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لِمَنْ أَصَابَ أَلِبَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ أَوْ مُسْتَحَقٍّ أو غيره، وهو مُثَابٌ عَلَى قَصْدِهِ"[۱]

ترجمہ: جب تم نے اپنی مرضی سے مولا اور رضائے رب کیلئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی بھی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو، یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے، حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا ہے۔ اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے یا غیر مستحق کے، اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا۔

۷۔ تفاخر کی بجائے تقویٰ کو فروغ

تفاخر عربی زبان کا لفظ ہے اور فخر سے نکلا ہے اس کے معنی غرور، فخر کے ہیں[۲]۔ انگریزی میں اس کے لیے Pride کا لفظ استعمال ہوتا ہے[۳]۔ تفاخر کے اسباب میں خوبصورتی، حسب و نسب، قوت و اختیار وغیرہ ہے۔ تفاخر میں مبتلا شخص خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے جیسا کہ علاقائی، نسلی، لسانی یا مذہبی تفاخر میں مبتلا ہونا ہے۔[۴]

قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُورًا﴾[۵]

ترجمہ: یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾[٦]

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۴۲

(۲) القاموس الجدید عربی اردو لغت، ص: ۶۹۰

(۳) القاموس قاموس عربی-انگلیزی، ص: ۸۱۷

(۴) اسلام اور جدید افکار، ص: ۵۱۵

(۵) سورۃ النساء: ۴/ ۳۶

(۶) سورۃ الحدید: ۵۷/ ۲۳

ترجمہ: اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔

اسی طرح حدیث میں بھی ایمان کی مضبوطی کے لئے دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

((إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللهِ، وَأَنْ تَبْغُضَ فِي اللهِ))(۱)

ترجمہ: ایمان کی مضبوط ترین رسیاں دو ہیں: اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ ہی کی خاطر نفرت کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی فضیلت کا حقدار ہے تو وہ صرف پرہیز گاری اور تقوی کا حامل انسان ہے۔ چونکہ تفاخر اور خود پسندی معاشرے کے افراد میں فاصلے پیدا کرتے ہیں اور منافرت کو اور عدم استحکام کو ہوا دیتے ہیں اس لیے اسلامی معاشرے میں تفاخر، تکبر کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑے پیمانے پر درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

۱۔ پاکستان میں نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصب کی بجائے اسلامی اصول و ضوابط اور قوانین کا نفاذ ناگزیر ہے۔

۲۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ قرآن و سنت کے مطابق اسلامی اقدار و شعار کے فروغ کے لیے کوششیں کرے۔

۳۔ رشتہ اتحاد و اخوت قائم کر کے عصبیت جاہلیہ کی کی بنیادوں پر نسلی، علاقائی و جغرافیائی اور مادیت پرستی کی بجائے مسلمانوں کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کیا جائے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہے کہ وہ بلاامتیاز، رنگ و نسل، مذہب کے انسانوں کی بنیادی انسانی ضروریات کا خیال رکھیں۔

۵۔ پاکستان میں رہنے والے تمام لوگوں کو وہی حقوق دیئے جائیں گے جو قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں۔

۶۔ کسی شہری کو حق حاصل نہیں کہ دوسرے شہری کے حق پر ڈاکہ ڈالے اور کسی جرم کے بغیر اور صفائی بیان کیے بغیر عدالت اسے سزا دے۔

۷۔ اسلامی فرقوں اور مسالک کو قانون کے اندر رہتے ہوئے پوری مذہبی آزادی ہونی چاہیے۔

---

(۱) مسند احمد، مسند الکوفین، حدیث البراء بن عازب، حدیث نمبر: ۱۸۵۲۴، ۴۸۸/۳۰

۸۔ غیر مسلم رعایا کو قانون کی حدود میں رہ کر اپنے رسم و رواج، مذاہب و عبادات، اور تعلیم کی پوری آزادی ہونی چاہیے اور انہیں اپنے معاملات میں مذہبی آزادی ہونی چاہیے

۹۔ غیر مسلم افراد سے شریعہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہے۔

۱۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی جو اسلامی ریاست کے اصولوں کے خلاف ہوں۔

۱۱۔ ملک کے مختلف علاقوں کے اجزاء انتظامی تصور کیے جائیں گے۔ ان کی حیثیت، لسانی، جغرافیائی وعلاقائی وحدت کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہونی چاہیے۔[۱]

مذہبی، مسلکی، لسانی، اور جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے لئے ملک کے تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ معاشرہ چونکہ افراد سے مل کر بنتا ہے اس لئے تمام افراد کو اپنے فرائض پوری ایمانداری سے سرانجام دینے چاہیں۔ ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کے ساتھ تحمل و بردباری سے پیش آئیں اور محبت واخوت اور رواداری کے رویے کو فروغ دیں۔

---

(۱) نفاذ شریعت کے حوالے سے تمام مکاتب فکر کے جید علماء کے پندرہ نکات، ص:۲۴-۲۸

باب چہارم: امن پاکستان اور سیاسی مسائل

فصل اوّل: ارباب اختیار میں اہلیت کا فقدان

فصل دوم: آزادانہ اداروں کے قیام میں حکومت کا کردار

فصل سوم: قومی پالیسیوں کی تشکیل میں بیرونی مداخلت

فصل چہارم: علاقائی حقوق کی محرومیاں

فصل اول: ارباب اختیار میں اہلیت کا فقدان

مبحث اول: حکمران کے لئے اہلیت کا معیار

مبحث دوم: معزول خلیفہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات

اسلامی نظام حکومت اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر دوسرے سیاسی نظاموں سے برتر ہے۔ یہ تصور حکمرانی امیر اور غریب میں فرق نہیں کرتا بلکہ مختلف مکاتب فکر کے افراد کے درمیان اتحاد و یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کر کے مملکت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ اس نظام حکومت کی یہ خوبی ہے کہ یہ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی انسان کی کامیابی اور کامرانی کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تاکہ وہ معاشرے میں رہتے ہوئے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایک صالح اور پر امن معاشرے کی بنیاد رکھے۔ پاکستان چونکہ ایک نظریے کے تحت وجود میں آیا جس میں اسے ایک فلاحی اسلامی مملکت بنانے کی تحریک بھی شامل تھی۔ پاکستان بننے اور قائداعظم محمد علی جناح کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ملک کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جس میں سے ایک اہم مسئلہ مخلص اور قابل قیادت کا نہ ہونا تھا۔ ملک میں امن قائم کرنے میں سیاست کا اہم کردار ہے کسی بھی حکومت کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہو کہ اس کی کارکردگی کیسی ہے؟ امن ہی وہ پیمانہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے امن قائم کرنے کے لئے جدوجہد کی اور معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے سزاؤں پر عملدرآمد کروایا۔

ایک سیاستدان کے لیے عملیت پسند ہونا بہت ضروری ہے۔ حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ اسے خود بھی دوسروں کے لئے اپنے مثبت کردار میں مثالی نمونہ بننا چاہیے تاکہ وہ اکثریت کی حمایت حاصل کر سکے۔ جمہوریت کا مطلب ہے کہ سیاسی فیصلوں میں عوام کی رائے کو شامل کیا جائے اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جو غیر سیاسی اور غیر اخلاقی حرکت ہو۔ موجودہ دور میں معاشرتی برائیوں سے بچنے کے لیے ہمیں اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ اچھے حکمران آئیں اور ایسے حکمران آئیں جو اپنی ذمہ داریاں قرآن و سنت کی روشنی میں ادا کر سکیں۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾[1]

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں ملک میں دسترس (اختیار) دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے لیے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکمرانوں کے فرائض کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جسے اللہ سونپے اسے چاہیے کہ اسلامی اصول و ضوابط کو لاگو کرے اور اللہ تعالیٰ اس کا صلہ ضرور دیں گے۔

(۱) سورۃ الحج: ۲۲/ ۴۱

ارباب اختیار میں وہ تمام صلاحیتیں اور اہلیتیں ہونی چاہیں جو کہ ایک کامیاب مسلمان حکمران ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ آنحضرت محمد ﷺ کی متعدد احادیث سے اہل قیادت کو اقتدار سونپنے کی ہدایات کی گئی ہیں اور نا اہل قیادت کو اقتدار کے ملنے کو ہلاکت کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اسے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ))(۱)

ترجمہ: جب تم دیکھو منصب نااہل کو سونپا جارہا ہے تو قیامت کا انتظار کرو۔

چنانچہ ملک میں بدامنی اور بے چینی کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اقتدار اہل قیادت کے حوالے کیا جائے جو اپنی ذمہ داریاں درست طریقے سے نبھانے کی اہل ہو اور عوام کے حقوق کا خیال رکھے۔ حکمران اور عوام میں فاصلے بڑھنے نہیں چاہیں اگر یہ فاصلے زیادہ دیر تک برقرار رہیں تو نفرت میں بدل جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکمران چونکہ عوام کی طرف سے منتخب نمائندہ ہوتا ہے اور حکمرانی اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہوتی ہے اور اس امانت کا اللہ تعالیٰ اس سے مؤاخذہ بھی کریں گے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ اَمِيْرٍ يَّلِىْ اَمَرَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَ يَنْصَحُ اِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ))(۲)

ترجمہ: کوئی ایسا شخص جسے مسلمانوں کے امور کا امیر بنایا گیا ہے پھر اس نے ان امور کو صحیح طور پر چلانے کے لیے پوری جدوجہد نہیں کی تو ایسا امیر کبھی ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

گویا حکمران کے لئے امانت داری کو جنت میں داخلے کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَامِنْ وَالٍ يَّلِىْ رَعِيَّةً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٍ لَّهُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))(۳)

ترجمہ: مسلمانوں کا کوئی والی ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے اسے مسلمان رعیت دی ہو اور وہ مرے اس حال میں وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سئل علم، حدیث نمبر: ۵۹، ۱/۲۱

(۲) صحیح بخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۸۱ء، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، حدیث نمبر: ۴۷۳۱، ۵/۱۲۴

(۳) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح، حدیث نمبر: ۷۱۵۱، ۱۸/۶۵

دھوکہ دہی اور خیانت بہت بڑے جرم اور معاشرتی برائیوں میں شمار ہوتے ہیں ایسا کرنے سے مسلمان حکمران جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ مسلمان حکمران کو اس سے منع کیا گیا ہے۔امانت میں خیانت کرنے والا حکمران جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يَّسْتَرْعِيْهِ يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ هُوَ غَاشٍ لِّرَعِيَّتِه اِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))[1]

ترجمہ: کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ ایک رعایا دے پھر وہ مرے جس دن تو رعیت کے حقوق میں خیانت کا مرتکب ہونے والا ہو تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

امن و امان قائم کرنا چونکہ اسلامی ریاست کے حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھے۔ ہر ضرورت مند شخص کو حکومت کے خزانے سے ضرورت پوری کرنے کے لئے معقول خرچہ دے جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ))[2]

ترجمہ: پس سلطان اس کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہیں۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کا ولی حکمران ہے جس کا کوئی نہیں، اسی طرح اس مظلوم شخص کا بھی سرپرست ہے جس کا کوئی نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، حدیث نمبر: ۴۷۲۹، ۵/ ۱۲۴

(۳) جامع ترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر، محمد فواد عبد الباقی، ابراہیم عطوۃ عوض المدرس فی الازہر الشریف، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع دوم، ۱۳۹۵ھ، ابواب النکاح، کتاب ماجاء لا نکاح، حدیث نمبر ۱۱۰۲، ۲/ ۳۹۸

مبحث اول

حکمران کے لئے اہلیت کا معیار

ایک مسلمان حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت میں بتائے گئے حکمرانی کے اہلیت کے معیار پر پورا اترے۔ ذمہ دار اور امانت دار ہونے کی اہلیت کو اسلام اور قرآن نے بھی لازمی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾[1]

ترجمہ: مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کردو۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو لین دین کے اصول بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق دار کو اس کا حق ادا کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں حکمران کے امور و فرائض کو اس طرح بیان کیا ہے:

"لِيَفْصِلَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اختلفوا فِيهِ وَيَقْطَعَ تَنَازُعَهُمْ وَيَنْتَصِرَ لِمَظْلُومِهِمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ وَيُقِيمَ الْحُدُودَ وَيَزْجُرَ عَنْ تَعَاطِي الْفَوَاحِشِ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الْمُهِمَّةِ الَّتِي لَا تمكن إِقَامَتُهَا إِلَّا بِالْإِمَامِ"[2]

ترجمہ: امیر لوگوں کے اختلافات کے فیصلہ کرتا، ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی امداد کرتا، شرعی حدود قائم کرتا، فواحش اور منکرات پر لوگوں کو ڈانٹ پلاتا اور اس قسم کے دوسرے امور سرانجام دیتا ہے جو کہ سوائے تلوار کے قائم نہیں ہوتے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امیر کا فہم و فراست اور موقع محل کے مطابق فیصلے کرنے کی استطاعت کا ہونا ضروری ہے اور معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے بہادر اور شجاعت کا پیکر ہونا بھی ضروری ہے۔ ایسے شخص کو منصب سونپنا چاہیے جو صحیح معنوں میں اس کا مستحق ہو جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا، فَوَلَّى رَجُلًا وَهُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِينَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ))[3]

ترجمہ: جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی و حاکم بنادیا کہ اس سے بہتر اور اصلح للمسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

(۲) تفسیر ابن کثیر، ذکر اقوال المفسرین ببسط ماذکرناہ، ۱/ ۱۲۹

(۳) السیاسۃ الشرعیۃ، تقی الدین محمد ابن تیمیۃ (وفات ۷۲۸ھ)، وزارۃ الشئون الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول، ۱۴۱۸ھ، فصل انواع اداء الامانات، القسم الاول الولایات، ۱/ ۷

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا شخص جو اہلیت کے اعتبار سے اس شخص سے بہتر حاکم کی صفات رکھتا تھا جسے حاکم بنایا گیا ہے تو یہ اللہ اور اس کے رسول سے امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے اصول و قوانین حتمی ہیں۔ ایسے لوگوں کو کام سونپا جائے جو اس کام کے کرنے کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے نہ کہ تعلقات اور اثر و رسوخ کو اہمیت دی جائے۔ چودھری رحمت علی حکمرانوں کے فرائض اور خوبیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اسلامی نقطہ نظر سے حکمران انتظامی امور کا سربراہ ہونے کے علاوہ فوج کی نگرانی، قاضی القضاۃ اور دارالحکومت کی مرکزی مسجد کے امام کے امور بھی سرانجام دے گا اور تمام کام اچھے طریقے سے ادا ہوں۔"[۱]

قرآن مجید میں حکمران کے لیے چار اہلیتیں بیان کی گئی ہیں اور ان تمام لوگوں میں یہ اوصاف ہوں جو کسی بھی قسم کے مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار ہوں، یہ اہلیتیں درج ذیل ہیں:

ا۔ متقی و پرہیز گار ہونا

اسلامی ریاست میں حکمران کے لئے بنیادی اور پہلی شرط تقوی ہے۔ حکمران کو چاہیے کہ جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے منع ہو اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرے۔ حقوق و فرائض کے معاملے میں ہمیشہ اللہ تعالی سے ڈرے۔ اللہ تعالی ایسے لوگوں کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَاللهِ أَتقَاكُم﴾[۲]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، یعنی پرہیز گار ہو۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی نے ایسے بیان کی ہے:

"إِن الله أذهب نخوة الجَاهِلِيَّة وَتَكَبُّرَهَا بِآبَائِهَا كلكُمْ لآدَم وحواء كطف الصَّاع بالصاع وَإِن أكْرمكُم عِنْد الله أَتْقَاكُم"[۳]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ لے گیا (یعنی مٹایا ہے) جاہلیت کے غرور کو اور اپنے آباؤاجداد کی وجہ سے تکبر کرنے کو تم سب آدم اور حوا کی اولاد ہو۔ ایک صاع کے کنارے سے

---

(۱) خلافت ہمارے جملہ مسائل کا حل، چودھری رحمت علی، عابد محمود قریشی، خلافت پبلیکشنز، احمد منیر شہید روڈ، اچھرہ، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۶

(۲) سورۃ الحجرات: ۴۹/۱۳

(۳) الدر المنثور، ۷/۵۷۹

دوسرے صاع کے کنارے تک اور تم سب میں اللہ کے نزدیک بڑا معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے باعزت شخص اس کو قرار دیا ہے جو ہر معاملے میں اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کو اپنا شعار بنائے اور اللہ تعالی سے ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے:

﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[1]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

۲۔ صالح ہونا

صالح ہونا حکمران بننے کی بنیادی شرط ہے۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک ہوں گے انہیں بطور انعام خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾[2]

ترجمہ: اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔

اس آیت کی وضاحت میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"لما نزلت على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قال: بشر هَذِه الْأمة بالسنا والرفعة وَالدّين والنصر والتمكين فِي الأَرْض فَمن عمل مِنْهُم عمل الْآخِرَة للدنيا لم يكن لَهُ فِي الْآخِرَة من نصيب"[3]

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس رات کو بلندی دین کا غلبہ مدد اور زمین میں حکومت اور اختیارات کی بشارت دی۔ جس شخص نے آخرت کے عمل کو دنیا کے لیے کیا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۰۱

(۲) سورۃ النور: ۲۴/ ۵۵

(۳) الدر المنثور: ۶/ ۲۱۶

صرف الیکشن پر کھڑا ہونا اور ووٹ لیناہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہوں گے جن کے ہر عمل سے اصلاح، نیکوکاری، پرہیز گاری کی جھلک نظر آئے گی۔ اس حقیقت کو قرآن میں ایسے واضح کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث صالحین ہوں گے۔

حکمران پر یہ بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اقتدار میں آنے کے بعد لوگوں کو برائیوں سے منع کریں اچھی باتوں کا حکم دیں تاکہ معاشرے میں امن، رواداری اور باہمی اخوت کو فروغ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (۲)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

اس آیت میں مسلمان حکمران کو اللہ تعالی نے زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد کی ذمہ داریوں کے بارے میں بتایا ہے کہ ارکان اسلام کا عملی نفاذ کرے اس کے ساتھ ساتھ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔

۳۔ فہم و فراست کا ہونا

اسلامی ریاست کے امیر کا عقل مند، دور اندیش، عدل پسند ہونا ضروری ہے تاکہ وہ رعایا کے معاملات کو درست سمت میں چلائے۔ خلیفہ کے لیے ایک ضروری اہلیت علم کا جاننے والا، ماہر عالم و مدبر ہے۔ باصلاحیت، معاملہ فہم، صالح عادات، قوت ارادی کا مالک ہو۔ معاشرے کے مسائل پر گہری نظر رکھتا ہو۔ مسلسل جدوجہد، صحیح اجتہاد و استنباط کی اہلیت رکھتا ہو، حکمران کے لیے اس اہلیت کا ذکر قرآن میں یوں ہوتا ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَه مِنْهُمْ﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۱۰۵

(۲) سورۃ الحج: ۲۲/۴۱

(۳) سورۃ النساء: ۴/۸۳

ترجمہ: اگر یہ اسے (خبر کو) رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو
وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں
کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔

حکمران کی نظر ملک کے تمام امور پر ہوتی ہے اس لئے اس میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ ہر شعبے سے متعلقہ امور پر نظر رکھتے ہوئے صحیح نتیجے پر پہنچے۔ راغب اصفہانی حکمران کے لئے فہم و فراست کی اہمیت کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"لا تصلحون للسيادة قبل معرفة الفقه، والسياسة العامة"[1]

ترجمہ: قانونی فراست اور سیاست عامہ کی استعداد کے بغیر حکومت کرنا ناممکن ہے۔

لہذا حکمران کے لئے فہم و فراست کے بغیر حکمرانی کرنا ممکن نہیں کیونکہ سیاست میں تمام ملکی امور اور شعبوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا حکمران کا فرض ہے۔

۴-جسمانی طور پر صحت مند ہونا

حکمران کا جسمانی روحانی اور عقلی طور پر بھی صحت مند ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے نگرانی کے امور بخوبی انجام دے سکے۔ ایک بیمار شخص نگرانی کے امور پوری توجہ کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَه مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[2]

ترجمہ: نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمھارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی اور جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔ اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

اس آیت میں جو صفت بیان ہوئی ہے وہ جسمانی طور پر صحت مند اور تندرست ہونے کی ہے۔ کیونکہ حکمرانی کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جا سکتا جو کسی بھی قسم کی جسمانی بیماری کا شکار ہو جیسے لولا، لنگڑا، اندھا بہرا، بیمار، صنف نازک وغیرہ ہو جو حکمرانی جیسے بھاری بوجھ و امانت کا حق ادا نہ کر سکے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دولت، حسب نسب، شکل و صورت اور محض دکھاوا اہلیت کے معیار نہیں ہیں۔

---

(۱) الذریعة الی مکارم الشریعة، ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفهانی (وفات: ۵۰۲ھ)، تحقیق: ابو الیزید العجمی، دار السلام، القاہرة، ۲۰۰۷ء، باب الفرق بین محارم الشریعة، ۱/ ۸۴

(۲) سورة البقرہ: ۲/ ۲۴۷

مبحث دوم

معزول خلیفہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات

اسلامی ریاست میں ایک لمحہ بھی حاکم کے بغیر نہیں گزر سکتا۔ حکمران کے ظلم و زیادتیوں کو حتی الامکان حد تک برداشت کرنا چاہیے لیکن جب بات معصیت تک جا پہنچے تو پھر اطاعت واجب نہیں۔ ابن تیمیہ نے اسلام میں حکومت کی اہمیت کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"أن ولاية أمر النَّاسِ مِنْ أَعْظَمِ وَاجِبَاتِ الدِّينِ بَلْ لَا قيام للدين ولا للدنيا إِلَّا بِهَا"[1]

ترجمہ: اسلامی حکومت دین کے عظیم واجبات میں سے ہے، بلکہ اس کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

فیض القدیر میں حاکم کی اطاعت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی حدیث کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے:

" إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا: فَيَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَتُطِيْعُوا لِمَنْ وَلَاَّهُ اللهُ عَلَيْكُمْ أَمْرَكُمْ "[2]

ترجمہ: اللہ تعالی تمھارے تین کام پسند فرماتا ہے: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامو، اور اس سے جدا نہ ہو، اور اپنے امیر کے خیر خواہ رہو۔

خلافت کے منصب پر رہنے کا کوئی عرصہ متعین نہیں ہے، خلیفہ دو صورتوں میں عہدے سے ہٹایا جا سکتا ہے:

۱۔ قرآن کے مطابق اہلیت کا نہ ہو

۲۔ ذاتی وجوہات کی بنا پر ذمہ داریاں نبھانے سے معذرت کر لے۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا اَحَبَّ وَ كَرِهَ اِلَّا اَنْ يُّؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَ لَاطَاعَةٌ))[3]

---

(۱) السیاسۃ الشرعیۃ، فصل منزلۃ الولایۃ، ۱/۱۲۹

(۲) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤف القاھری (وفات: ۱۰۳۱ھ)، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، طبع اول، ۱۳۵۶ء، ص: ۷/۳

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامر، حدیث نمبر: ۴۷۶۳، ۵/۱۳۲

مسلمان پر سننا اور ماننا واجب ہے (حاکم کی بات کا) خواہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو
مگر جب حکم دیا جائے گناہ کا تو نہ سننا چاہیے نہ ماننا۔

عوام کا ہر فرد حکمران کے فیصلے ماننے کا پابند ہے چاہیے اس کی مرضی ہو یا نہ ہو، انکار صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب گناہ کے کام کرنے کو کہا جائے۔ ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ))(۱)

ترجمہ: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں بلکہ اطاعت اسی میں ہے جو اصول کی بات ہے۔

اللہ تعالی کی فرمانبرداری میں ہی اطاعت جائز ہے۔ اچھے اور برے حکمرانوں کی وضاحت کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ))(۲)

ترجمہ: بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو اور برے حاکم تمھارے وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمھارے دشمن ہیں۔ تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! ہم ایسے برے حاکموں کو تلوار سے نہ دفع کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، جب تک وہ نماز کو تم پر قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو (یعنی بغاوت نہ کرو)۔

وہ آخری حد جس پر خلیفہ کے خلاف بغاوت نہ کی جاسکتی ہو جب تک کہ وہ نماز پر قائم رہیں اور کرتے رہیں اس حدیث کی مختصر تشریح پروفیسر محمد یحیی سلطان نے ایسے کی ہے:

"حکمران جب تک معاشرے میں اسلام کے بنیادی رکن نماز کو قائم رکھنے کا اہتمام کرتے رہیں ان کی وہ ساری برائیاں اور مظالم نظر انداز کر دینے

---

(۱) ایضا، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامر، حدیث نمبر: ۴۷۶۵، ۵ / ۱۳۲

(۲) ایضا، کتاب الامارۃ، باب خیار الامۃ وشرارھم، حدیث نمبر: ۴۸۰۴، ۵ / ۱۴۴

چاہیں جن کی بنا پر لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں ،مسلمانوں کا اصل ہدف اتحاد قائم رکھنا اور اس اتحاد کے ذریعے سے ان کے معاشرے کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا ہے۔"[1]

((مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً))[2]

ترجمہ: جو شخص خلیفہ کی اطاعت سے دست کش ہو گا، وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لئے کوئی حجت نہ ہو گی، اور جو اس حال میں مرے گا کہ اس کی گردن میں خلافت کی بیعت نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

یہ قدرت کا قانون ہے کہ جب بھی حکمران اپنے فرائض صحیح طریقے سے انجام نہ دے تو اس ملک کا نظام تباہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب ملک کے انتظامی امور صالح حکمرانوں کی بجائے اللہ کے نظام کی بغاوت کرنے والے حکمرانوں کے ہاتھ میں آتے ہیں تو فساد برپا ہوتا ہے۔ اس کی تصویر قرآن حکیم نے اس انداز میں کھینچی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾[3]

ترجمہ: خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔

مسلمانوں کے عروج و زوال میں حکمرانی کا اہم کردار ہے جب تک دنیا میں مسلمانوں کی حکومت رہی تو انہوں نے ساری دنیا پر حکمرانی کی موجودہ دور میں خلافت کا وجود نہیں تو ہم غیر مسلموں، کفار و مشرکین کی غلامی کرنے پر مجبور ہیں یعنی وہ ترقی یافتہ ممالک ہیں اور ہم ترقی پذیر ملک۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"اسلام دین و دنیا اور جنت ارضی اور جنت سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا اور قیصر دو نہیں ہے۔ ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے، جس کی حدود میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسری، اسی کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمران ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔"[4]

---

(۱) صحیح مسلم ترجمہ و مختصر تشریح: پروفیسر محمد یحیی سلطان، مکتبہ دارالسلام، ریاض، طبع اول، ۱۴۳۴ھ، ۳/۷/۲۷

(۲) ایضا، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ، حدیث نمبر: ۴۷۹۳، ۵/۱۴۲

(۳) سورۃ الروم: ۴۱/۳۰

(۴) سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء، ۷/۳۲

لہٰذا ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کے لئے حکمران کا ہونا ناگزیر ہے۔ امن و امان قائم کرنا چونکہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اسلئے یہ حکمران کے بغیر ممکن نہیں۔

ا۔ ملکی ذرائع و وسائل سے فائدہ نہ اٹھانا

حکمرانوں کو ملکی ذرائع اور وسائل سے فائدہ اٹھانا اور مغربی سازشوں اور غیروں کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ ملکی معیشت کو درست سمت میں چلانے کے لئے قرضوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی پارٹیوں کو ملکی مسائل کے حل کے لئے سنجیدہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ حکمرانوں کی مقررہ مدت آپس کی لڑائیوں میں گزر جاتی ہے، باہر کے ممالک سے قرض لے لے کر ملک کو اس حد تک مقروض بنادیا جاتا ہے کہ ان کی ہر اچھی بری بات چاہے ہمارے مفاد میں ہو یا نہ ہو ماننی پڑتی ہے۔ پاکستان کی آب وہوا ہر قسم کی فصلیں اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن ہماری آپس کی نااتفاقی، عدم تعاون اور خودغرضانہ پالیسیوں کی وجہ سے ہمیں غیروں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں ملکی زراعت و تجارت اور صنعت و حرفت سے فائدہ حاصل کر کے ملکی اقتصادی نظام کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِلَّآ اَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً﴾[۱]

ترجمہ: ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرید فروخت اور تجارت کے اصول بتائے ہیں: حضرت عمرؓ نے ملکی ذرائع و وسائل سے فائدہ اٹھانے اور اس کو ضائع کرنے سے اس طرح منع کیا:

"سرکاری ارضیات کو فوجیوں وغیرہ میں تقسیم نہ کیا، لوگوں نے ہزار کوششیں کیں کہ عراق وشام کی زمینیں تقسیم کی جائیں لیکن وہ نہ مانے۔ بڑی مشاورت سے لوگ ان کے مؤقف سے متفق ہوگئے۔"[۲]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین نے ملک کے وسیع تر مفاد میں فیصلے کئے اور ایک فرد کی بجائے ریاست کو ترجیح دی۔ ملکی ذرائع و وسائل کو درست طریقے سے استعمال کرنا حکمران کے اہم فرائض میں شامل ہے اسے قومی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۸۲

(۲) کتاب الخراج، القاضی ابویوسف، اردو ترجمہ مطبوعہ، کراچی، ص: ۱۶۳

۲۔ بیرونی قوتوں کی دخل اندازی

ملکی ذرائع و وسائل سے صحیح طریقے سے فائدہ نہ اٹھانے کی بنیادی وجہ بیرونی قوتوں کا ملک کے معاملات میں دخل اندازی کرنا ہے، حکمرانوں کی کمزوریوں کی وجہ سے بیرونی قوتیں حاوی ہوتی ہیں ان کے مذموم مقاصد میں پاکستان کو اپنی خواہشات کا پابند بنانا ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو یوں ہیں:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت پر چلے جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے خطرناک ارادوں سے آگاہ کیا ہے اور ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ وَكَفٰى بِاللهِ وَكِيْلًا﴾[۲]

ترجمہ: اور ہرگز اطاعت نہ کرنا کفار و مشرکین کی اور نہ کوئی پرواہ کرنا ان کی اذیت رسانی کی، بھروسہ کرنا اللہ پر، اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی اللہ کی نافرمانی میں کسی فرد کی اطاعت کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اتنے مسلح رہو کہ دشمن خوف میں مبتلا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَّ مِن رِّبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِه عَدُوَّ اللهِ وَ عَدُوَّكُم وَ اٰخَرِينَ مِن دُونِهِملَا تَعلَمُونَهُم اَللّٰهُ يَعلَمُهُم﴾[۳]

ترجمہ: اور تم لوگ، جہاں تک، تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۱۶

(۲) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۴۸

(۳) سورۃ الانفال: ۸/ ۶۰

اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ رکھو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنا دفاع مضبوط رکھنا چاہیے کیونکہ کافر مسلمانوں کو کبھی زیر نہیں کرسکتے۔ مسلمان اگر کفار کی مکاریوں سے بچنا چاہتے ہیں تو انھیں اپنا دفاع ہر وقت مضبوط رکھنا ہوگا قرآن مجید نے مضبوط دفاع کا تصور اس وقت دیا جب دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔ اگر مسلمان دشمن کے حملے اور سازشوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھیں جس سے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن جو خفیہ سازشیں کرتے ہیں وہ خوف زدہ ہوں اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا کبھی سوچیں بھی نہ۔ پاکستان ایک ایٹمی ملک ہے یہ اس کی طاقت سمجھا جاتا ہے۔ عالم اسلام کی طرف سے پاکستان کے پاس ایک امانت بھی اگر اس سلسلے میں کسی دباؤ کے تحت ،کسی بھی قسم کی کوئی بغاوت کی گئی تو یہ اللہ اور اس کے دین اور تمام عالم اسلام سے خیانت ہوگی۔ لہٰذا موجودہ دور کی یہ اہم ضرورت ہے کہ پاکستانی قیادت اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہے اس سلسلے میں جراءت مندانہ پالیسی اپنائے۔

۳۔مایوسی وبے صبری

حکمرانوں کا بڑا مسئلہ مایوسی اور بے صبری ہے۔ اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حکمران اپنے مفادات کے حصول کے لئے ،وقار اور مرتبے کو بلند کرنے کے لئے بے مقصد مشاغل اختیار کرتے جارہے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو اپنے انعامات کو اتنا سستا نہیں رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَه مَتٰى نَصْرُ اللهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيْبٌ﴾[1]

ترجمہ: پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلامارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھ اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

اسلام میں حکمرانی کو دینی فرض قرار دیا گیا ہے اور پیغمبروں کو بھیجنے کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا، تاہم اس فرض کی ادائیگی میں بہت سی مصیبتیں اور سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے کہ جب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو اللہ کی مدد آئی۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۲۱۴

۴۔ آپس کے تعلقات میں نا اتفاقی

مختلف اداروں کے سربراہان کا آپس میں اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افسران بالا کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلامی قوانین کو اپنے بنائے ہوئے قوانین کے تابع رکھیں۔ علمائے کرام اور حکمرانوں کو اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں اس ضمن میں قرآن مجید کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

۵۔ باہمی مفادات کی سیاست

ہر سیاسی جماعت کو اپنے مفادات عزیز ہیں اور اپنے آپ کو دین کا علمبردار سمجھتے ہوئے اپنے منشور پر عمل پیرا ہے۔ خود کو بطور امیدوار پیش کیا جاتا ہے، منتخب ہونے کی دینی اہلیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کے حقوق کے معاملے میں غفلت برتی جاتی ہیں۔ اس قسم کی سیاست وحکمرانی کرنے والوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ مَنْ وُّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وُّلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ))[2]

ترجمہ: اے اللہ !میری امت کے کسی معاملہ میں جسے ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے لوگوں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ سختی ہی کر اور جسے کسی معاملہ میں امیر بنایا گیا ہے اور اس نے ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ شفقت فرمانا۔

حکمرانوں کو یہ بے بنیاد دعوی نہیں کرنا چاہیے کہ ان کو منتخب کر لیا گیا تو موجودہ نظام تبدیل ہو جائے گا، انقلاب لے آئیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی متعدد احادیث میں بھی طلب حکمرانی کی ممانعت ہے۔ یہ وہ سیاسی مسائل ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں امن وسکون قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے سیرت طیبہ سے مستفید ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۳۴

(۲) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، حدیث نمبر: ۴۷۲۲، ۵/ ۱۲۲

فصل دوم: آزادانہ اداروں کے قیام میں حکومت کا کردار

مبحث اول: حکمران کی نگرانی میں کام کرنے والے ادارے

اسلامی ریاست کے داخلی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اداروں کو آزادانہ کام کرنے دے کیونکہ جب تک ادارے اپنا کام صحیح طریقے سے انجام نہیں دیں گے ملک میں ترقی نہیں ہوسکے گی۔ حکومتی معاملات میں اپنے مفادات اور عزیز واقارب کو نفع پہنچانے سے بالاتر ہو کر امور سرانجام دینے چاہییں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنے لیے اور اپنے مفادات کے لیے عوام کے حقوق کا استحصال کرے اور ان کے معاملات کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش نہ کرے:

((اِنَّ مِنْ شَرِّالنَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِیْ يَاْتِیْ هٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّ هٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ))[1]

ترجمہ: لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جو دو منہ (چہرے یا دو زبانیں) رکھتا ہے۔ کچھ لوگوں کے پاس وہ چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسرے کے سامنے دوسرے چہرے کے ساتھ۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح کی ہے:

"اس سے مراد وہ شخص ہے جو منافق ہو جہاں جائے اسی کی بات کہے اور ہر ایک سے ساتھ ملا ہو، شرعا اور اخلاقا یہ صفت نہایت مذموم ہے۔ اس زمانے میں بعض بے وقوف دنیادار اس صفت کو ہنر اور چالاکی سمجھتے ہیں حالانکہ اگر غور کریں تو یہ سراسر حماقت اور بے وقوفی ہے۔"[2]

لہٰذا حکمران کو عوام کے ساتھ دھوکہ دہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ برائی میں شمار ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کسی بھی قسم کی زیادتی کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوْاإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾[3]

ترجمہ: کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالی حد سے بڑھنے والوں اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حکمرانی سے مراد آنحضرت ﷺ کی جانشینی ہے تاکہ دین کی حفاظت ہو اور ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل اسلامی اصولوں کے مطابق ہو اور یہ حقیقت ہے کہ اسلامی اصول وضوابط کو نافذ کرنے اور معاشرتی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے کسی ایک فرد کی نہیں بلکہ افراد کی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو باہمی تعاون، لگن، محنت، مشاورت کے ساتھ ساتھ منظم اجتماعی اداروں اور منتخب

---

(۱) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، کتاب البر والصلۃ، باب ذم ذی الوجہین، حدیث نمبر: ٦٦٣٠، ٦/ ٢١٩

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، ٦/ ٢١٩

(۳) سورۃ البقرۃ: ٢/ ١٩٠

حکمرانوں کی مدد کر سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان اداروں کی آزادی اور خود مختاری کو قائم رکھنا بھی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"مما کان الملک لا یستطیع اقامة هذه المصالح کلها بنفسه وجب ان یکون له بازاء کل حاجه اعوان"(۱)

ترجمہ: یعنی جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لیے ہر کام کے لیے معاونین کا ہونا ضروری ہے۔

اسلام چونکہ اسلامی مملکت کی عملی اور صوبائی وسعت پر زور دیتا ہے تاکہ ملکی سطح پر معاشرتی زندگیاں برقرار رہیں اور افراد کی شخصیت کی درست سمت میں رہنمائی ہو اس کے لیے ضروری ادارے بنائے جائیں جس کی بنا پر وہ کام بلا کسی رکاوٹ کے جاری رکھ سکیں، جیسا کہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

"وله علی کل حال مراتب خادمة و وظائف تابعه تتعین خططا و تعوزع علی رجال الدولة وظائف، فیتم بذلک امر الملک و یحسن قیامه، بسلطانه، راعلمه ان الخطط الدینیة الشرعیة من الصلوٰة والفتیا والقضاء والجهاد والحسبة کلها مندرجة تحت الامامة الکبریٰ التی هی الخلافة"(۲)

ترجمہ: حکومت یا خلافت کا کام انجام دینے کے لیے ذیلی مناصب اور صیغے ہوتے ہیں اور مختلف کام اراکین پر بٹے ہوتے ہیں جس سے خلیفہ اپنے فرائض سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو پاتا ہے۔ پس جملہ دینی مناصب جیسے نماز، فتوی، قضاء، جہاد اور حسبہ وغیرہ امامت کبری یعنی خلافت میں درجے شامل ہیں۔

لہذا ایک حاکم کو وسیع سلطنت سنبھالنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے جو ملک کے انتظامی شعبوں میں اس کی مدد کرے۔ ایک حاکم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان تمام شعبوں کی نگرانی خود کرے۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے جیسا کہ طبرانی میں آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، نور محمد اصح المطابع، ۲/ ۹۴

(۲) مقدمۃ ابن خلدون، عبدالرحمن، مطبعۃ الجنۃ البیان العربی، ۴/ ۷۳۵

((أَيُّمَاوَالٍ وَلِيَ شَيْئًامِنْ أَمْرِالْمُسْلِمِينَ ,فَلَمْ يَنْصَحْ لَهُمْ,وَلَمْ يَجْهَدْ لَهُمْ لِنُصْحِهِ وَجَهْدِهِ لِنَفْسِهِ كَبَّهُ اللَّهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي النَّارِ))[1]

ترجمہ: جو کوئی بھی مسلمان کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا، پھر اس نے ان کے لئے ایسے خیر خواہی اور کوشش نہ کی جیسی وہ اپنی ذات کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس شخص کے ذمہ جو کام سونپا جائے اسے چاہیے کہ وہ اسے ویسا ہی کرے جیسا وہ اپنے لئے چاہتا ہے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالی اس کو اس کے برے کام کا برا بدلہ دیں گے۔ ابن تیمیہ اسلامی ریاست کے مختلف شعبوں کے مقاصد کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"وجميع الولايات الإسلامية إنما مقصودها الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، سواء في ذلك ولاية الحرب الكبرى، مثل نيابة السلطنة، والصغرى مثل ولاية الشرطة، وولاية الحكم، أو ولاية المال وهي ولاية الدواوين المالية وولاية الحسبة"[2]

ترجمہ: کسی بھی اسلامی ریاست کے تمام شعبوں کا مقصد اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہے، اس معاملہ میں اعلی عسکری شعبہ، مثلا وزیر اعظم اور ادنی عسکری شعبہ، مثلا پولیس اور عدلیہ، تمام چھوٹے بڑے شعبے یکساں ہے وزرات خزانہ جس کے تحت محکمہ حسابات مال ہے اور محکمہ احتساب بھی، اسی فرض کی ادائیگی پر مامور ہیں۔

لہذا تمام شعبوں کی نگرانی اعلی قیادت کرتی ہے اور یہ بات اعلی قیادت کے فرائض میں شامل ہے۔

(۱) الروض الدانی (المعجم الصغیر)، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی، ابو القاسم الطبرانی، محقق: محمد شکور محمود الحاج امریر، المکتب الاسلامی، دار عمار، بیروت، عمان،، طبع اول، ۱۹۸۵ء، ۱/ ۲۸۲

(۲) الحسبۃ فی الاسلام، اووظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ، ابن تیمیۃ، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول، فصل الولایات الاسلامیہ، ۱/ ۱۱

مبحث اول

حکمران کی نگرانی میں کام کرنے والے ادارے

حکمران کی نگرانی میں کام کرنے والے ادارے درج ذیل ہیں جن کے درست کام کرنے سے امن کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

ا۔ عدالتی اور قانونی ادارے

عدالت اور قانونی ادارے اسلامی معاشرے کی لازمی ضرورت ہیں جس کے بغیر کسی مہذب معاشرے کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اور معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنے کا طریقہ اور قانون کی حکمرانی کا انحصار عدالتی نظام پر ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام دنیا کے پہلے تحریری دستور میثاق مدینہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"تحریری دستور "میثاق مدینہ" میں بھی شامل ہونے والے تمام افراد نے اپنے مقدمات کے فیصلوں اور تنازعات کے لیے آنحضرت ﷺ سے رابطہ کیا۔"[1]

آنحضرت ﷺ کے دور میں اسلام کا دائرہ کار اتنا وسیع نہیں تھا اس لیے زیادہ اور مستقل قاضیوں کے تقرر کی ضرورت نہ تھی۔ عدالتی اور قانونی اداروں کی اہمیت دوسرے اداروں سے زیادہ ہے۔ ملک میں ترقی، خوشحالی اور امن کا انحصار اس ادارے کی درست کارکردگی، پاکیزگی اور حریت پر ہے اگر اس ادارے کو صحیح طریقے سے کام نہ کرنے دیا جائے تو ملک میں فساد، بدامنی، تباہی پھیلتی ہے۔

عدالتی اور قانونی اداروں کی حدود و اختیارات

اسلامی معاشرے میں کوئی بھی فرد قانون کے دائرہ کار سے باہر نہیں ہے اس لیے جج اور عدالتی افسران کا دائرہ کار عوام کے تمام طبقات اور حکومت میں کام کرنے والے افراد یہاں تک کہ حکمران بھی ہیں۔ حکمرانوں کے امور پر نظر رکھنا بھی عدالتی اور قانونی اداروں کا کام ہے۔جج یا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی قسم کی بھی منفی سرگرمیوں میں حصہ لے یا ان کی حوصلہ افزائی کرے اور غیر قانونی اقدامات کو قانونی قرار دے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سیرت النبی ﷺ، ابن ہشام، ترجمہ: مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی، ۲/ ۱۱۶

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًاوَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور واضح راہ مقرر کر دی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں اپنے دیے ہوئے حکموں میں آزمانا چاہتا ہے، اس لیے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو، سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے پھر تمہیں بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے میں انسانوں کی بھلائی و بہتری ہے۔ اللہ تعالی نے تمام پیغمبروں کو واضح شریعت دی تاکہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروری نہ کریں اور حق بات پر عمل کریں۔ اللہ تعالی اپنے بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے، کسی کو اختیار دے کہ اور کسی کو نہ دے کر۔ اللہ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عدلیہ کی آزادی اور خود مختاری

کسی بھی معاشرے کے تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس معاشرے کی عدلیہ کس حد تک اپنے فیصلوں میں با اختیار ہے کیونکہ با اختیار عدلیہ ہی بہادری، اور بغیر کسی خوف کے قانون کے مطابق فیصلے کرنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ با اختیار جج یا قاضی حکمرانوں اور انتظامیہ کے زور زبردستی اور بے جا اختیارات کے استعمال سے کروائے گئے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ ﴾(۲)

ترجمہ: تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"أبْغض النَّاس إِلَى الله مبتغ فِي الْإِسْلَام سنة جَاهِلِيَّة وطالب امرىء بِغَيْر حق ليريق دَمه"(۳)

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۴۸

(۲) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۵۰

(۳) تفسیر الدر المنثور: ۳/ ۹۸

ترجمہ: لوگوں میں سب سے ناپسندیدہ آدمی ہے وہ جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اپناتا ہے اور کسی آدمی کو ناحق تلاش کرتا ہے تاکہ اس کا خون بہادے۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ حکمران اور عوام عدالتی دائرہ کار میں برابری کا حق رکھتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین ہیں جن سے انحراف کرنا بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروقؓ کے محکمہ قضاء اور اس کی نگرانی کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"حضرت عمر فاروقؓ نے محکمہ قضا قائم کیا، اور فیصلہ کے لئے طریقہ کار مقرر فرمایا اور اس کو امراء، والی، اور حاکم سے آزاد رکھا اور کسی طرح کا ان کا اس پر اثر نہیں تھا۔"[1]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں محکمہ قضا آزادنہ فیصلوں میں خود مختیار اور حکومتی اثر ورسوخ سے آزاد تھا۔

۲۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی خود مختاری

عدالتی اور قانونی اداروں کے بعد جس ادارے کی اہمیت بہت زیادہ ہے وہ اسلامی نظریاتی کونسل ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو اپنے فیصلوں میں خود مختار اور آزاد ہونا چاہیے۔ انفرادی اعتبار سے فرد اور اجتماعی اعتبار سے معاشرے کے افراد جو کہ مسلمان ہیں، اسلامی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق اور اسلامی قوانین کے تحت زندگی گزارنے کے پابند ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے پہلے ان کی علم و معرفت اچھی طرح حاصل کرلی جائے اس کے دو طریقے ہیں ایک براہ راست مصادر سے استفادہ جو کہ ماہرین کا کام ہے اور دوسرا اہل علم، مفتیان کرام ہیں ان سے احکام و مسائل کے بارے میں پوچھا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاسْأَلُوْاأَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ عام عوام کو درپیش مسائل کے لیے اہل علم، یعنی علماء اور مفتیان کرام سے رابطہ کرنا چاہیے اور اسلام یہ بھی حکم دیتا ہے کہ اسلام کو پھیلائیں، عام کریں یہ اہل علم کی اولین ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سیاست شرعیہ، ابن تیمیہ، ترجمہ: (مولانا محمد اسماعیل گودھروی)، کلام کمپنی، ترتھ داس روڈ، کراچی، ص:۴۹

(۲) سورۃ النحل: ۱۶/ ۴۳

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْاإِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس آجائیں، ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

حکومت کا فرض ہے کہ مفتیان کرام اور علمائے کرام کی تیاری اور تربیت اور ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اوراس کی تنظیم کے لیے دستیاب وسائل مہیا کرے اور تسلی بخش اقدامات اٹھائے۔ مدارس کی سرپرستی، طلبہ کا انتخاب، نان ونفقہ، اہل افراد کا تقرر، یہ سب حکمران کی ذمہ داری ہے جیسا کہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"فلخليفة تصفح اهل العلم والتدريس ورد الفتيا الىٰ من هو اهل لها و اعانت على ذلک و منع من ليس اهلا لها و زجره لانها من مصالح المسلمين، فتجب عليه من اعانها، لئلا يتعرض لذلک من ليس له اهل فيضل الناس"[2]

ترجمہ: یعنی خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ فتوے نویسی کے لئے علماء اور مدرسین میں سے کسی قابل عالم کو منتخب کرے، پھر اس کے کام پر اس کی مدد کرے اور ہر ممکن سہولت مہیا کرے، نااہلوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے، کیونکہ افتاء مسلمانوں کے مصالح کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس منصب میں نااہل لوگ داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ نہ کرنے پائیں۔

شریعت کے نقطہ نظر سے عدالتی نظام ناگزیر ہے اس لیے وہ تمام امور جو عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ہوں حکمران کی ذمہ داری ہیں، بلاوجہ روک ٹوک اور فتاویٰ میں دخل اندازی نہ کرے۔ مفتیان کرام کو بااختیار فیصلے کرنے کا حق دے۔ عہد رسالت میں بھی تمام فتوؤں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ ہی حتمی فیصلہ سناتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو ہی آخری نبی، وحی اور اسلام کا شارع ہونے کا شرف حاصل تھا۔ بعض صحابہ کرام نے بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے اجتہاد کے ذریعہ بعض دینی مسائل پر فتوے دیئے۔ چنانچہ آج کل کے معاشرے میں امن وامان کی خراب صورتحال کے لیے حکومتی ادارتی نظام سے کہیں زیادہ کردار افراد کی اخلاقی تربیت کے ذریعے

---

(۱) سورۃ التوبۃ:۹/ ۱۲۲

(۲) مقدمہ ابن خلدون، ۲/ ۳۷۷

جذبہ خدمت اور اطاعت شعاری ابھارنے کی ضرورت ہے چنانچہ ظلم وناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا، لوگوں کو تنبیہہ کرنا اور اجتماعی احتجاج وغیرہ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کا کام ہے۔

۳۔ پولیس کی کارکردگی کا جائزہ لینا

موجودہ دور میں پاکستان کے محکمہ پولیس میں، جدید ٹیکنالوجی، فنی تربیت، تجربہ اور مہارت کتنی ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگوں کا رویہ ان کے خلاف منفی ہی ہے، حالانکہ محکمہ پولیس کے ہر فرد کو دیانتداری، فرض شناسی سے اپنے فرائض انجام دینے چاہیں اور حکومت کے اثر ورسوخ سے پوری طرح آزاد ہو۔ مسلمانوں کو اپنے مسائل و معاملات کی فکر ہونی چاہیے، مخلص ووفاداری کو مسلمان ہونے کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَّا یَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ یُصْبِحْ وَیُمْسِیْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِه وَ لِکِتَابِه وَلِاِمَامِه وَ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْهُمْ))[1]

ترجمہ: جسے مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح وشام اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب، اور اس کے امام کا، اور عام مسلمانوں کا خیر خواہ اور مخلص ووفادار نہیں، تو وہ شخص مسلمانوں میں سے نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جس طرح معاشرتی امن وامان قائم کیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ معاشرے کے تمام افراد کو انسانی حقوق اور معاشرتی طبقات کے لحاظ سے برابر مقام دیا گیا۔ اگر کسی کو عزت ملی تو اپنی خدمات کی بناپر ملی، کسی بھی شخص سے خاندانی یا نسبی لحاظ سے امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی کو ایسی حمایت نہ دی جو بنیادی انسانی حقوق اور معاشرتی ناہمواری کا سبب بنتی۔ آنحضرت ﷺ نے اس اصول کو سب سے پہلے اپنے اوپر لاگو کیا۔ آپ ﷺ کے داخلی امن وامان اور استحکام کے بارے میں مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے۔ جماعت اور معاشرہ سے ذاتی اور نجی تعلق رکھتے تھے، علیحدگی پسندی، کبریاپیوست کا شائبہ نہ تھا۔ درحقیقت آنحضرت ﷺ نے جس نظام اخوت کی بنیاد رکھی تھی اس کا اہم تقاضالوگوں کو یکجا کرنا تھا تاکہ لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔"[2]

---

(۱) معجم الطبرانی اوسط، طبرانی، معارف، حدیث نمبر:۷۰۱، ص:۶/ ۱۳۶

(۱) محسن انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص:۱۱۰

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کو مسلمان ہونے کے دائرہ سے خارج قرار دیا ہے جو دوسروں کے معاملات و مسائل کا خیال نہیں رکھتا۔ پولیس کا کام چونکہ امن امان کی فضا برقرار رکھنا ہوتا ہے اس لئے انہیں اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ مقریزی[1] محکمہ پولیس کے افراد کی ذمہ داریوں کو ایسے بیان کرتے ہیں:

> "عہد مامون میں صاحب الشرطہ کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ اپنے ماتحت عملے کا انتظام اور اس کی نگرانی کرے، نیز جرائم کی روک تھام کے لئے راتوں کو گشت لگائے۔"[2]

لہٰذا اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے ابتداء ہی سے ملک کو جرائم اور معاشرتی برائیوں سے بچانے کے لئے محکمہ پولیس کا شعبہ قائم کیا ہے۔ عصر حاضر کے مصنف سید عبد الرحمن کے نزدیک محکمہ پولیس کے فرائض یہ ہیں:

> ۱۔" محکمہ پولیس کا ہر فرد اخلاقی اقدار کا مظاہرہ کرے، فرمانبرداری، وفاداری، لگن، جستجو، ذہانت، فرض شناسی کا پیکر ہو لیکن آج کل کی پاکستان کی پولیس کو ان اصولوں کو مد نظر رکھنا چاہیے۔
>
> ۲۔ ملک میں بدامنی، ناانصافی اور اخلاقی زوال کی وجہ محکمہ پولیس کے افسران میں رشوت اور حرام خوری جیسی معاشرتی برائیاں ہیں اور یہی ملک کے انتظامی امور کے ہر شعبے کا مسئلہ ہے۔ منفی سرگرمیوں کی وجہ سے پولیس کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"[3]

محکمہ پولیس کے افراد کو چاہیے وہ اپنے فرائض دیانتداری سے سرانجام دیں اور اس سلسلے میں حکمران کے اثر ورسوخ سے اس شعبے کو پاک کرنے کے لئے عملی اقدامات کریں۔

۴۔ حکومتی اداروں کی نگرانی

حکومتی اداروں کی نگرانی کی اسلامی نقطہ نظر سے اسلامی معاشرے میں بہت اہمیت ہے اور اس ادارے کی اہمیت کی اسلامی ریاست کے آغاز ہی میں ضرورت محسوس ہونے لگی جب تک ریاست مدینہ تک محدود تھی تو رسول اللہ

---

(۱) مقریزی: آپ کا پورا نام تقی الدین ابو العباس احمد بن علی۔ آپ ۷۶۶ھ میں پیدا ہوئے ۸۴۵ھ میں وفات پائی۔ (الاعلام، ۱/۷۷)

(۲) المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والاثار، تقی الدین ابو العباس احمد بن علی المقریزی، مصر، ۱۲۷۰ھ، ۲/۲۲

(۳) اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، ص: ۴۱-۴۲

ﷺ خود اس اہم کام کو سر انجام دیا کرتے تھے وقتاً فوقتاً آنحضرت ﷺ بازار کا چکر لگاتے تھے اور کوئی بھی غلط کام دیکھتے تو فوراً اصلاح فرماتے۔ ابن قیم حسبہ کو دینی ادارہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَكَذَلِكَ الْحِسْبَةُ، وَوِلَايَةُ الْمَالِ، وَجَمِيعُ هَذِهِ الْوِلَايَاتِ فِي الْأَصْلِ وِلَايَاتٌ دِينِيَّةٌ، وَمَنَاصِبُ شَرْعِيَّةٌ، فَمَنْ عَدَلَ فِي وِلَايَةٍ مِنْ هَذِهِ الْوِلَايَاتِ، وَسَاسَهَا بِعِلْمٍ وَعَدْلٍ، وَأَطَاعَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ، فَهُوَ مِنَ الْأَبْرَارِ الْعَادِلِينَ، وَمَنْ حَكَمَ فِيهَا بِجَهْلٍ وَظُلْمٍ، فَهُوَ مِنَ الظَّالِمِينَ الْمُعْتَدِينَ"(۱)

ترجمہ: حسبہ اور ولایۃ المال در حقیقت دینی ادارے اور شرعی مناصب ہیں۔ جس نے ان میں عدل سے کام لیا، انہیں علم وعدل سے چلایا فی الامکان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو وہ شخص نیک اور عادل امراء میں سے ہے اور جس نے ان اداروں میں جہالت اور ظلم سے فیصلے کئے تو وہ شخص ظالم اور سرکشوں میں سے ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امراء کو ملک کے تمام شعبوں میں عدل نافذ کرنا چاہیے اور تمام فیصلوں میں عدل کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے ایسا نہ کرنے سے حکمران کا شمار باغیوں اور سرکشوں میں ہو گا۔ حکومتی اداروں کی نگرانی کرنے والے ادارے کو آزادانہ پوچھ گچھ کی اجازت دینا حکومت کا فرض ہے۔ محتسب کے فیصلوں میں دخل اندازی کا اختیار منتخب حکومت کو نہیں ہونا چاہیے بلکہ حکومتی اداروں کی نگرانی اور حکومتی افراد بھی اس سے مُستثنیٰ نہیں ہیں۔ محکمہ احتساب کے فرائض واختیارات میں درج ذیل امور شامل ہیں:

"۱۔ دین واخلاقی فرائض ۲۔ معاشرتی وتمدنی فرائض ۳۔ اقتصادی فرائض ۴۔ قانونی فرائض۔"(۲)

محکمہ احتساب اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے کا ایک بہترین ادارہ ہے جس کے بغیر معاشرے میں کسی بھی سطح پر عدل وانصاف قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلامی احتساب کے اصول وضوابط کو لاگو کریں تاکہ معاشرے میں عدل وانصاف کے بول بالا ہو جس سے امن کا قیام ممکن ہو۔

---

(۱) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، محمد بن ابی بکر ابن قیم، مطبع السنۃ المحمدیۃ، قاہرہ، ۱۹۵۳ء، ص: ۲۳۸

(۲) اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، ص: ۵۱

۵۔ محکمہ تعلیم

تعلیم کے ذریعے ملک میں انقلاب لایا جاسکتا ہے تعلیم کا مسئلہ ہر ملک کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کسی بھی ملک کی ترقی میں محکمہ تعلیم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ملک میں اصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ تعلیم کو سمجھا جاتا ہے اور قرآن کی نظر میں ظلمات کی کوئی حد نہیں ہے اور نور ایک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَن لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ﴾[۱]

ترجمہ: جس کے لئے اللہ کی جانب سے نور نہ ملے، اس کے لیے نور کا کوئی اور ذریعہ اور سرچشمہ نہیں۔

موجودہ نظام تعلیم دنیاوی مقاصد وضروریات کے تابع ہے، جب کہ تعلیم کا مقصد اچھا با عمل مسلمان شہری بنانا ہے جیسا کہ سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ إِلَّا الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّکَ ھُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَ ھُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اھْتَدٰی﴾[۲]

ترجمہ: اے نبی ﷺ! جو میرے ذکر سے منہ موڑتے ہیں اور صرف دنیوی زندگی کے طالب ہیں، ان سے اعراض کر، ان کے علم کا مقصد وہدف تو بس اتنا ہی ہے تیرا رب زیادہ جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے اور کون ہدایت یافتہ۔

مغربی مقاصد تعلیم اسلامی مقاصد تعلیم سے مختلف ہیں اور آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرکے مسلمانوں کو ایسے مقصد تعلیم سے منع کیا گیا ہے جس کا مقصد دنیاوی مقاصد کا حصول ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو۔ ڈاکٹر حمید اللہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمی جدوجہد کا ذکر ایسے کرتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کے دور میں جب اسلامی ریاست مدینے تک محدود تھی تو آپ ﷺ نے اس کے مطابق نظام تعلیم تشکیل دیا لیکن جب فتوحات کی وجہ سے اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو تربیت یافتہ معلم دوسرے علاقوں میں بھیجے اور صوبے کے گورنروں کے ذمہ یہ کام لگایا کہ اپنے ماتحت علاقوں میں تعلیمی ضرورتوں کا انتظام کریں۔"[۳]

---

(۱) سورۃ النور: ۲۴/ ۴۰

(۲) سورۃ النجم: ۵۳/ ۳۰

(۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص: ۳۰۷

مذہبی، حکومتی، داخلی، خارجی، ثقافتی، تعلیمی، عدالتی غرض یہ کہ تمام شعبوں کی پالیسیوں میں بیرونی قوتوں کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی بنیادی وجہ قیادت میں مطلوبہ اہلیت کا نہ ہونا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا ہے اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمتوں کی یاددہانی کرائی ہے کہ میں نے انسان کو زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور انسان کی زندگی کو پر سکون اور آرام دہ بنانے کے لیے طرح طرح کی سہولتیں اور نعمتیں دی ہیں۔ اللہ تعالی کے احکامات سے منہ موڑنے سے نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ذلت و رسوائی مقدر بنتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

حکمرانوں کو عیش پسندانہ زندگی گزارنے سے گریز کرنا چاہیے۔ دین اسلام کے کچھ حصوں پر عمل ہو رہا ہے اور کچھ پر نہیں، جس سے قیادت کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے اور ملک کو امن و امان جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ابو سعید الخدریؓ آنحضرت ﷺ کی سنت اور وصیت کو اپنے الفاظ میں ایسے بیان کرتے ہیں:

((سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَقُولُوا لَهُمْ: مَرْحَبًا مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[3]

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۰

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۸۵

(۳) سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب، باب الوصاۃ، حدیث نمبر: ۲۴۷، ۱/ ۹۰

ترجمہ: عنقریب تمہارے پاس علم کے حصول کے لئے قومیں آئیں گی، پس جب تم انہیں دیکھو تو آنحضرت ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید کہنا اور انہیں علم سکھانا۔

مسلمانوں کو اپنے تعلیمی نظام کو اس حد تک منظم کرنے کی ضرورت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ علم کے حصول کے لئے دوسری قومیں مستفید ہونے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں میں آئیں یہ اس وقت ممکن ہے جب ہماری قیادت اپنے اداروں کو آزادانہ کام کرنے دے۔ کسی بھی ملک کے قومی ادارے امن وامان قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ملک میں حکومتی اداروں پر حکومت کا پریشر نہیں ہونا چاہیے۔ حکومتی پریشر کی وجہ سے وہ اپنا کام صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتے کیونکہ حکمرانوں کو اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں وہ عوام کی ضروریات اور ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے حوالے حکومت کو سنجیدہ کوششیں کرنی چاہیں۔

فصل سوم: قومی پالیسیوں کی تشکیل میں بیرونی مداخلت

مبحث اول: قومی پالسیاں

مبحث دوم: حکمرانوں کی ذمہ داریاں

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ پاکستان کی سرزمین اور آب و ہوا ہر طرح کی فصلیں اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے، اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ پاکستان برآمدات کے ذریعے بھی زرمبادلہ کما سکتا ہے لیکن ہمارا آپس میں عدم تعاون اور خودغرضانہ پالیسیوں کی وجہ سے ہمیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بیرونی قرضے لینے پڑتے ہیں اور اس کے بدلے میں بیرونی قوتیں ہماری قومی پالیسیوں کو اپنے مفاد پرستانہ نقطہ نظر سے ترتیب دیتے ہیں۔ مذہبی، حکومتی، داخلی، خارجی، ثقافتی، تعلیمی، عدالتی غرض یہ کہ تمام شعبوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے اس کے لئے ہر شعبے میں اہل افراد کی ضرورت ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کے دباؤ پر پٹرول، ڈیزل اور گیس کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کی وجہ سے ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی پر بھی شدید منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ہمیں اپنے ذرائع و وسائل سے استفادہ اٹھاتے ہوئے آزادانہ پالیسیاں تشکیل دینی چاہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا ہے اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمتوں کی یاددہانی کرائی ہے کہ میں نے انسان کو زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے اور انسان کی زندگی کو راحت و آرام دہ بنانے کے لیے طرح طرح کی سہولتیں اور نعمتیں دی ہیں۔ انسانوں کو نصیحت کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ قرآن کے کچھ حصوں پر عمل کرنے اور کچھ پر عمل نہ کرنے سے انسان نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَاوَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

جلال الدین سیوطی اس آیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۰

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۸۵

"قال تعالى{أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَاب}وَهُوَ الْفِدَاء{وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ} وَهُوَ تَرْك الْقَتْل وَالْإِخْرَاج وَالْمُظَاهَرَة {فَمَا جَزَاء من يفعل ذلك منكم إلَّا خِزْي}هَوَان وَذُلّ {فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا}وَقَدْ خُزُوا بِقَتْلِ قُرَيْظَة وَنَفْي النَّضِير إلَى الشَّام وَضَرْب الْجِزْيَة {وَيَوْم الْقِيَامَة يُرَدُّونَ إلَى أشد العذاب وما الله بغافل عما يعملون"[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور وہ فدیہ کا حکم ہے اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو اور وہ قتل و اخراج اور (غیروں کے) تعاون کو ترک کرنا ہے، تو تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں؟ چنانچہ (بنو) قریظہ قتل سے اور (بنو) نضیر جلاوطنی سے اور جزیہ عائد کرنے سے ذلیل ہوئے اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اللہ ان کی حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ بندے کے ہر فعل سے باخبر ہے وہ اچھے اعمال کا اچھا صلہ دیتا ہے اور برے اعمال کا برا صلہ دیتا ہے۔

(۱) تفسیر الجلالین: ۱/ ۱۸

مبحث اول

قومی پالسیاں

قومی پالسیوں کی تشکیل میں ملکی مفادات کو مد نظر رکھنا چاہیے جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔ تعلیمی پالیسی

قومی پالیسیوں کا بنیادی مقصد ملک کو خوشحالی کی طرف گامزن کرنا ہے اگر تعلیمی پالیسی کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہر نئی آنے والی حکومت نئی پالیسی بناتی ہے اور پچھلی حکومتوں کے اچھے کاموں کو بھی سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس میں تعلیمی اداروں کی آزادی اور خود مختاری متاثر ہوتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں جمہوری ماحول پیدا کرنا چاہیے۔ تدریسی طریقے اور انداز میں جدید طریقے اور ٹیکنالوجی متعارف کروانی چاہیے۔ ہمارے نصاب تعلیم کا مقصد طلباء میں تخلیقی اور تحقیقی انداز فکر پیدا کرنا ہونا چاہیے، ترقی و تعمیر کے لیے قومی زبان پر توجہ دینی چاہیے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے باقاعدہ نظام ترتیب دینا چاہیے جو کہ عوام کے درمیان انصاف کے تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد آنحضرت ﷺ کی تعلیمی وسعت اور بالغ النظری کو ایسے بیان کرتے ہیں:

> "آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا کہ جب تک معاشرہ سیاسی طور پر مستحکم نہیں ہو گا اور بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں ہو گا تو امن قائم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی علمی ترقی ممکن ہے معاشرے کو اندرونی خانہ جنگی سے بچانے کے لئے آپ نے تین اقدامات کئے: میثاق مدینہ، مؤاخات، مسجد نبوی اور صفہ کا درسگاہی نظام۔"(1)

اس پالیسی کے تحت آپ ﷺ نے تعلیم کے نظام کو جاری رکھا آنحضرت ﷺ کے دور میں تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے دو طریقے اپنائے گئے، ایک عارضی اور قلیل المعیاد اور دوسرا مستقل اور طویل المعیاد۔

عارضی اور قلیل المعیاد منصوبہ بندی

مدینہ منورہ میں لوگوں کو مواقع فراہم کئے گئے کہ وہ مدینہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد فقہ اور عقائد کے ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے قبائل میں واپس جا کر لوگوں کو تعلیم دیں۔ جیسا کہ تفسیر الخازن میں ہے:

---

(۱) اسلامی نظام تعلیم، ص:۲۱۷

"كان ينطلق من كل حي من العرب عصابة فيأتون النبي صلى الله عليه وسلم فيسألونه عما يريدون من أمر دينهم ويتفقهون في دينهم"[1]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ میں ہر قبیلے سے لوگ آتے تھے ، آپ ﷺ سے دینی امور کے بارے میں جو چاہتے تھے پوچھتے تھے اور دین کے بارے میں فہم حاصل کرتے تھے۔

جو بھی ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کرتا اسے چلتے ہوئے یہ نصیحت کرتے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي))[2]

ترجمہ: اب تم اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ اور گھر والوں کو ان مسائل کی تعلیم دو (جو تم سیکھ چکے ہو) اور انہیں (تعلیم کا) حکم کرو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس طرح نماز پڑھو۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قلیل عرصے کے لئے جو بھی افراد تعلیم کے لئے آتے تھے ان کے ذمہ یہ کام لگایا جاتا تھا کہ وہ واپس لوٹ کر اپنے گھر اور حلقہ احباب کو دین کی تعلیم دیں۔

مستقل اور طویل المعیاد منصوبہ بندی

دوسرا طریقہ مستقل اور طویل المعیاد منصوبہ بندی کا تھا۔ آپ ﷺ نے صفہ کے نام سے باقاعدہ درسگاہ تعمیر فرمائی جہاں آپ ﷺ خود اور آپ ﷺ کے معلمین تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ تعلیم سیکھ کر جانے والوں سے سوال کرتے کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت، جیسا کہ مشکل الاثار میں ہے:

"أن البيعة من المهاجر توجب الإقامة عنده صلى الله عليه وسلم ليتصرف فيما يصرفه فيه من أمور الإسلام بخلاف البيعة الإعرابية "[3]

ترجمہ: یعنی بیعت ہجرت کی صورت میں آپ ﷺ کے ساتھ اقامت ضروری ہو جاتی تھی تاکہ آپ ﷺ ان (بیعت کرنے والوں کو) اسلامی اصولوں پر

---

(۱) تفسیر الخازن: سورۃ التوبۃ: ۹/ ۲، ۱۲۲/ ۴۲۱

(۲) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب الاداب، باب رحمۃ الناس، حدیث نمبر: ۶۰۰۸، ۸/ ۹

(۳) المعتصر من المختصر من مشکل الاثار، یوسف بن موسی بن محمد، (وفات: ۸۰۳ھ)، عالم الکتب، بیروت، کتاب جامع مما یتعلق، باب فی البیعۃ الہجرۃ، ۲/ ۲۰۲

لگائیں، بخلاف بیعت اعرابیہ کے۔(کیونکہ اس بیعت کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس ٹھہرنا ضروری نہیں تھا)۔

۲۔خارجہ پالیسی

آزادانہ خارجہ پالیسی کے تحت کئے گئے فیصلوں ہی سے ملک کی خود مختاری برقرار رکھی جاسکتی ہے، ملک کی قیادت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ملک کے مفاد میں فیصلے کرے جس سے دنیا میں ملک کی عزت و وقار میں اضافہ ہو۔ قیادت کو اپنے فیصلوں میں خود مختار ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں۔

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی ملک یا قوم سے ہمارا معاہدہ ہوا ہے اور ہمیں اس کے کئے گئے فیصلوں سے یہ لگے کہ وہ عہد کی پاسداری نہیں کر رہے تو آپ ان سے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالیں اور ان کے ساتھ ویسا ہی پیش آئیں جیسا کہ معاہدہ کرنے سے پہلے کے روابط تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کے تین رہنما اصول یہ تھے:

"آنحضرت ﷺ نے اپنی خارجہ پالیسی میں تین طرز عمل اختیار کئے جن میں پہلا دوسرے ملکوں کے سربراہان کو خطوط بھیجنا، دوسرا متعدد اقوام اور ریاستوں سے معاہدات کرنا، تیسرا مختلف وفود کے ساتھ باہمی روابط۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں نبوت کے منصب پر فائز ہو کے یاایھاالناس کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسلام قبول نہ کرنے والی قوموں کے ساتھ بھی نرمی کا سلوک کیا۔"(۲)

غیر مسلمانوں سے امن معاہدات کرنے سے امن و آشتی کی فضاء قائم ہوئی جس کو السیرۃ النبویہ میں ایسے بیان کیا ہے:

"دس سال تک امن کے معاہدے سے کفار کو موقع ملا کہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی ذات کو قریب سے دیکھیں۔ جس کے نتیجے میں دونوں قوتوں کے درمیان میل جول کی فضاء قائم ہوئی، اس تعلق کی بناء پر صلح حدیبیہ

---

(۱) سورۃ الانفال: ۸/ ۵۸

(۲) روزنامہ پاکستان، لاہور، سیرت نبوی، ۱۵ فروری، ۲۰۱۲ء

سے فتح مکہ تک دو سال کے عرصے میں ابتدائی انیس سالوں سے زیادہ کی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ تیرہ سال مکی اور چھ سالہ مدنی دور کی محنت کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ میں نبی ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے، جبکہ دو سال بعد فتح مکہ کے وقت یہ تعداد دس ہزار تھی۔"[۱]

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق، طرز عمل اور سلوک سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کے دائرہ کار میں داخل ہوئے۔

۳۔ معاشی پالیسی

معاشی ترقی کے بغیر ملک میں حقیقی انقلاب نہیں لایا جاسکتا کسی بھی ملک کی ترقی اور سالمیت کے لئے آزادانہ معاشی پالیسی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ معاشی خود مختاری کے بغیر سیاسی آزادی کا تصور ممکن نہیں۔ میانہ روی کو اختیار کرنا مسلمانوں کا شعار ہے اور عیش پسندی سے اجتناب کرنے کا حکم احادیث میں کئی بار آیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوا بالمتنعمين))[۲]

ترجمہ: عیش کوشی سے اجتناب کرو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

اسلامی ریاست چلانے کے لئے متوازن معاشی پالیسی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ معاشرے کی تمام معاشی ضرورتیں پوری ہوں۔ مولانا حامد انصاری اسلامی ریاست میں اقتصادی نظم نسق کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"ریاست عامہ کا اقتصادی نظم عوام کی ضروریات کا معاشی انتظام اور خزانہ حکومت، بیت المال کا کام، صیغہ امور اقتصادی و بیت المال کے سپرد ہے۔ یہ صیغہ زر، زمین، پیداوار زمین اور سرمایہ محنت کے تمام حاصلات کا تمام عمل انتظام میں لاتا ہے، اور اپنے دائرہ کار میں ریاست کے تمام جمہور کی تمام معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔"[۳]

---

(۱) السيرة النبوية، موسی بن راشد العازمی، مکتبہ الکویت، ۳/ ۳۳۰

(۲) مشکوة المصابيح، محمد بن عبد الله الخطيب العمري، ابو عبد الله، ولی الدین، التبریزی (وفات: ۷۴۱ھ)، محقق: محمد ناصر الدين الالبانی، المكتب الاسلامي، بیروت طبع سوم، ۱۹۸۵ء، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، الفصل الثالث، حدیث نمبر: ۵۲۶۲، ۳/ ۱۴۴۸

(۳) اسلام کا نظام حکومت، مولانا حامد انصاری غازی، مکتبۃ الحسن ۲۹/ ۹ لال چوک سٹریٹ عبد الکریم روڈ قلعہ گجر سنگھ، لاہور، ص: ۳۹۸

معاشی خود مختاری کے لئے ضروری ہے کہ حکومت بیرونی قرضوں سے نجات حاصل کرے، ملکی برآمدات کو بڑھائے اور درآمدات کو کم کرے۔ زکوۃ و عشر کے نظام کو بہتر بنایا جائے اور سودی نظام کو ختم کیا جائے۔ پروفیسر محمد عثمان پاکستان کی معاشی حکمت عملی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

"پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں جمہوری معیشت نافذ ہونی چاہیے۔ مختلف قوموں اور علاقوں کو غیر مساویانہ سلوک کا نشانہ نہیں بنانا چاہے اور موجودہ معیشت کا مقصد استحصالی طبقوں اور امیر طبقے کے مفادات کی حفاظت کرنا نہ ہو۔"(۱)

لہٰذا معاشی خود مختاری سے امیر اور غریب دونوں کو فائدہ ملنا چاہیے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ امیر امیر سے امیر تر ہوتا چلا جائے اور غریب غریب سے غریب تر۔

۴۔ زرعی پالیسی

پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اس لئے یہاں کی زیادہ تر آبادی کا روزگار زراعت سے وابستہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ زراعت کے شعبے میں ایسی اصلاحات نافذ کرے جس سے غریب کسانوں کو ان کی محنت کا پورا صلہ ملے اور ان کا معیار زندگی بلند ہو۔ ملک کے موجودہ زرعی نظام میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ چھوٹے زمیندار کو سود پر قرضے دیئے جانے چاہئیں۔ جاگیرداروں، بڑے زمینداروں اور غیر حاضر زمینداری کو ختم کرنا چاہیے۔ اناج کو برآمد کرنے کا مناصب نظام اور مکمل حکومتی سرپرستی اور تعاون ہونا چاہیے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایک اسلامی ریاست کے اندر قدرتی (دریائی) پانی کی تقسیم کی واضح ہدایات موجود ہیں جن سے ہمیں موجودہ مسائل کے حل میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثٍ اَلْمَآءُ وَالْكَلَاءُ وَالنَّارُ))(۲)

ترجمہ: تین چیزوں میں تمام مسلمان باہم شریک ہیں (وہ یہ ہیں) پانی، چارا اور آگ۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ نے زراعت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فصلیں اگانے میں تمام کسانوں کو نہری پانی میں برابری کے حقوق ملنے چاہئیں۔ تا کہ کسی فرد کی حقوق تلفی نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث قدسی منقول ہے:

((عَمِّرُوا بِلَادِي فَعَاشَ فِيهَا عِبَادِي))(۳)

---

(۱) پاکستان کی سیاسی جماعتیں، پروفیسر محمد عثمان، مسعود اشعر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۰۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل، احمد بن حنبل، موسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۹ء، ۱۷۴/۳۸

(۳) المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، کتاب المزارعۃ، ۱۱/۲۳

ترجمہ: (انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو ان میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اسلامی ملک کی ترقی اور خوشحالی چاہتے ہیں۔ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرتا ہے اللہ تعالی اسے خوشحال کر دیتا ہے اور وہاں زندگی کی رواں دواں ہوتی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں کاشتکار ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی یہ پیشن گوئی ہے جسے ابن التین (وفات ۶۱۱ھ) نے ایسے بیان کیا ہے:

"هَذَا مِنْ إِخْبَارِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُغَيَّبَاتِ لِأَنَّ الْمُشَاهَدَ الْآنَ أَنَّ أَكْثَرَ الظُّلْمِ إِنَّمَا هُوَ عَلَى أَهْلِ الْحَرْثِ"(۱)

ترجمہ: یہ ارشاد آنحضرت ﷺ کی اخبار غیب میں سے ہے، اس لئے کہ آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کا شکار وہی لوگ ہیں جو کھیتی باڑی کرنے والے ہیں (یعنی کاشتکار)۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے آج کل کے دور پر یہ بات صادق آتی ہے کہ کاشتکار کو اس کی محنت کا صلہ نہیں دیا جاتا اور اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔

۵۔ صنعتی و تجارتی پالیسی

صنعتی و تجارتی پالیسی میں توازن سے ہی ملکی معیشت درست سمت کی طرف گامزن ہو سکتی ہے اس کے لئے برآمدات کا زیادہ ہونا اور درآمدات کا کم ہونا ضروری ہے۔ پاکستان کا موجودہ نظام صرف چند لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے اکثر لوگ معاشی لحاظ سے مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ سرمایہ داری کے نام پر عوام کا استحصال مختلف صورتوں میں ہو رہا ہے اور بیرونی سرمایہ کے منافعوں کی صورت میں بیرونی قوتوں کو ہماری دولت لوٹنے کا بہانہ مل رہا ہے اور سرمایہ داروں کے منافع کی کوئی حد نہیں ہے جب کہ ہماری حکومت کو اس کے خلاف قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ امام ماوردی کے نزدیک ایک اسلامی ریاست کے حاکم کے ذمہ یہ ضروری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ:

"عِمَارَةُ الْبُلْدَانِ بِاعْتِمَادِ مَصَالِحِهَا، وَتَهْذِيبِ سُبُلِهَا وَمَسَالِكِهَا"(۲)

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، باب اقتناء القلب للحرث، ۵/۵

(۲) ادب الدنیا والدین، ابو الحسن علی بن محمد البصری البغدادی، الشھیر بالماوردی (وفات: ۴۵۰ھ)، دار مکتبہ الحیاۃ، ۱۹۸۶ء، باب ادب الدنیا، ص: ۱/۱۳۷

اپنے زیر حکومت ممالک اور شہروں کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل و حمل کو بہتر بنا کر ان کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و آبادی کو قائم رکھے۔

لہذا ایک حاکم کی ذمہ داری ہے کہ ملک کے تمام علاقوں کی طرف برابری کی بنیاد پر توجہ دے تا کہ کچھ علاقوں میں احساس کمتری پیدا نہ ہو کہ بڑے شہروں کی نسبت چھوٹے شہر سہولیات سے محروم ہیں۔ اور ملک کے ہر شعبے میں منصوبہ بندی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے:

"فَحَيْثُ كَانَ النَّاس مُحْتَاجين إِلَى الأقوات أكثر، كَانَت الزِّرَاعَة أفضل، للتوسعة على النَّاس، وَحَيْثُ كَانُوا مُحْتَاجين إِلَى المتجر لانْقِطَاع الطّرق كَانَت التِّجَارَة أفضل،وَحَيْثُ كَانُوا مُحْتَاجين إِلَى الصَّنَائِع أَشد، كَانَت الصَّنْعَة أفضل، وَهَذَا حسن"(۱)

ترجمہ: جہاں لوگوں کے لئے خام اجناس کی زیادہ ضرورت ہو گی وہاں زراعت زیادہ افضل ہو گی، اور جہاں کسی وجہ سے تجارت کی زیادہ ضرورت ہو گی وہاں تجارت افضل ہو گی اور جہاں صنعت و حرفت کی ضرورت ہو گی وہاں کے لئے صنعت و حرفت زیادہ افضل ہو گی۔

اس سے واضح ہوا کہ ملکی حالات اور ضروریات کو مد نظر رکھ کو پالسیاں تشکیل دی جانی چاہیں۔ طلب و رسد کے اصول کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ پروفیسر محمد عثمان صنعتی اور تجارتی پالیسی میں توازن کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"ملک میں بھاری صنعتوں کے قیام کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ملک کے ہر علاقے میں نئی صنعتیں لگائی جائیں جس سے مقامی آبادیوں کو روزگار کے مواقع ملیں۔ اس طرح علاقائی تعصب کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔"(۲)

ملک کے موجودہ مسائل میں بے روزگاری کا مسئلہ سر فہرست ہے اس کے لئے ملک کے چھوٹے علاقوں میں صنعتیں لگانی چاہیں تا کہ مقامی لوگ بر سر روزگار ہوں اس سے علاقائی تعصب ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

---

(۱) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب فضل الزرع، ۱۲/ ۱۵۵

(۲) پاکستان کی سیاسی جماعتیں، ص:۴۰۵

حکمرانوں کی ذمہ داریاں

ہمارے حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گردوپیش کے حالات سے باخبر رہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک غفلت کی زندگی انسانی نہیں بلکہ حیوانی سطح کی زندگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو غفلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جانوروں سے تشبیہ دی ہے۔ اس آیت کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر معارف القرآن میں اس طرح بیان کی ہے:

"ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں جس کو ہدایت مل گئی اس سے سارے کام ہدایت ہی کے مناسب سرزد ہوتے ہیں اور جو گمراہی میں پڑ گیا اس کے سارے کام اسی انداز کے ہوتے ہیں۔ بہت سے جنات اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کے باتیں سمجھنے کے لیے قلوب، اور دیکھنے کے آنکھیں اور سننے کے لیے کان سب کچھ موجود ہے، جن کو وہ صحیح استعمال کریں تو صراط مستقیم پالیں اور نفع نقصان کو سمجھ لیں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ وہ قلوب سے بات سمجھتے ہیں نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور نہ کانوں سے سننے کی چیزوں کو سنتے ہیں۔"[2]

چنانچہ شیطان کو اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے اس کو خطرہ لاحق ہے کہ کہیں مسلمان پھر سے نہ جاگ اٹھیں لہٰذا وہ مسلمان کو غافل رکھنے کی یہ تدبیر بتاتا ہے۔ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، حج و عمرے کرنا، مسلمان اپنی ان مذہبی

---

(۱) سورۃ الاعراف:۷/ ۱۷۹

(۲) تفسیر معارف القرآن، ۴/ ۱۲۵-۱۲۶

سرگرمیوں میں مشغول رہیں اور اپنے ارد گرد کے حالات کا جائزہ اور اصلاح کی فکر نہ کریں۔ ایک حکمران کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنا چاق وچوبند رہے کہ ملکی حالات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی، بین الاقوامی امور پر بھی اس کی طائرانہ نگاہ ہو۔ اس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

۱۔ مادی فکر نے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں منفی سوچ کو پروان چڑھایا ہے جس نے تخلیقی صلاحیت اور جذبے کو متاثر کیا ہے۔ اس سے نہ صرف پاکستانی معاشرے میں اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا ہے بلکہ یہ پاکستان پر مغربی قوتوں کے اقتدار کو پہنچنے کا باعث بنا ہے۔ ملک میں ترقی بیرونی امداد اور مغربی مال کے آنے پر انحصار کم کرنا چاہیے۔

۲۔ ترقی کے نام پر مغربی ترقیاتی حکمت عملی نے پاکستانی معاشرے میں اقتصادی اور سماجی تضاد نے جنم لیا ہے ۔ معاشرے میں امیر طبقہ غریب طبقے پر مسلط ہو گیا ہے۔

۳۔ ملک کی برآمدات زیادہ کرنے اور درآمدات میں توازن کی ضرورت ہے۔

۴۔ لوگ عیش پسندی کی طرف جارہے ہیں۔ ملک کے اداروں کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ ملکی سطح پر معاشرے میں معاشرتی برائیوں پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔

۵۔ معاشی ترقی، سیاسی نظام، سماجی اداروں اور لوگوں کی اخلاقی تربیت ان تمام اقدامات کے بغیر ملک کے افراد صحیح کام نہیں کرسکتے لہٰذا مغرب کی مداخلت کم ہونے سے معاشرے کے اداروں کا آزادانہ فیصلوں کا حق حاصل ہو گا قومی ترقیاتی پالیسی کے خاطر خواہ نتائج نکلیں گے۔

اسلامی تصور معاشرت کے مطابق زندگی کے ہر پہلو اور شعبے میں ترقی کے اہداف کا تعلق قائم رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے انفرادی سطح پر مکمل شخصیت پروان چڑھتی ہے اور معاشرتی عدل وانصاف کا بول بالا ہوتا ہے۔ مادیت پرستی کو اسلام مسترد کرتا ہے بلکہ اسلام زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اسلام کا دنیا کے متعلق ایک خاص نقطہ نظر اور اخلاقی اقدار ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَه مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُه يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى﴾[1]

ترجمہ: اگر میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا اور جو میرے "ذکر" (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا، اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہو گی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

---

(۱) سورۃ طٰہٰ: ۲۰/ ۱۲۳-۱۲۴

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی کرنے والوں کو وعید سنائی ہے اور ان کے لیے سزا تجویز کی ہے۔ لہٰذا جو جیسا عمل کرے گا اس کو اس کا صلہ ملے گا۔ زرعی ملک ہونے کے باجود ہماری بیشتر غذائی ضروریات کی اشیاء درآمدات ہوتی ہیں۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے قدرتی وسائل سے مالامال کیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو ان قدرتی وسائل کو تعمیری اور اصلاحی کاموں میں بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ سودی قرضوں سے عیش پرستی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور مسلم ممالک کے ساتھ اتحاد اور دوستی کی فضا قائم کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَلَّ اللهَ وَرَسُولَه وَ الَّذِينَ اٰمَنُوا فَاِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ﴾(۱)

ترجمہ: اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کو دوست بنانے والے اللہ کی جماعت ہوتے ہیں اور وہی غالب آنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنائی ہے مؤمنوں کو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ دوسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود انحصاری پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مؤمنوں کو دوست رکھنا چاہیے اور یہی لوگ غالب رہیں گے کیونکہ یہ اللہ کی جماعت والے ہیں۔

پاکستان میں اس وقت تک امن کا خواب حقیقی تعبیر نہیں پاسکتا جب تک قومی پالیسیوں کی تشکیل میں بیرونی مداخلت رک نہ جائے کیونکہ اغیار اپنے مفادات کے تحت پالیسیاں تشکیل دے کر اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے لاگو کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کو قرضے دے کر اپنی بات منواتے ہیں۔ قرآن مجید اس چیز کو واضح بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان غیر مسلم (یہود ونصاریٰ) سے دوستی کرتے ہیں اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا۔ پاکستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو قومی پالیسیوں کی تشکیل میں بیرونی مداخلت ایک اہم مسئلہ ہے، اس کی بنیادی وجہ قرضوں کا سود کے ساتھ لیتے رہنا اور پھر اغیار کی ہر بات کو ماننا ہے اور اپنے ملک کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر یہ اپنے ملک سے غداری کے مترادف ہے۔ اپنے قدرتی وسائل اور انسانی وسائل سے فائدہ اٹھایا جانا چاہیے۔

---

(۱)سورۃ المائدۃ:۵/۵۶

فصل چہارم: علاقائی حقوق کی محرومیاں

مبحث اول: اسلامی نقطہ نظر سے علاقائی حقوق

مبحث دوم: علاقائی حقوق کی محرومیاں ختم کرنے کے لیے اقدامات

موجودہ دور میں جب کہ پاکستان اور اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں ہو رہی ہیں۔ان سازشوں میں سے ایک اہم سازش مختلف علاقوں کے لوگوں کو آپس میں لڑوانا ہے اس سے پاکستان کی سیاست اور معیشت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ علاقائی حقوق کی محرومیاں ہیں۔ اس کی وجہ سے خوشحال پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو رہا۔ان مسائل کی بڑی وجہ اسلامی شریعت کا نافذ نہ ہونا ہے۔ علاقے کو اس کا حق اسی صورت میں مل سکتا ہے جب لوگ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں صحیح صورتحال سے واقف ہوں گے اور اسلامی نظام عدل نافذ کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے اگر پاکستان کے افراد اور حکومتی انتظامیہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں اور دوسرے صوبوں اور شہروں کے لوگوں کی زرعی اراضی، دریائی پانی، ملازمتیں، حقداروں کے لیے چھوڑ کر اتحاد کو برقرار رکھیں گے تو اس سے ملک میں امن وامان قائم ہو گا۔

مبحث اول

اسلامی نقطہ نظر سے علاقائی حقوق

علاقائی حقوق کی محرومیوں کی وجہ سے خطرناک عصبیت جنم لیتی ہے اور وہ علاقے جو بنیادی حقوق سے محروم ہوتے ہیں احساس کمتری کا شکار ہو رہے ہیں۔ علاقوں کے درمیان مسابقت کی بجائے معاونت ہونی چاہیے۔ علاقے کے لوگوں کے درمیان باہمی امتیازات، تعصبات اور تفریقوں کی بجائے تہذیب وتمدن اور اسباب زندگی کا آزادانہ لین دین ہو اور انسانی فلاح وترقی کے کاموں میں پورا تعاون کریں۔ اس میں ایک حکمران کا اہم کردار ہے وہ لوگوں کے درمیان انصاف کرے جیسا کہ جمال الدین بیان کرتے ہیں:

"لَيْسَ لِلْمَرْءِ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ إِمَامِهِ"[1]

ترجمہ: آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس پر خلیفہ خوش ہو۔

سربراہ مملکت کو عوام کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ کسی کی حقوق تلفی نہ ہو۔ حقوق درج ذیل قسم کے ہیں:

۱۔ پہلے حق سے مراد انسان کے فطری اور بنیادی حقوق ہیں۔ یہ حقوق بحیثیت انسان کے حاصل ہوتے ہیں انہیں انسانی حقوق کہا جاتا ہے

۲۔ یہ محض انسان ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دین و قوم کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ اسلامی ریاست میں کوئی غیر مسلم صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا

۳۔ یہ حقوق انسان ہونے کی حیثیت نہیں بلکہ رشتوں کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ ان حقوق میں والدین کے اولاد پر، اولاد کے والدین پر حقوق، رشتے داروں کے، رعایا کے، استاد و شاگرد کے حقوق، اس کے علاوہ ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنے والوں کے حقوق، ہم وطن ہونے کے حقوق یا باہر سے آنے یا قدیم سکونت پذیر ہم وطن ہونے کے حقوق۔[2]

---

(۱) نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ جمال الدین ابو محمد الزیلعی محقق: محمد عوامۃ، موسسۃ الریان، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۴۱۸ھ، کتاب احیاء الموات، ۴/۲۸۸

(۲) اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، ص: ۵-۱۶

انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اسے اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے لہذا اسے آزادانہ فیصلے کرنے اور اپنے لئے ذریعہ معاش ڈھونڈنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ پاکستان میں حقوق کے حوالے سے قانون بنانے اور ان پر عمل درآمد کی ضرورت ہے قرآن وسنت اور خلفائے راشدین کے دور سے بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں ان حقوق کا ذکر ہے۔

ا۔ انتظامی معاملات میں مقامی لوگوں کے حقوق

موجودہ دور میں کوئی قوم اپنے افراد کے سوا دوسری قوم کے افراد پر اعتماد نہیں کرتی۔ اسلام کا مرکزی نظام حکومت تمام علاقوں کو سیاسی آزادی دیتا ہے جس سے اس علاقہ کے لوگ برابری کی بنیاد پر مرکز کے ساتھ الحاق کرتے ہیں اور لوگ کسی سیاسی، انتظامی یا معاشی استحکام کا ڈر وخوف محسوس نہیں کرتے ہیں اس نظریے پر مبنی معاشرہ اور ریاست خوشحال ریاست شمار ہوگی اس ریاست کا ایک عقیدہ اور ایک نصب العین ہوگا اور ہر علاقے کو سیاسی، انتظامی اور معاشی اختیارات اور وہ خود مختاری حاصل ہوگی۔ خلافت راشدہ کا نظام بھی انہی اصولوں پر قائم تھا اس لیے کفار و مشرکین کی سخت کوششوں کے باوجود بھی اسے توڑا نہ جاسکا۔ مولانا محمد شفیع صاحب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> "حکومتی عہدے اور مناصب سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں، امانت میں خیانت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے منافق قرار دیا ہے۔ اسی طرح بغیر حق کے کسی کو عہدہ دینے والے شخص کو آنحضرت ﷺ نے لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔"(۱)

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّواْ الْأَمَانَاتِ إِلىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِه إِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيْعاً بَصِيْراً﴾(۲)

> ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں، امانت والوں کو، اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ اللہ تعالیٰ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہے سننے والا اور دیکھنے والا۔

مولانا محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کریم کی مختصر تفسیر اس طرح لکھتے ہیں:

---

(۱) جمع الفوائد، شیخ محمد بن محمد بن سلیمان، المکتبۃ الاسلامیۃ، فیصل آباد، ص: ۳۲۵

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

"(اے اہل حکومت خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو خواہ بہتوں پر) بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق (جو تمھارے ذمہ ہیں) پہنچا دیا کرو اور (تم کو) یہ (بھی حکم دیتے ہیں) کہ جب (محکوم) لوگوں کا تصفیہ کیا کرو (ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں) تو عدل (انصاف) سے تصفیہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے (دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں استحکام حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب و ثواب ہے) بلاشک اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال کو جو دوبارہ امانت و تصفیہ تم سے صادر ہوتے ہیں) خوب سنتے ہیں اور تمھارے افعال کو جو اس باب میں تم سے واقع ہوتے ہیں) خوب دیکھتے ہیں (تو اگر کمی و کوتاہی کروگے مطلع ہو کر تم کو سزا دیں گے۔)۔"(۱)

مقامی علاقے کے لوگوں کا ہی علاقے کے ہر قسم کے وسائل پر حق حاصل ہے جیسا کہ پروفیسر عبد الخالق بیان کرتے ہیں:

"اسلام جس طرح سیاسی و معاشی معاملات میں اس علاقے کے اصلی باشندوں کو ترجیح دیتا ہے بالکل اسی طرح انتظامی معاملات و ملازمتوں میں مقامی اور علاقائی لوگوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں شریعت نے صرف ایک شرط رکھی ہے کہ اس شخص میں اس کام کی اہلیت پائی جائے لہٰذا جب بھی کسی کام و ملازمت اور عہدے کے لیے مقامی افراد موجود ہوں تو پھر دوسرے علاقے کے افراد کو ترجیح دینا کسی بھی عہدے کے لیے جائز نہیں البتہ اگر اس علاقے کے باصلاحیت افراد میں کمی ہو یا نہ ہوں تو دوسرے علاقے کے افراد کو ترجیح دی جائے گی اس وقت تک جب تک اس علاقے میں باصلاحیت افراد پیدا نہ ہو جائیں۔"(۲)

کسی اور فرد کو اہمیت صرف اس علاقے میں اہل افراد نہ ہونے کی وجہ سے دی جا سکتی ہے۔ علاقائی حقوق اور ترجیحات کے بارے میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، ۲/ ۴۴۲-۲۲۹

(۲) اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، ص: ۳۲

"البتہ کسی خاص علاقہ اور صوبہ پر حکومت کے لیے اسی علاقہ کے آدمی کو ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اس میں بہت سی مصالح ہیں مگر شرط یہ ہے کہ کام کی صلاحیت اور امانت میں اس پر پورا اطمینان ہو۔"(۱)

علاقائی اور مقامی ہونے کے بعد دوسرے نمبر پر فرد میں جو صلاحیت پائی جانی ضروری ہے وہ امانت داری ہے۔ قرآن مجید میں صلاحیت کو امانت پر ترجیح دی گئی ہے:

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الأَمِيْنُ﴾(۲)

ترجمہ: کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے جو توانا اور امانتدار ہو۔

احکام القرآن میں اس آیت کی تشریح اس طرح بیان کی گئی ہے:

"اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ایک ترجیح "قوت" ہے اور ثانی "امانت" ہے۔ قوت کا تعلق چونکہ صلاحیت سے ہے۔ اس آیت میں قوت (صلاحیت) کو ترجیح دینے کی حکمت یہ ہے کہ اگر کسی آدمی میں دونوں صفتیں جمع نہ ہوں تو کام کے سلسلہ میں صلاحیت والے کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کے بغیر کام کے صحیح ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں امانت و تقویٰ کی ضرورت زیادہ ہے تو پھر امانت دار اور پرہیز گار شخص کو قوت والے آدمی پر ترجیح دی جائے گی۔"(۳)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی عادات و اطوار کے بارے میں روایت کرتے ہوئے فرمایا:

" كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزِنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ، وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ، وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ"(۴)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے، لوگوں کی تالیف قلب فرماتے، ان کو متنفر نہ کرتے، ہر قوم کے معزز آدمی کی عزت فرماتے اور اسے اپنی قوم کا والی مقرر فرماتے۔

---

(۱) تفسیر معارف القرآن، ص:۴۴۹

(۲) سورۃ القصص:۲۸/۲۶

(۳) احکام القرآن، مولانا محمد شفیع صاحب، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، ص:۳/۸۸-۸۹

(۴) شمائل ترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/۲۷۷

اس بات سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر قوم کے معزز آدمی کو اسی قوم کا حاکم مقرر فرماتے اور یہ آنحضرت ﷺ کا خاصا تھا۔ اس سنہری اصول سے قبائل عصبیت کا امکان بھی ختم ہو گیا اور دوسری طرف مرکز کی اطاعت بھی بخوبی انجام دی جاتی رہی۔ پاکستان میں رہنے والے مختلف علاقوں اور صوبوں کے لوگوں کو ملک کے دوسرے صوبوں کے معاشی وسائل سے فائدہ اٹھانے اور سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے اور اقتصادی معاشی فوائد حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اسلامی معاشی حکمت عملی کے خلاف ہے اور ملک کو عصبیت کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے ملک کے ذمہ داران کو اس کا سد باب کرنا چاہیے۔ مقامی لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ زرعی اراضی کے بارے میں اسلامی ریاست کی حکمت عملی

اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں کے مقامی لوگوں کے حقوق کے بارے میں اسلامی احکامات میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ ذَرَعَ فِيْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَلَه وَ لَيْسَ لَه مِنَ الذَّرْعِ شَيْئٌ))[۱]

ترجمہ: جو کسی قوم کی زمین میں بغیر ان کی اجازت کے زراعت کرے تو اس کو صرف اس کا خرچہ دیا جائے گا اور زراعت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔

اس حدیث میں اسلام کے نظام عدل کی واضح ہدایات موجود ہیں جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد کو دور کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کوئی بھی قوم یا فرد جو کسی ایک علاقہ میں رہتا ہو وہ دوسرے علاقہ میں جا کر اس قوم و علاقے کی سرزمین پر ان کی اجازت کے بغیر وہاں زراعت نہ کرے کیونکہ اس علاقے کے لوگ اس زمین کو آباد کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر ان میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ زمین آباد نہیں کر سکتے تو اپنی مرضی سے دوسرے علاقے کے لوگوں کو زراعت کرنے کی اجازت دیں تو ان کا زراعت کرنا درست ہو گا اور اس کا خیال حکمرانوں کو بھی رکھنا پڑے گا اگر ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں سے ناانصافی کر رہے ہیں تو حکمران کو باہمی صلح کرانا چاہیے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلىٰ اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ كَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَ كَحُرْمَةِ بَلَدِكُمْ هٰذَا))[۲]

---

(۱) کتاب الخراج، امام یحیی بن آدم، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، ص:۱۱۲

(۲) السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام، دار الجبل، بیروت، ص:۱۸۵-۱۸۶

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے خون (جانیں) تمہارے مال ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تمہارے لیے یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر قابل احترام ہیں۔

چنانچہ حرمت کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے مسلمان مالک ہیں جس میں معاشی وسائل اور اموال بھی شامل ہیں چنانچہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ناجائز طریقے یا غیر شرعی طریقے سے دوسرے مسلمان بھائی کی املاک، اموال اور معاشی وسائل پر قبضہ کرے۔

۳۔ اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں کے مالیاتی حقوق

اسلامی ریاست میں مختلف صوبوں کی آمدنی کو اسی صوبے کی ضروریات پر خرچ کیا جانا چاہیے جہاں سے یہ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس صوبے کی آمدنی کو صوبے سے باہر خرچ کرنا جبکہ اس صوبے میں ضرورت مند لوگ موجود ہوں بالکل ناجائز ہے۔ اگر اس علاقے کی آمدنی سے لوگوں کی ضروریات پوری ہوگئی ہیں تو اس کے بعد آمدنی اور اشیاء دوسرے صوبوں کے مستحق افراد کو دی جاسکتی ہیں جن سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرلیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے:

((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ))(۱)

ترجمہ: جو لوگوں کا مال اس ارادہ سے لیتا ہے کہ اسے ادا کرے گا تو اللہ اس سے ادا کرا دیتا ہے، اور جو اس ارادے سے لیتا ہے اسے ضائع کر دے گا تو اللہ تعالی اسے ضائع کرا دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی ارادے کے مطابق انسان کو اس کے کام کا اجر دیتا ہے اگر اس کا ارادہ دینے کا ہے تو اللہ تعالی اس سے مال دلوا دیتا ہے اگر ارادہ ضائع کرنے کا ہے مال ضائع کروادے گا۔ امام ابویوسفؒ (وفات ۱۸۲ھ) قوموں کی تباہی میں حقوق تلفی کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"انما هلک من هلک من الامم لحبسهم الحق حتی يشتری منهم و اظهارهم الظلم حتی يفتدی منهم"(۲)

ترجمہ: ماضی میں جو قومیں تباہ ہوگئیں ان کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے عوام کو ان کے حقوق دینے سے گریز کیا تاکہ عوام ان سے اپنے حقوق قیمت ادا کرکے

---

(۱) صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، کتاب فی الاستقراض، باب من اخذ اموال الناس، حدیث نمبر: ۲۳۸۷، ۳/۱۱۵

(۲) کتاب الخراج، امام ابویوسف، المکتبۃ السلفیہ، قاہرہ، مصر، ص؛ ۱۱۴

خریدیں اور عوام پر ظلم ڈھائے تاکہ ان کے مظالم سے بچنے کے لیے انہیں فدیہ (رشوت)ادا کریں۔

اسی طرح سے صوبہ کی آمدنی سے مرکزی انتظامیہ کے درمیان باہمی افہام و تفہیم سے معاملات طے پا سکتے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے مرکزی نظام کو مضبوط رکھنا بھی ایک اہم فریضہ ہے تاکہ مرکز تمام علاقوں کا دفاع پوری طاقت سے کر سکے جبکہ عوام کی حق تلفی کرنے اور ظلم ڈھانے والی قوموں کا مقدر تباہی ہی ہوتی ہے۔

٤۔اسلامی ریاست میں تقسیم آب نظام

اسلامی نقطہ نظر سے ایک اسلامی ریاست کے اندر قدرتی (دریائی) پانی کی تقسیم کی واضح ہدایات موجود ہیں جن سے ہمیں موجودہ مسائل کے حل میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءٌ فِيْ ثَلَاثٍ اَلْمَآءُ وَالْكَلَاءُ وَالنَّارُ))[1]

ترجمہ: تین چیزوں میں تمام مسلمان باہم شریک ہیں (وہ یہ ہیں) پانی، چارا اور آگ۔

پانی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ پانی کو سب کے لیے مساوی قرار دیا ہے۔ اسی طرح ضرورت سے زیادہ پانی کو روکنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَلَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِيَمْنَعَ بِهِ الْكَلَاءَ))[2]

ترجمہ: زائد پانی لوگوں سے نہ روکا جائے تاکہ وہ گھاس (چارہ) اگانے سے محروم نہ ہوں۔

پانی کو روکنا خواہ وہ پینے کا ہو یا زراعت کے استعمال کے لیے دونوں صورتوں میں درست نہیں۔ پینے والے پانی کو روکنے سے شدت پیاس جان لوا ہو سکتی ہے جبکہ زرعی علاقے کا پانی روکنے سے علاقہ غیر آباد ہو جاتا ہے جو قحط و فاقہ کا سبب بنتا ہے جس سے علاقے میں اموات واقع ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح پانی روکنے کی بھی حدود مقرر ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اِنَّ الْمَاءَ اِلَى الْكَعْبَيْنِ، لَا يَحْبَسُ الْاَعْلىٰ عَلَى الْاَسْفَلِ))[3]

ترجمہ: جب پانی ٹخنے ٹخنے ہو جائے تو پھر اوپر والا اسے نیچے والے کی طرف جانے سے مت روکے۔

---

(۱)مسند امام احمد، ۳۸/۱۷۴

(۲)جامع مسند، دار طوق النجاۃ، بیروت، کتاب فی الاستقراض و اداء الدیون، باب من قال ان صاحب الماء، حدیث نمبر: ۲۳۵۳، ۶/۸۴

(۳)سنن ابو داؤد، کتاب القضاء، باب فی القضاء، حدیث نمبر: ۳۶۳۸، ۳/۸۳۹

لہذا اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد پانی کو روکنا زیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں پانی کی تقسیم کے متعلق اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"والانتفاع بماء البحر کالانتفاع الشمس والقمر والھوا"[1]

ترجمہ: دریاؤں کے پانی سے فائدہ اٹھانے میں سب لوگ ایسے شریک ہیں جس طرح سورج، چاند، ہوا سے فائدہ اٹھانے میں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو مساوی حقوق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ڈیم اور بیراج بنانے کا مسئلہ

ابتداء میں پانی تالابوں اور جھیلوں میں محفوظ کیا جاتا تھا جبکہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں پانی کو اکٹھا کر کے اس سے مختلف فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم اور بیراج بنائے جاتے ہیں۔ اگر کسی اسلامی ریاست میں بلند مقامات پر ڈیم بنائے جائیں اور پانی ذخیرہ کیا جائے جبکہ نشیبی علاقے سیر اب نہ ہوئے ہوں تو اسی صورت میں پانی ذخیرہ کرنے سے نیچے علاقوں میں پانی کی قلت پیدا ہو جائے گی اور زرعی نظام متاثر ہو گا اس ڈیم کا بنانا درست نہیں۔ لہٰذا ذخیرہ شدہ پانی سے سب علاقوں کو ان کا حصہ ملنا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ بالائی علاقوں میں بیراجوں کے ذریعے تو سیلاب کی صورت حال پیدا ہو اور نیچے والے علاقے پانی کے لیے ترسیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے۔

"منع الاعلیٰ من السکرای سده علی الاسفل حتی یشرب حصة فان لم یشرب الاعلی بدون السکر لما فیه من ابطال حق الاسفل مده السکر الا برضاهم"[2]

ترجمہ: اعلیٰ (اوپر والے) لوگوں کو پانی روکنے سے منع کیا گیا ہے یعنی اسفل (نیچے والے) لوگوں سے پہلے بند باندھنے سے ممانعت کر دی گئی ہے چاہے اوپر والے لوگ بغیر بند باندھے پانی سے سیر اب نہ ہو سکیں ان سے پہلے اسفل (نیچے والے) لوگ اپنا پانی حاصل کر لیں کیونکہ اسفل (نیچے والے) لوگوں کی اجازت کے بغیر بند باندھنے سے ان کا حق باطل ہو جائے گا۔

قریبی لوگ حقوق کے سلسلے میں بھی ایک دوسرے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ و صدقات، زمین و جائیداد، میں بھی قریبی رشتے داروں اور مقامی لوگوں کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی جائے گی۔ حق کا مطالبہ کرنا عصبیت نہیں بلکہ حق ادا نہ کرنا عصبیت جاہلیہ ہو گا۔

---

(۱) فتاوی عالمگیری، لجنۃ علماء سندھ وہند، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۵/۳۹۰

(۲) تبیین الحقائق، علامی زیلعی الحنفی، مطبعۃ الکبری الامیریۃ، مصر، ۶/۴۲

علاقائی تہذیبیں اور اسلام

اسلام زبان، رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹانا چاہتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْناكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبائِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾[1]

ترجمہ: ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اختلاف زبان کو بھی قوم کی نشانی ٹھہرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيَاتِه خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بات ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی طرح تمہاری رنگتوں اور زبان کے اختلاف ہیں۔

فطرتاً زبانوں میں تنگ نظری، تعصب نہیں لیکن کچھ سیاسی، اقتصادی اور تاریخی عوامل کی وجہ مختلف علاقوں کے لوگ اپنا تسلط جمانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں چنانچہ اسلام نے علمی، اخلاقی، اور روحانی قدروں کو فروغ دے کر اور رنگ و نسل کے اختلاف کو مٹا کر معاشرے میں برابری کے رویے کو فروغ دیا۔ انبیائے کرامؑ اپنے ادوار میں بولی جانے والی زبان میں ہی تبلیغ و اشاعت کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِه لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[3]

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ اللہ کے پیغام کو کھول کر بیان کرے۔

چنانچہ ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو ان کی زبان میں ہی تبلیغ کی تا کہ انہیں اللہ کا پیغام سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۲) سورۃ الروم: ۳۰/ ۲۲

(۳) سورۃ الابراہیم: ۱۴/ ۴

مبحث دوم

علاقائی حقوق کی محرومیاں ختم کرنے کے لیے اقدامات

حق داروں تک ان کا حق پہنچانے سے محرومیوں کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ اس سے انصاف کو فروغ ملتاہے اور حق تلفی کا خاتمہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((مَا أُعْطِيكُمْ وَلاَ أَمْنَعُكُمْ، إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ))[۱]

ترجمہ: میں نہ کسی کو دیتاہوں، اور نہ کسی سے مال کو روکتاہوں، میں تو حقداروں پر اس طرح تقسیم کرتاہوں جیسا کہ مجھے حکم کیا گیاہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ حق داروں کو ان کا حق تقسیم کرنے کی وضاحت فرمارہے ہیں۔ لہذا حق داروں تک ان کا حق پہنچانے کیے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

۱۔ اسلامی ریاست میں مختلف صوبوں کے اصلی باشندوں کو علاقائی لحاظ سے اندرونی طور پر سیاسی خودمختاری حاصل ہونی چاہیے

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مختلف صوبوں کے اصلی باشندوں کو ملازمت کے سلسلے میں صوبائی نظام حکومت میں اور مرکزی نظام حکومت میں مختلف علاقوں کے باشندوں کو ملازمت میں حصہ ملنا چاہیے

۳۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مختلف صوبوں میں واقع سرکاری غیر آباد زرعی زمین جب حکومت اس کو آباد کرانا چاہے تو اس پر مقامی لوگوں کو حق دینا چاہیے

۴۔ پاکستان کی حکومت کو مختلف صوبوں سے جو محاصل وصول ہوتے ہیں اس سے تمام صوبے کے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حصہ ہونا چاہیے

۵۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں کو زمین کو آباد کرنے کے لئے پانی کی تقسیم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں کے لیے پالیسی بنانی چاہیے۔

۶۔ پاکستان میں مختلف علاقوں اور صوبوں کے باشندوں کی زبان اور تہذیب کا تقدس اور ان کی حفاظت کرنی چاہیے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول اللہ تعالیٰ: فان للہ خمسہ وللرسول، حدیث نمبر: ۳۱۱۷، ۴/ ۸۵

۷۔ مخلصانہ پالیسیاں بنانے کے بعد ان پر عمل درآمد ہونا چاہیے تاکہ قومی و علاقائی عصبیتیں پروان نہ چڑھیں اور علاقائی حقوق کا تحفظ ممکن ہوسکے۔[1]

ایک اسلامی ریاست میں تمام صوبوں اور علاقوں کے لوگوں کو ان کے حقوق دے کر ہی ان کے احساس محرومی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے لہٰذا پاکستان میں امن کی راہ میں حائل ایک رکاوٹ علاقائی حقوق کی محرومیاں ہیں۔ علاقائی حقوق کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں کے خلاف متعصب ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بدامنی اور انتشار کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

---

(۱) اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، ص:۱۱۳-۱۱۴

باب پنجم: امن پاکستان میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل

فصل اوّل: متوازن تعلیمی پالیسی اور امن پاکستان

فصل دوم: مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی اور امن پاکستان

فصل سوم: گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا حل اور امن پاکستان

فصل چہارم: معاشی استحصال کا تدارک اور امن پاکستان

پاکستان کے موجودہ مسائل کا حل اللہ تعالی کے بتائے ہوئے اسلامی شریعت کے اصولوں پر عمل کرنے میں ہے۔ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر سچے دل سے معافی مانگنی چاہیے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حضرت یونسؑ کی قوم کو توبہ قبول کرتے ہوئے ان سے عذاب کو ٹال دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلٰى حِيْنٍ﴾(۱)

ترجمہ: تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا، سوائے حضرت یونسؑ کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دور کر دیا ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب اور انہیں ساز و سامان دیا ایک مدت تک کے لئے۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان کی گئی ہے:

" فَأَرْسَلَ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يُونُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَدْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَتَرْكِ مَا هُمْ عَلَيْهِ فَأَبَوْا، فَقِيلَ: إِنَّهُ أَقَامَ يَدْعُوهُمْ تِسْعَ سِنِينَ فَيَئِسَ مِنْ إِيمَانِهِمْ، فَقِيلَ لَهُ: أَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْعَذَابَ مُصَبِّحُهُمْ إِلَى ثَلَاثٍ فَفَعَلَ، وَقَالُوا: هُوَ رَجُلٌ لَا يَكْذِبُ فَارْقُبُوهُ فَإِنْ أَقَامَ مَعَكُمْ وَبَيْنَ أَظْهُرِكُمْ فَلَا عَلَيْكُمْ، وَإِنِ ارْتَحَلَ عَنْكُمْ فَهُوَ نُزُولُ الْعَذَابِ لَا شَكَّ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ تَزَوَّدَ يُونُسُ وَخَرَجَ عَنْهُمْ فَأَصْبَحُوا فَلَمْ يَجِدُوهُ فَتَابُوا وَدَعَوُا اللَّهَ ولبسوا المسوح وَفَرَّقُوا بَيْنَ الْأُمَّهَاتِ وَالْأَوْلَادِ مِنَ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ، وَرَدُّوا الْمَظَالِمَ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ"(۲)

ترجمہ: اللہ تعالی نے حضرت یونس (علیہ السلام) کو ان کی طرف بھیجا اور آپ انہیں اسلام کی طرف اور جن نظریات پر وہ تھے انہیں ترک کرنے کی دعوت دینے لگے لیکن انہوں نے انکار کیا۔ پس کہا گیا ہے کہ بے شک آپ انہیں نو سال تک دعوت دیتے رہے بالآخر آپ ان کے ایمان سے مایوس اور ناامید ہو گئے۔ تو آپ کو کہا گیا: آپ انہیں اطلاع کریں کہ تین دن تک ان پر عذاب آنے والا ہے چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ کہنے لگے: یہ آدمی جھوٹ نہیں بولتا ہے پس تم اس کی تاک میں رہو پس اگر یہ تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان مقیم رہے تو پھر تم پر کچھ بھی نہیں آئے گا اور اگر یہ تم سے کوچ کر جائے (نکل جائے) تو بلاشک وہی عذاب کے نازل

(۱) سورۃ الیونس: ۱۰/ ۹۸

(۲) تفسیر القرطبی: ۸/ ۳۸۴

ہونے کا وقت ہوگا۔ پس جب رات آئی تو حضرت یونس (علیہ السلام) نے زادراہ لیا اور ان سے نکل گئے پس جب انہوں نے صبح کی تو آپ کو نہ پایا تو وہ توبہ کرنے لگے اور اللہ تعالی سے دعا مانگنے لگے اور انہوں نے ٹاٹ پہن لیے اور انسانوں اور جانوروں میں سے ماؤں اور بچوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور اس حالت میں انہوں نے مظالم چھوڑ دیئے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو راہ راست پر آنے کی پوری آزادی دیتے ہیں اور راہ راست پر آنے سے عذاب کو ٹال دیتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی توبہ کرنے والے کا اللہ بھی ساتھ دیتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی توبہ کرنے والے انسان کو پسند فرماتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنْ يَّنْصُرُكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُم وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعدِه وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کون تمھاری مدد کرے گا اور چاہیے کہ اہل ایمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالی پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالی کی مدد کے سوا کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا۔ جلال الدین سیوطی اس آیت کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:

"أَي أَن ينصرك الله فَلَا غَالب لَك من النَّاس لن يَضرك خذلان من خذلك وَإِن يخذلك فَلَنْ يَضرك النَّاس {فَمن ذَا الَّذِي ينصركم من بعده} أَي لَا تتْرك أَمْرِي للنَّاس وَارْفض النَّاس لأمري "[2]

ترجمہ: یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا ہر گز تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ شخص جو تیری مدد چھوڑ دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ تیری مدد چھوڑ دے تو ہر گز تم کو لوگ فائدہ نہیں پہنچا سکتے (اور فرمایا) لفظ آیت "فمن ذا الذی ینصر کم من بعدہ" یعنی تو میرے حکم کو نہ چھوڑ لوگوں کے لیے اور چھوڑ دے لوگوں کو میرے حکم (کو پورا کرنے کے) کے لیے۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کی بہادری اور ہمت کی داد دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان اللہ پر بھروسہ کریں گے تو اللہ تعالی ان کی مدد میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اگر اس سے منہ موڑیں گے تو اللہ بھی مدد سے

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۶۰

(۲) تفسیر الدر المنثور، ۲/ ۳۶۱

ہاتھ اٹھالیں گے، چنانچہ اہل ایمان کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے کہ وہ اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمیں اجتماعی توبہ کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اجتماعی توبہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"اجتماعی توبہ سے مراد ہم کسی ایسی تحریک یا جماعت کا حصہ بنیں جو لوگوں میں شعور اور احساس پیدا کرے کہ حکومت وقت سے ہمدردانہ انداز میں اسلامی شعائر اور شریعت اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ کرے "[1]

(۱) پاکستان کا مستقبل ہمارے طرز عمل کی روشنی میں، ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی، ۲۰۰۶ء، ص: ۳۱-۳۳

فصل اول: متوازن تعلیمی پالیسی اور امن پاکستان

مبحث اول: رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی پالیسی
مبحث دوم: متوازن تعلیمی پالیسی کی خصوصیات
مبحث سوم: متوازن قومی تعلیمی پالیسی کے اہداف
مبحث چہارم: متوازن تعلیمی پالیسی کے لیے تجاویز

فصل اول

متوازن تعلیمی پالیسی اور امن پاکستان

کسی بھی معاشرے اور قوم کی تنزلی کا سبب تعلیمی بحران اور پسماندگی ہے۔ متوازن تعلیمی پالیسی وہی کہلائے گی جس سے ملک کو تحقیقی، علمی اور عملی لحاظ سے فائدہ ہو۔ ایک مثالی نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے جس میں ملکی ضروریات اور لوگوں کی مذہبی اور معاشرتی اقدار کو مدنظر رکھا جائے۔ ہمیں ایسے نصاب تعلیم سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے جس سے پاکستان کی خود مختاری اور آزادی پر کوئی حرف آئے۔ نصاب کا بنیادی مقصد علاقائی ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ علاقائی تعصبات کو پیدا کرنے والے نکات کو نصاب کا حصہ نہیں ہونا چاہیے چنانچہ حکومت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ متوازن تعلیمی پالیسی کے ذریعے قوانین، انتظامی احکام اور خاندان کو آپس میں مضبوط بنائے۔ حکومت کی متوازن تعلیمی پالیسی کی وضاحت یہ آیت کرتی ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو حکم دے رہے ہیں ان لوگوں کو علم سکھاؤ اور دین سمجھنے کا شعور پیدا کرو جہاں سہولیات میسر نہیں تاکہ انہیں دین کے صحیح پیغام کا پتہ چلے، آبادی کا وہ حصہ جہاں پڑھے لکھے لوگ نہ ہوں اور ان میں شعور نہ ہو، وسائل و ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے علم نہ حاصل کر سکیں اور صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکیں چنانچہ ایسے لوگوں کو ان کی حالت پر نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ ان میں علمی اور اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے باقاعدہ نظام ترتیب دینا چاہیے۔ اس کی وضاحت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

((تَنَاصَحُوا فِي الْعِلْمِ ، فَإِنَّ خِيَانَةَ أَحَدِكُمْ فِي عِلْمِهِ ، أَشَدُّ مِنْ خِيَانَتِهِ فِي مَالِهِ إن الله مسائلكم))[2]

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۱۲۲

(۲) الترغیب والترھیب، عبد العظیم بن عبد القوي، محقق: ابراہیم شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ، کتاب العلم الترغیب فی العلم وطلبہ وتعلمہ وتعلیمہ، ۱/ ۲۷

ترجمہ: علم کے بارے میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہا کرو (تاکہ کوئی علم میں خیانت نہ کرے) تم میں سے کسی ایک کی علمی خیانت اس کی مالی خیانت سے بڑا جرم ہے اور اللہ تم سے اس بارے میں پوچھے گا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ علم کی اہمیت کے ساتھ ساتھ علمی خیانت کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اللہ تعالی مال کو خرچ کرنے کے حوالے سے اور حاصل کئے گئے علم کو چھپانے کے حوالے سے سوال پوچھیں گے۔ متوازن تعلیمی پالیسی میں زندگی کے ہر شعبے انداز اور سوچ کو اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق ڈھالنا چاہیے اور وہی علم صحیح ہو گا جو قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرے اور معرفت الٰہی کا ذریعہ بنے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْ أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾[۱]

ترجمہ: ہم جلد اپنی آیات انہیں اطراف عالم میں اور (خود) ان کی ذات میں دکھادیں گے یہاں تک کے ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی قرآن کی حقانیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی نشانیاں پوری کائنات اور انسان کے وجود میں موجود ہیں یہ اللہ تعالی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ انسان کا جسم مشین سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالی کی قرآن میں بیان کی ہوئی تمام باتیں انسان پر واضح ہو جائیں کہ انسانی اعضاء کس طرح اپنے افعال سر انجام دیتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی اسلامی تعلیم کا مقصد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام تعلیم کو ایک نصب العین سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں مقصدیت پوری طرح کارفرما ہوتی ہے۔ اسلام ایسے افراد چاہتا ہے جو انفرادی طور پر اس عظیم مقصد کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوں اور اجتماعی طور پر اسلامی ریاست کے اچھے شہری ثابت ہو سکیں کیونکہ وہ نظام تعلیم جس سے مقاصد ریاست پورے نہ ہوں اجتماعی نظم کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے۔"[۲]

---

(۱) سورۃ الفصلت: ۴۱ / ۵۳

(۲) اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۳۷۶

مبحث اول

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی پالیسی

آنحضرت ﷺ نے جس مختصر عرصے میں امت کی رہنمائی فرمائی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو ظلمت کے اندھیرے سے نکال کر سچائی، پاکیزگی اور انصاف کی راہ دکھائی۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی کی ابتداء ہجرت مدینہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے کیونکہ مکہ کے حالات سازگار نہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہر لحاظ سے مستحکم کرنے کی دن رات محنت کی چنانچہ ملک میں تعلیمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ سیاسی، معاشی لحاظ سے ملک مضبوط ہو۔ اس کے لیے آنحضرت ﷺ نے اقدامات اٹھائے، میثاق مدینہ میں تمام گروہوں کو معاہدہ کا پابند بنایا اور آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی تھا۔ مؤاخات مدینہ اور بھائی چارے کی بدولت امن وامان کی فضا قائم ہوئی۔ مساجد کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا گیا اور اس جگہ کو صفہ کے نام سے موسوم اور متعارف کروایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں تعلیم درج ذیل پہلوؤں کا احاطہ کرتی تھی:

۱۔ ابتدائی تعلیم

ہر ملک و معاشرے کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بچوں کو ابتداء ہی سے زیور تعلیم کے مواقع فراہم کرکے زیور تعلیم سے آراستہ کرے اور یہ عمل ہر قسم کے تعصب سے پاک ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں تعلیم بغیر کسی تعصب کے عام دی جاتی تھی۔ شعب الایمان میں ہے:

((حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُعَلِّمَهُ الْكِتَابَةَ وَالسِّبَاحَةَ وَالرَّمْى))[۱]

ترجمہ: اولاد کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ باپ اپنے بچے کو جہاں تیرنا اور تیر چلانا سکھائے وہاں اسے لکھنا پڑھنا بھی سکھائے۔

لہذا روزمرہ معاشرتی زندگی کی سرگرمیوں کے علاوہ باپ کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تعلیمی اور اخلاقی تربیت بھی کرے اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْاأَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾[۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے آپ اور اپنے خاندان کو دوزخ سے بچاؤ۔

اس آیت کی تشریح سیوطی نے ایسے بیان کی ہے:

---

(۱) شعب الایمان، محقق: عبد القادر الرناؤوط، دار ابن کثیر، دمشق، مقدمہ، باب حقوق الاولاد والاھلین،، حدیث نمبر: ۸۲۹۸، ۱۱/ ۱۳۶

(۲) سورۃ التحریم: ۶۶/ ۶

"اعلموا بِطَاعَة الله وَاتَّقوا معاصي الله وَأمرُوا أهليكم بِالذكر ينجيكم الله من النَّار"[1]

ترجمہ: تم اللہ کی اطاعت کے ساتھ عمل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اپنے گھر والوں کو ذکر کا حکم کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو آگ سے نجات دے گا۔

اس سے مراد خاندان کے سربراہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ خاندان کے افراد کو اچھے کاموں کا حکم دیں۔ اس آیت کی تفسیر احکام القرآن میں اس طرح ہے:

"ہم اپنی اولاد اور خاندان کو دین و خیر خواہی کی ہر قسم کی تعلیم دیں جس طرح نبی ﷺ کو حکم دیا گیا۔"[2]

تعلیم حاصل کرنے کا بہترین وقت جوانی کا ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

"تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا"[3]

ترجمہ: سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو۔

انسان جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ جوانی میں چونکہ انسان تمام فکر اور ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے اور فارغ وقت زیادہ میسر ہوتا ہے اس لئے تعلیم حاصل کرنے کا صحیح وقت جوانی کا ہوتا ہے۔

۲۔ زیادہ عمر کے افراد کے لئے تعلیم کے مواقع

معاشرے کے وہ افراد جو بعض وجوہات کی بنا پر تعلیم حاصل نہیں کر سکے اور ان کی عمر زیادہ ہو گئی ہو انہیں بھی تعلیم کے مواقع ملنے چاہیں کیونکہ اس عمر میں تعلیم توجہ کے ساتھ اور ذہن کی پختگی کی وجہ سے تیزی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی اکثر صحابہ نے اس وقت تعلیم حاصل کی جب وہ ادھیڑ عمر میں تھے۔ آخری عمر میں بھی انہوں نے کمال علم حاصل کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مابعث الله نبيا الا وهو شاب ولا اوتى عالم علما الا وهو شاب"[4]

ترجمہ: اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر جب وہ جوان تھا اور کسی عالم کو علم نہیں دیا گیا مگر جب وہ جوان ہوا۔

---

(۱) تفسیر الدر المنثور، ص: ۸/ ۲۲۵

(۲) احکام القرآن، ابو بکر احمد بن علی الرازی (وفات: ۳۷۰ھ)، المطبعۃ البہیہ، ۱۳۴۷ء، ۳/ ۵۷۳

(۳) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم، ۱/ ۲۵

(۴) مجمع الزوائد، نورالدین علی بن ابی کرم الہیثمی، موسسۃ المعارف، بیروت، ۱۴۰۶ھ، ۱/ ۱۳۰

اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ پختگی اور بالغ عمری میں انسان علم حاصل کرنے کی صحیح صلاحیت رکھتا ہے اس کی مثال یہ کہ پیغمبروں کو بھی تب ہی اللہ نے پیغمبری کا شرف بخشا جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے اور عالم بھی تب ہی علم کا صحیح حقدار ٹھہرتا ہے جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے۔

۳۔ حصول علم کے لیے انسانوں میں عدم تفریق

علم سیکھنا اور سکھانا اسلامی نقطہ نظر سے بہت معتبر عمل ہے اس عمل میں مساوات کے پہلو کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر بعض طلباء احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں منفی سوچ پروان چڑھتی ہے جو معاشرے کا امن و سکون تباہ کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے امیر اور غریب کے درمیان کبھی کوئی امتیاز روانہ رکھا ہر کوئی آپ کے علم سے مستفید ہوتا۔ جیسا کہ حدیث پاک ہے:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: عَلِّمْنِي كَلَامًا أَقُولُهُ، ((قَالَ: " قُلْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ " قَالَ: فَهَؤُلَاءِ لِرَبِّي، فَمَا لِي؟ قَالَ: " قُلْ: اللهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي"))[1]

ترجمہ: ایک بدو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا" مجھے ایک ایسی بات سکھائیے کہ میں کہتا رہوں" آپ ﷺ نے فرمایا: کہو: کوئی معبود نہیں مگر تنہا اللہ تعالی کے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالی سب سے بڑا عظیم ہے۔ اللہ تعالی کے لئے زیادہ تعریف ہے جہانوں کا رب اللہ تعالی ہر نقص سے پاک ہے۔ نہ نیکی کرنے کی سکت ہے، نہ برائی سے بچنے کی قوت ہے، مگر غالب حکمت والے اللہ تعالی کے ساتھ۔ اس نے عرض کیا: یہ کلمات تو میرے رب کے لئے ہیں، میرے لئے کیا ہے؟؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہو: "اے میرے اللہ! مجھے معاف فرما دیجیے اور مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے ہدایت دیجیے اور مجھے رزق عطا فرمائیے۔"

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ دیہاتی، شہری اور امیر غریب کے فرق سے بالاتر ہو کے لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ جواد علی آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی میں مساوات کے پہلو کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی غیر متعصبانہ تھی۔ آپ ﷺ کے نزدیک معاشرے کے ہر فرد کا برابر حق تھا کہ وہ تعلیم حاصل کرے۔ آپ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر فالدعاوالتوبہ والاستغفار، باب فضل التحلیل والتسبیح، حدیث نمبر: ۶،۶۸۴۸/۷۷/۲

ﷺ نے اپنے دور میں ایسے اقدامات کیے جس سے تعلیم کا حصول ہر فرد کے لیے آسان بن گیا۔ آنحضرت ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کا فرق ختم کر دیا اور بعض مسلمانوں نے غیر مسلموں سے بھی علم حاصل کیا۔ جنگ بدر میں بہت سے قیدی جو کہ غیر مسلم تھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا اور آزاد ہو گئے۔"[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کے امتیاز کو روا نہ رکھا گیا بلکہ تمام لوگوں کو برابری کا حق حاصل تھا چاہیے امیر ہو یا غریب۔

۴۔ تعلیم میں اجارہ داری کا خاتمہ

اسلام نے علم حاصل کرنے کے لیے کسی رنگ و نسل اور قوم، مذہب اور فرقے کی پابندی نہیں رکھی۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے علم و تعلم پادریوں، جادوگروں، جاگیرداروں اور پنڈتوں کی ملکیت تھی۔ ایک بار آنحضرت ﷺ کی مجلس میں نادار اور غریب صحابی تشریف فرما تھے۔ چند مالدار کافر آئے اور کہا کہ آپ کی مجلس میں اس شرط پر بیٹھیں گے کہ غریب افراد کو اپنے سے دور کریں چنانچہ اس اثناء میں یہ وحی نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ﴾[2]

ترجمہ: جو لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اسے پکارتے ہیں ان کو اپنے سے دور مت کیجیے۔

اسلام نے ہر قسم کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی، رسول اللہ ﷺ نے علم کو عام کرنے کے لیے فرمایا:

((تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَ عَلِّمُوْهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَ عَلِّمُوْهُ النَّاسَ، تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَ عَلِّمُوْه النَّاسَ))[3]

ترجمہ: علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

آنحضرت ﷺ نے علم سیکھنے اور سکھانے کو لازمی قرار دیا اور فرمایا سیکھنے والے بن جاؤ یا سکھانے والے ،تیسر اراستہ اختیار نہ کرنا لوگوں کو اچھی بات بتانا بھی صدقہ جاریہ ہے۔

---

(۱) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، مکتبہ النہضۃ، بغداد، طبع اول، ۱۹۷۱ء، ۸/ ۲۹۳

(۲) سورۃ الانعام: ۶/ ۵۲

(۳) السنن الکبری للبیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۹/ ۲۴۰

۵۔ تعلیم نسواں

آنحضرت ﷺ نے جس طرح بالغ مردوں، بچوں اور معاشرے کے تمام افراد کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے اسی طرح عورتوں کی تعلیم پر بھی خصوصی زور دیا۔ اسلام میں عورت کو دوسرے حقوق کے ساتھ ساتھ تعلیم کا حق بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَه ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثَ اَخَوَاتٍ اَوِ ابْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللهَ فِيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ))[1]

ترجمہ: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور اس نے ان کی بہترین تعلیم وتربیت کی اوران کے مستقبل کے بارے خدا سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اس حدیث کی شرح حافظ خالد سلفی نے اس طرح کی ہے:

"بیٹیوں کی پرورش کے فضائل اس لئے زیادہ آئے ہیں کہ اس میں ماں باپ کو صبر کرنا پڑتا ہے۔"[2]

خواتین کی تعلیم وتربیت کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے کیونکہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے اس لئے اسلام نے خواتین کی تعلیم پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ ایسے شخص سے خوش ہوتا ہے اور اسے بطور انعام جنت دیتا ہے جو عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا ہے۔

۶۔ تعلیم میں تخصصات کو ترجیح

آنحضرت ﷺ نے جہاں عمومی تعلیم کا بندوبست کیا اس کے ساتھ ساتھ تعلیم میں تخصصات کو بھی خصوصی اہمیت دی تاکہ علم کا وسیع اور جامع انداز سے مطالعہ کیا جاسکے اس کے لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی خصوصی ٹیم تیار کی جو مختلف علوم وفنون کی ماہر تھی جیسا کہ حضرت ابیؓ کے بارے میں فرمایا:

"قرأ القرآن على أبي بن كعب"[3]

ترجمہ: ابی بن کعبؓ سے قرآن پڑھیں۔

سب سے بڑے قاری ابی بن کعبؓ ہیں۔ اسی طرح طبقات الکبری میں صحابہ کی رائے حضرت علیؓ کے بارے میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات، حدیث نمبر: ۱۲۳۶، ص: ۱/ ۶۷۰

(۲) ایضا، ص: ۱/ ۶۷۱

(۳) معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، الذہبی (وفات: ۷۴۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول، ۱۴۱۷ھ، ۱/ ۳۰

"كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ مِنْ أقضى أهل المدينة على"[1]

ترجمہ: ہم حضرت علیؓ کو مدینہ کا سب سے بڑا قاری شمار کرتے ہیں۔

وراثت کی تعلیم اور علم الفرائض کے لئے آنحضرت ﷺ نے زید بن ثابتؓ کو اس تخصص کے لئے مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے زید بن ثابتؓ کے بارے میں فرمایا:

"ان یسال عن الفرائض فلیات زید بن ثابت"(۲)

ترجمہ: کہ جو شخص علم الفرائض کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے وہ زید بن ثابت کے پاس آئے۔

آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حلال و حرام کے تخصص کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کے بارے میں فرمایا:

"اعلم امتی باالحلال والحرام معاذ بن جبل"[3]

ترجمہ: میری امت میں حلال و حرام کا سب سے جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

ان تمام شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تعلیم کے عمل کو کتنی باریک بینی سے اہمیت دیتے تھے اور اس کے لئے الگ الگ صحابہ مقرر کر رکھے تھے تاکہ مسائل کی گہرائی تک پہنچا جاسکے۔

---

(۱) الطبقات الکبری، ابن سعد (وفات: ۲۳۰ھ)، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۰ھ، ۲/ ۲۵۸

(۲) معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، ۲/ ۲۷۴

(۳) فجر الاسلام، ڈاکٹر احمد امین، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۶۹ء، ۲/ ۱۷۱

مبحث دوم

متوازن تعلیمی پالیسی کی خصوصیات

متوازن تعلیمی پالیسی کی درج ذیل خصوصیات ہیں جن پر عمل درآمد کر کے تعلیمی عمل کو ملک کے مفاد میں صحیح رستے پر چلایا جاسکے اور نئی نسل کی ذہن سازی کی جاسکے:

۱۔ نظام تعلیم کے ہر مرحلے میں اسلامی نظریہ حیات کی جھلک نظر آنی چاہیے۔

۲۔ طبقاتی نظام تعلیم کو ختم کرنا چاہیے۔

۳۔ اخلاقی تربیت اور ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ غیر مسلموں کو ان کے مذہب کے مطابق تعلیم کے مواقع فراہم کرنا۔

۵۔ اعلیٰ تحقیق کے مراکز قائم کئے جانے چاہیں اور اسلامی علوم کی تحقیق کو خصوصی اہمیت دی جائے۔

۶۔ شرح خواندگی کو بڑھانے کے لئے تعلیمی بجٹ میں اضافہ ہونا چاہیے۔

۷۔ گریجویشن سطح تک تعلیم کو مفت ہونا چاہیے۔

۸۔ پسماندہ علاقوں میں پیشہ ورانہ اداروں اور تعلیم کے مواقع مہیا کرنے چاہیں۔

۹۔ خواتین کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انہیں تعلیم حاصل کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔

۱۰۔ قابل اساتذہ کا تقرر کیا جائے اور ان کی تربیت اسلامی اصول وضوابط کے مطابق کی جائے۔

۱۱۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں تعلیم کا معیار بہتر بنانا چاہیے۔

۱۲۔ عربی کو ایک لازمی مضمون کے طور پر پڑھایا جائے۔

۱۳۔ قومی زبانوں کو انگریزی کی بجائے ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔

۱۴۔ علاقائی زبانوں کو رائج کرنے کے لئے سہولیات دینی چاہیں۔[۱]

تعلیمی پالیسی کی ان خصوصیات سے واضح ہوتا ہے کہ ملک میں امن وامان قائم کرنے اور ملکی تشکیل میں تعلیم کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ان نقات پر عمل درآمد ضروری ہے اس سے تعلیم بلا کسی رنگ و نسل اور امتیاز کے تمام طبقہ فکر کے افراد تک پہنچے گی۔

---

(۱) پاکستان کی سیاسی جماعتیں، ص:۵۸۸-۵۹۰

مبحث سوم

متوازن قومی تعلیمی پالیسی کے اہداف

متوازن تعلیمی پالیسی کے درج ذیل اہداف ہیں جس سے معاشرے میں امن قائم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ دین و علم کے مابین باہمی ربط

آنحضرت ﷺ کی بعثت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے دین و علم کے درمیان ایک باہمی رابطہ پیدا کر دیا اور ایک دوسرے کے مستقبل کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا کہ دوسری تہذیبوں اور زمانوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی ہی علم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اور اس امت میں بھی رسول ﷺ امت محمدی سے ممتاز ہوئے اور امت کو امت وسط کا خطاب ملا، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ إِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾(۱)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان (کیا چیز ہے) لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنادیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں۔ بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ راہ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھیجنے کا مقصد لوگوں کو راہ راست پر لانا اور ہدایت فراہم کر کے گمراہی کے راستے سے ہٹانا تھا۔ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کو ایمان اور کتاب کے متعلق علم نہ تھا لیکن وحی الٰہی کے بعد قرآن کو نور بنایا گیا جس میں لوگوں کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی اسلام میں تعلیم کی اہمیت کو ایسے واضح کرتے ہیں:

"اسلام ایک دین ہے اور وہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی گرفت رکھتا ہے وہ فرد کی انفرادی زندگی اور اس کی حیات اجتماعیہ دونوں کی اصلاح کا دعوے دار ہے وہ بامقصد زندگی کا داعی ہے اس لئے وہ کسی ایسے نظام تعلیم

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۵۲

کو برداشت نہیں کر سکتا جو اس مقصد کے لئے مفید ثابت نہ ہو۔ قرآن پاک نے انسان کا انفرادی اور اجتماعی مقصد واضح کر دیا ہے۔"[۱]

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[۲]

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت کی تشریح تفسیر القرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"إِنَّ هَذَا خَاصٌّ فِيمَنْ سَبَقَ فِي عِلْمِ اللَّهِ أَنَّهُ يَعْبُدُهُ، فَجَاءَ بِلَفْظِ الْعُمُومِ وَمَعْنَاهُ الْخُصُوصُ. وَالْمَعْنَى: وَمَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِلَّا لِيُوَحِّدُونِ"[۳]

ترجمہ: یہ ارشاد ان کو خاص ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لفظ عام ذکر کیا اور مراد خاص ہے۔ معنی ہے میں نے جن وانس میں سے اہل سعادت کو پیدا نہیں کیا مگر اسی لئے کہ وہ میری توحید کا قرار کریں۔

۲۔ داخلی استحکام

متوازن قومی تعلیمی پالیسی کا ایک مقصد معاشرے کے منفی عناصر کا خاتمہ کر کے مثبت عناصر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہے کیونکہ کسی بھی ملک کو سب سے زیادہ خطرہ داخلی خانہ جنگی سے ہوتا ہے۔ بیرونی قوتیں حکومتوں کو اسلام کے تہذیبی تشخص کے خلاف استعمال کرتی ہیں۔ ریاست سے وفاداری اور حکومت سے معاملہ فہمی کرتے ہوئے متوازن نصاب تعلیم ترتیب دینا چاہیے جو معاشرے کے ہر فرد کی مثبت سوچ کی عکاسی کرتا ہو۔ اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ سے روانہ ہوئے تو (اپنی تعلیمی خدمات کی تصدیق کے لئے) اپنے تلامذہ کو جمع کر کے کہا:

"خدا کی قسم! میرے خیال میں دین، فقہ، اور تعلیم قرآن کی حالت ملک کے اور صوبوں سے یہاں بہتر ہو گئی ہے۔"[۴]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیمی عمل کے درست کام کرنے کی وجہ سے ملک کی مجموعی صورتحال بہتر ہوتی ہے۔

---

(۱) اسلام کا معاشرتی نظام: ۳۹۵

(۲) سورۃ الذریات: ۵۱/۵۶

(۳) تفسیر القرطبی: ۱۷/۵۵

(۴) مسند احمد، مکتبہ اسلامی، بیروت، ۱۳۷۸ء، ۱/۴۰۵

۳۔ نظام تعلیم کی یک جہتی

نظام تعلیم کی یک جہتی متوازن تعلیمی پالیسی کا حصہ ہے۔ ہمیں پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر میں معیار تعلیم کے فرق کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پبلک سیکٹر میں ادارے قائم کرنے کے ساتھ پبلک سیکٹر کے اداروں کو منصوبہ بندی کے تحت از سر نو فعال، مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ منتخب نمائندوں کے ذریعے سے مالی امداد، اساتذہ کے لیے بہتر شرائط ملازمت، طلبہ کے لیے مناسب سہولتیں، کتب خانوں میں کتابیں اور تجربہ گاہوں میں ان کے سازوسامان کی فراہمی کا انتظام یقینی بنایا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے جس تعلیمی عمل اور یک جہتی کی بنیاد رکھی وہ تمام انسانوں کے لئے تا قیامت کے لئے رہنمائی ہے جو کہ جامع اور وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ محققین نے اسلامی نظام تعلیم کے درج ذیل جہتوں کا ذکر کیا ہے:

ا۔ ایمان کی استقامت اور صالح اعمال کی تربیت۔

ب۔ زندگی کا مقصد اور رضائے الٰہی کا حصول۔

ت۔ مخلص قیادت کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس۔

ث۔ اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والی جماعت کی تیاری۔

ج۔ امت کی تنظیم۔

ح۔ موجودہ سائنسی ضروریات اور ٹیکنالوجی کی تعلیم۔

خ۔ اسلامی تحقیق اور اجتہاد کی ترقی۔[۱]

۴۔ نصاب تعلیم قومی فکر کا آئینہ دار

نصاب تعلیم کسی بھی قوم کے فکری ارتقاء، علمی تجربوں اور اس کے طرز فکر اور اس کی ذہنی صلاحیتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ نصاب تعلیم کسی قوم کے مطالعہ، اس کی فکری سطح اور اس کی ذہنی سطح کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے اس لیے کسی نصاب تعلیم پر اس قوم کے علمی تجربوں، اس قوم کی عملی نمائندگی کرنے والے گروہ کی نفسیات اور اس ملک کے ماحول سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ نصاب تعلیم کا زندگی اور معاشرے سے مستحکم اور جڑا رہنا بھی ضروری ہے۔ طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ نصاب تعلیم کو ملت کے اساسی مقاصد کا تابع ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قیدوا العلم بالکتاب))[۲]

---

(۱) اسلامی حکمت تعلیم، ڈاکٹر مشتاق الرحمن صدیقی، شمس الاسلام، بھیرہ، ۱۹۸۰ء، ص: ۲۰

(۲) السلسلہ الحدیث الصحیحہ، محمد ناصر الدین البانی، ترجمہ: ابو الحسن عبد المنان راسخ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء، حدیث نمبر: ۲۰۲۶، ۳/۴۶

ترجمہ: علم کو لکھ کر محفوظ کرو۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں کوئی باقاعدہ ترتیب دیا گیا نصاب نہ تھا بلکہ حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق وہ تمام مضامین شامل تھے جو اس وقت کی ضرورت تھے جیسا کہ صحابہ کا غیر ملکی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنا۔[1] درسگاہ نبوی کے نصاب تعلیم کو لطائف المعارف میں ایسے بیان کیا گیا ہے:

> "آپ ﷺ جب صحابہ کے ساتھ وعظ و نصیحت کرتے تو اس میں خصوصا امید، خوف، یاد اور رغبت جیسے تعلیمی پہلو مشتمل ہوتے تھے۔ اس محفل میں اللہ تعالی کی یاد، قرآن مجید کی تلاوت اور حکمت و نصیحت کی باتیں شامل ہوتی تھیں۔ دین میں فائدہ پہنچانے والی باتیں ہوتی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو کئی جگہ غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، حکمت و دانائی کی باتیں بتائی ہیں اور ساتھ ماضی کے لوگوں کے قصے بتائے ہیں جن سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے آخری نبی کو بھی رب کے راستے کی طرف نصیحت کرنے والا اور ،حکمت، اچھی باتوں کی طرف نصیحت کرنے والا بنا کر بھیجا، اس لیے اللہ تعالی نے آپ کا نام مبشر، نذیر، اور داعی الی اللہ رکھا۔"[2]

---

(۱) اسلامی نظام تعلیم، ص: ۳۲۰

(۲) لطائف المعارف، ابن رجب، ترجمہ: مولانا مشہود احمد، مکتبۃ العلم، لاہور، سنہ ۱۴۲۳ھ، ص: ۴۳

مبحث چہارم

متوازن تعلیمی پالیسی کے لیے تجاویز

تعلیمی پالیسی میں اسلام اور نظریہ پاکستان

نظام تعلیم میں اسلام اور نظریہ پاکستان کے عملی نمونہ کے بغیر ملک کی بقاء ممکن نہیں۔ نصاب کو مغربی فلسفے و فکر پر مبنی نہیں ہونا چاہیے یہ اسلامی اقدار کے متضاد ہے۔ نصاب میں خامیوں کی وجہ سے باعمل مسلمان اور ذمہ دار شہریوں کی کمی ہے۔ نصاب صحیح نہ ہونے کی وجہ سے معاشرتی برائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے چنانچہ اس کے لیے درجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ملک کی بقاء اور استحکام کے لئے ضروری ہیں:

ا۔ نصاب کا اسلام اور نظریہ پاکستان کا آئینہ دار ہونا

نصاب قومی مفادات اور امنگوں کا آئینہ دار ہونا چاہیے جس میں اسلام اور نظریہ پاکستان کی آمیزش شامل ہو۔ نئی نسل نظریہ پاکستان کے مفاہیم سے آگاہ ہو کہ اس ملک کے بنانے کا مقصد کیا تھا اس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ قرآن وحدیث کے تعارف کے نام سے ایک مضمون ہو جس میں ناظرہ قرآن اور ترجمہ کے ساتھ قرآن، آخری آدھا پارہ حفظ، چالیس احادیث زبانی، چار سو احادیث ترجمہ کے ساتھ شامل ہوں۔

ب۔ اسلامیات کا مضمون جامع اور تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کرے، مضمون میں عقائد، فقہ، سوانح اور تزکیہ نفس جیسے موضوعات شامل کیے جائیں۔

ت۔ عربی زبان کو پہلی سے دسویں جماعت تک لازمی مضمون کے طور پر پڑھایا جائے۔

ث۔ معاشرتی اور سائنسی علوم کو اسلامی تناظر میں پڑھایا جائے۔

ج۔ نصاب کے طریقہ کار اور جانچنے کے عمل کی خامیاں دور کی جائیں۔

ح۔ ملک کے تمام اداروں میں ایک جیسا نصاب رائج ہونا چاہیے۔

خ۔ طلباء کی عملی تعلیم وتربیت کی جانی چاہیے۔[1]

ب۔ مغربی تعلیم وفکر وتہذیب کا خاتمہ

مغربی فکر وتہذیب کا خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اپنی اقدار و روایات کو فروغ دیں گے اور ملکی ضروریات کے مطابق مختلف شعبوں کے ماہرین تیار کریں گے۔ اس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

---

(۱) ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، ڈاکٹر محمد امین، قاسم پرنٹرز، اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۴۶۸

ا۔ جدید تحقیق قومی زبان میں کی جائے۔
ب۔ خواتین اساتذہ کے لیے باپردہ لباس مقرر کیا جائے۔
ت۔ تعلیمی اداروں کو مذہبی، اخلاقی اقدار کا پابند بنایا جائے۔
ث۔ خواتین یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔
ج۔ ملکی نصاب کو ترجیح دی جائے۔
ح۔ اعلی امتحانات کا ذریعہ تعلیم اردو ہونا چاہیے۔ (۱)

ت۔ تعلیم عام کرنے کے لئے اقدامات

تعلیم کو ہر فرد تک پہنچانے کے لئے حکومت کو عملی اقدامات کرنا ہوں گے محض پالسیاں بنانا ہی کافی نہیں ہوتا۔ تعلیمی فنڈ میں خاطر خواہ اضافہ کرنا چاہیے تاکہ ایسے لوگ بھی تعلیم حاصل کر سکیں جو تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے لہٰذا ہنگامی بنیادوں پر درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ دفاع کے بعد سب سے زیادہ بجٹ تعلیم کے لیے ہونا چاہیے۔
ب۔ ملک کی مساجد کو تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے۔
ت۔ ریٹائرڈ اساتذہ، اور فوجیوں کو جدید تعلیمی کورسز اور ورکشاپ کروا کر تدریسی کام سونپے جائیں۔
ث۔ تمام سرکاری تعلیمی ادارے صبح و شام دو اوقات میں تعلیمی کلاسوں کا اجراء کریں۔
ج۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو سہولتیں دی جائیں اور ٹیکسوں سے چھوٹ دی جائے۔
ح۔ تعلیمی اداروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ (۲)

ث۔ دینی نظام تعلیم کی اصلاح

دینی نظام تعلیم کو موجودہ دور کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے اور علمی وسعت کے لئے ہر شعبہ علم میں تخصص ہونے چاہییں مثلا جیسا کہ تعلیمی اداروں میں (انجینئرنگ اور میڈیکل) وغیرہ ہیں اس کے لیے درجہ ذیل اقدامات کی ضروت ہے:

ا۔ ملک میں دینی اداروں کے لیے ایک ہی بورڈ ہو اور ہر بڑے شہر میں اس کا علاقائی دفتر ہو تاکہ مسلکی فرقہ واریت کا خاتمہ ہو۔

---

(۱) ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، ص:۴۶۹

(۲) ایضا، ص:۴۷۰

ب۔ مدارس کے نصاب میں جدید علوم کو بھی شامل کیا جائے، نصاب کی غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر دوبارہ تدوین اور عربی کو جدید طریقہ تدریس کے مطابق پڑھایا جائے۔

ت۔ دینی مدارس کے اساتذہ کی تربیت کے لئے ورکشاپ اور ریفریش کورسز کروائے جائیں اور معقول مالی آمدنی کا بندوبست ہونا چاہیے۔

ث۔ ملک بھر میں دینی مدارس کے طلبہ کے داخلے اور امتحانات کا نظام ایک جیسا ہونا چاہیے۔

ج۔ مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کرتے ہوئے جدید سہولیات سے آراستہ کیا جائے۔

ح۔ ملک بھر میں مدارس کا ذریعہ تعلیم اور نصاب ایک جیسا ہو۔

خ۔ مسالک کی بنیاد پر مساجد کی رجسٹریشن کی اجازت نہ دی جائے، غیر مسلکی بنیادوں پر مساجد کی رجسٹریشن کی جائے۔

د۔ دینی مدارس سے پڑھے ہوئے طلباء کو پیشہ وارانہ تربیت کے اداروں میں مہارتوں کے سکھانے کی سہولیات کے مواقع ملنے چاہیں۔

ذ۔ دینی تعلیم میں اصلاحات علماء کے مشورے اور تعاون سے کی جائیں۔

ج۔ تعلیمی معیار کی بہتری

تعلیمی خامیوں کو دور کرنے اور انہیں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے جس کے لئے درج ذیل اقدامات کرنے چاہیں:

ا۔ اساتذہ کو پرکشش تنخواہیں اور گریڈ دیئے جائیں تاکہ مخلص ذہین اور قابل لوگ اس پیشے کو اپنائیں۔

ب۔ ٹیوشن سنٹرز اور اکیڈمیوں پر پابندی لگائی جائے۔

ت۔ نظام تعلیم کا مقصد طلباء میں تخلیقی صلاحیتیں اجاگر کرنا ہونا چاہیے۔

ث۔ اساتذہ اور طلباء کے انتخاب میں میرٹ کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ج۔ اعلیٰ تعلیم میں تحقیق کو لازمی قرار دیا جائے۔

ح۔ ضرورت مند ذہین طلباء کی حوصلہ افزائی کے لیے وظائف دیئے جانے چاہیں۔

خ۔ چھٹیوں پر نظر ثانی کر کے ان کو کم کیا جائے ان کو عید کی چھٹیوں تک محدود کیا جائے یا صرف چھوٹے بچوں کو گرمیوں کی چھٹیاں دی جائیں۔(۱)

تعلیمی نظام کی بہتری کے لئے ابن خلدون نے درج ذیل تجاویز دی ہیں:

"کثرت کتب سے تحصیل علم میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، کثرت تلخیصات بھی تحصیل علوم میں دخل انداز ہے۔ تعلیم کا صحیح اور نفع بخش طریقہ یہ ہے

(۱) نوائے وقت، لاہور، ۱۹۹۳ء

کہ اصولی مسائل کی اجمالی طریقے سے وضاحت کر کے طلباء کے ذہنوں کے قریب لایا جائے اور ان کے ذہنوں کی صلاحیتوں اور قوتوں کا بھی لحاظ رکھا جائے اسی طرح فن کے پورے مسائل ذہن میں بٹھائے جائیں، الٰہیات میں زیادہ غور نہ کیا جائے۔"(۱)

متوازن تعلیمی پالیسی پاکستان میں امن کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ تعلیمی اداروں، اساتذہ اور تعلیمی ماہرین کا فرض ہے کہ وہ ایسا نصاب تشکیل دیں جس سے طلباء میں حب الوطنی کا جذبہ اور ذمہ دار شہری بننے کا شوق پیدا ہو، اس کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہ ہوں گے اور پر امن، صالح معاشرے کی بنیاد رکھنے کا سبب بنیں گے۔

---

(۱)ابن خلدون، ۲/ ۳۷۰-۳۷۶

فصل دوم: مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی اور امن پاکستان

مبحث اول: مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کے لئے اقدامات

مبحث دوم: مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کے اہداف

مبحث سوم: مذہبی قیادت کا احتساب

مبحث چہارم: پاکستان میں امن کے لئے علماء کا کردار

ملک میں مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے اور اسے بر قرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کی جائے۔ مسلمانوں کے مختلف مذہبی طبقات کے درمیان اختلافات کے باوجود بہت سی ایسی مشترکہ اقدار اور اصول موجود ہیں جن کو بنیاد بنا کر رواداری، تعاون اور اخوت کی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید چونکہ ایک زندہ معجزہ ہے چنانچہ یہ فکر و عمل کی وحدت کا ذریعہ ہے۔ امت کو ایک خدا، ایک رسول، کعبہ اور قرآن کی بنیاد پر اکٹھا کر کے مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اگر تم اللہ کی مدد کروگے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کریں اور اس کی مخلوق سے اچھا سلوک کریں تو وہ بھی ہماری مدد کرے گا، ہمیں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سختی سے عمل کرنا چاہیے۔

ایک حکمران کی بنیادی اور اولین ترجیح مذہبی حقوق اور ضابطوں کی حفاظت کرنا ہے چنانچہ اس فرض کی ادائیگی اس طرح ہونی چاہیے کہ مذاہب کی قوت کمزور نہ ہو اور امت زوال اور پستی کی طرف نہ جانے پائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکمران ایسے افراد کی جماعت تیار کرے جو کامیابیوں کی بلندیوں کو چھوئے اس کے لئے نہ صرف حکمران بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نیکیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے۔

---

(۱) سورۃ محمد: ۴۷/۷

مبحث اول

مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کے لئے اقدامات

ہر طرف انتشار اور بدامنی کی بنیادی وجہ اخلاقی اقدار کا ختم ہونا ہے اور بے راہ روی کا عام ہونا ہے ۔ ایسے حالات میں نہ صرف حکومت بلکہ معاشرے کے ہر فرد اور انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ برائیوں کو مٹانے اور تمام امور کی مخلصانہ سرپرستی کی طرف توجہ دیں اور حق وصداقت کی حوصلہ افزائی کریں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوافِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾[1]

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو (جیسے) کوشش کرنے کا حق ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس وقت کوشش کرنی چاہیے جب تک انسان میں ہمت و حوصلہ ہے۔ جو شخص اپنی تمام قوت وطاقت کو اللہ کے نظام کو نافذ کرنے میں صرف کرے گا اللہ تعالی اسے اس کا صلہ ضرور دے گا۔ مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی میں حکومتی فرائض کی وضاحت ماوردی ایسے کرتے ہیں:

"اگر منتسبین علم میں سے کوئی شخص بدعت پھیلائے اجماع اور نص کے خلاف باتیں کرے اور علمائے عصر اس کے خلاف ہوں تو ممانعت کرے اور دھمکائے اگر اس سے باز آجائے ٹھیک ورنہ سلطان کا کام ہے دین کی حفاظت کرے"[2]

لہذا دین میں بدعت پھیلانا جائز نہیں اور یہ حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو منع کرے اور دین کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ اسی طرح پروفیسر خورشید احمد دینی تعلیم وتربیت کے نظام کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"بنیادی اسلامی اصولوں کو مرتب کیا جائے انہیں عوامی تعلیم کے اصول پر پوری آبادی تک پہنچایا جائے۔ اخبارات ،ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سماجی رابطے کی ویب سائٹ کے ذریعے دینی ،اخلاقی، اور قومی تعلیم کا خصوصی انتظام کیا جائے۔ بڑے پیمانے پر دینی، اصلاحی لٹریچر کی تیاری ہونی چاہیے

---

(۱) سورۃ الحج: ۲۲/ ۷۸

(۲) الاحکام السلطانیہ، امام ابوالحسن علی بن الماوردی، ترجمہ: مولوی سید محمد ابراہیم، قانونی کتب خانہ، کچہری روڈ، لاہور، ص: ۳۸۹

جو ملک کی تمام مقامی زبانوں میں ہو جس کا بنیادی محور اسلام کی بنیادی
تعلیمات اور اسلامی تہذیب ہوں۔"[1]

مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ اس سے غفلت نہ برتے کیونکہ اس سے ملک میں امن و امان قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ مذہبی امور کی مخلصانہ سسرپرستی کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ حکومتی انتظامیہ کا اولین فرض ہے کہ ملک کو کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اساس اسلام کے پیش کئے ہوئے ضابطہ حیات پر عمل درآمد کروائے جو اسلامی اصول وضوابط پر مبنی ہوں۔

ب۔ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کو قائم کرے۔ برائیوں کو مٹائے اور اسلام کی ترویج و ترقی کے لئے اپنا کردار ادا کرے اور اسلامی فرقوں کے لئے آزادانہ ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

ت۔ ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی اور دیگر مادی امتیازات کو پروان چڑھانے کی بجائے ملت اسلامیہ کے اتحاد و یکجہتی، بھائی چارے کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

ث۔ رسومات مذہب و مسلک کی آزادی ہونی چاہیے اور ان کے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا آزادانہ حق حاصل ہونا چاہیے تاکہ اپنے خیالات کی آسانی سے نشر و اشاعت کر سکیں۔ ہر فرقے کے قاضی کو اپنے فقہی معاملات میں آزادانہ فیصلوں کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔

ج۔ غیر مسلم افراد کو ملکی معاہدات وشرائط کے مطابق مذہبی حدود کا پابند بنایا جائے۔

ح۔ متعلقہ ذمہ دار افراد کو ایسے مذہبی مواد کی اشاعت کو روکنا چاہیے جس سے ملکی مفاد پر آنچ آئے اور ملکی بدامنی کا باعث بنے۔[2]

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جن اسلامی ملکوں میں زوال آیا ہے اس کی بنیادی وجہ بیرونی اور اسلام دشمن قوتوں اور طاقتوں کا حاوی ہونا ہے۔ علماء وقت کا اپنا صحیح کردار ادا نہ کرنا ہے اس کے علاوہ علماء اور عوام کے درمیان رابطے کا فقدان ہے۔ علماء کا اپنا کردار اس سلسلے میں اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی ریاستوں میں زوال کا اصل سبب حکمرانوں کی عیش پسندی، اسراف اور اس کے علاوہ اسلام کی اشاعت کی بجائے فنون و ثقافت کو اہمیت دینا اور اقتدار کی حوس شامل تھیں۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے نے اپنے تعلیمی فرائض کو بہت اچھے طریقے سے نبھایا۔ اس کی گواہی حضرت انس بن

---

(۱) اسلامی تحریک درپیش چیلنج، پروفیسر خورشید احمد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص: ۹۴

(۲) علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۲۱

مالکؓ نے بھی دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ سے حضرت موسی اشعریؓ (گورنر بصرہ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: میں نے ابو موسیؓ کو قرآن کی تعلیم دیتے ہوئے چھوڑا ہے۔ جیسا کہ:

"سال عمر بن الخطاب انس بن مالک، کیف ترکت الاشعری؟ فقال: ترکت یعلم الناس القرآن"(1)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا: "تو نے ابو موسی الاشعریؓ کو کس حال میں چھوڑا ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا: "میں نے اسے لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہوئے چھوڑا ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے آنحضرت ﷺ جس صحابی کے ذمہ جو کام لگاتے تھے وہ پوری ایمانداری کے ساتھ مخلص طریقے سے اس کو پورا کرتے تھے اس میں ذرا سی کمی اور کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

---

(۱) فجر الاسلام، ۲/۱۸۵

مبحث دوم

مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی اہداف

صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی ہر آواز پر لبیک کہتے آپ ﷺ کی دی ہوئی ذمہ داری کو بغیر کسی عذر کے قبول کرتے آپ ﷺ انہیں جہاں بھی دین کی خدمات کے لئے بھیجتے چلے جاتے۔ مولانا دحید الدین صحابہ کرام کی مخلصانہ دینی خدمات کو ایسے بیان کرتے ہیں:

> "اجتماعی کام میں رکاوٹ ڈالنے والی سب سے بڑی چیز اختلاف ہے۔ مگر صحابہ کرام کو اللہ کے خوف نے اتنا بے نفس بنا دیا تھا کہ وہ اختلاف سے بلند ہو کے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انھوں نے عرب میں اور اطراف عرب میں آپ کی منشاء کے مطابق اسلام کی دعوت پوری طرح پہنچائی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مال وجاہ کے حصول میں نہیں پڑے بلکہ اطراف کے ملکوں میں پھیل گئے۔ ہر صحابی کا گھر میں اس زمانہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بنا ہوا تھا جہاں وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو عربی سکھاتے اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتے"[(۱)]

کسی بھی نظام کی کامیابی کا انحصار اس اصول پر ہوتا ہے کہ اس کا عملاً نفاذ ہوا اور اس سے معاشرے پر مثبت نتائج مرتب ہوں چنانچہ مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کے درج ذیل اہداف ہیں:

ا۔ حکومت کا فرض ہے کہ حسد، نفرت، مسلکی اختلافات، شدت پسندی، اور انتہاء پسندی کو معاشرے میں پیدا نہ ہونے دے۔

ب۔ شدت پسند اور انتہا پسند تنظیموں پر تاحیات پابندی لگائی جائے اور انہیں ملک کے خلاف استعمال ہونے والے وسائل وذرائع کی اجازت نہ دی جائے۔

ت۔ مذہبی شدت پسندی اور انتہا پسندی کا خاتمہ اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

ث۔ ملک بھر میں امن قائم کرنے کے لیے مدارس اور مذہبی اداروں کی رجسٹریشن کی جائے۔

---

(۱) پیغمبر انقلاب، مولانا دحید الدین، المکتبۃ الاشرافیۃ، جامع اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۱۹۲

ج۔ مذہبی مدارس کے نظام اور نصاب میں جدید اصلاحات متعارف کروائی جائیں اور ان مدارس کے نصاب کی تیاری کے لیے باقاعدہ شعبہ بنایا جائے جو تمام مدارس کے نصابات میں سے منفی نقطہ نظر اور سرگرمیوں کی نشاندہی کر کے انہیں ختم کر دے۔ نصاب پڑھانے کی منظوری حکومتی سطح سے لی جائے۔[1]

مدارس چونکہ دین کی نشرواشاعت کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ (یعنی خوب فہم و بصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف پلٹ آئیں تا کہ وہ (گناہوں اور نافرمانی کی زندگی سے بچیں)۔

قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر قوم اور قبیلے میں لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو ان میں دین کی سمجھ پیدا کرے اور ان کو گناہوں سے باز رہنے کا کہے تاکہ وہ سیدھے رستے کو اختیار کریں۔

ح۔ مدارس کے نصاب اور طریقہ تدریس کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور جدید عصری علوم پڑھائے جائیں جن میں کمپیوٹر کورسز لازمی قرار دیئے جائیں۔

خ۔ پاکستان میں امن اسی صورت میں قائم کیا جا سکتا ہے جب ایک مسلک کے رہنما دوسرے مسلک کے رہنماؤں کا عزت و احترام کریں۔ ان میں صبر، برداشت اور تحمل و بردباری کا جذبہ قابل دید ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[3]

ترجمہ: اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تنبیہ کر رہے ہیں کہ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرو اور مذہبی منافرت پھیلانے سے احتراز کیا جائے اور یہ صریح جہالت ہے کہ تم جہالت کی بنا پر دوسرے مذاہب کے لوگوں کو برا بھلا کہو اور وہ جواباً تمھارے مذہب اور خدا کو برا بھلا کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے منع

---

(۱) قرارداد امن، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص:۲۷

(۲) سورۃ التوبۃ:۹/ ۱۲۲

(۳) سورۃ الانعام:۶/ ۱۰۸

فرمایا ہے لہٰذا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کفر کے فتوے لگانا اور اس کو برا بھلا کہنا غلط فعل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ، فَقَدْبَاءَ بِه اَحَدُهُمَا))[1]

ترجمہ: جب کسی نے اپنے (مسلمان) بھائی کو "اے کافر" کہہ کر بلایا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف کفر لوٹ کر آئے گا۔

اس حدیث میں اس شخص کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیا گیا ہے جو دوسرے شخص کو کافر کہہ کر پکارے یا اس قسم کے برے القابات اور لغو گفتگو کرے۔ اسلام امن و سلامتی، رواداری کا مذہب ہے اس کا بدامنی، فساد، انتشار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

د۔ مختلف مذاہب کے تقدس کو پامال نہ کیا جائے اور پیغمبروں کا عزت واحترام کیا جائے ان کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کی تلفی ظلم اور گناہ کے زمرے میں آئے گی۔ کوئی بھی قوم اپنے سیاسی، قومی، مذہبی رہنماؤں کا مذاق اور توہین برداشت نہیں کرتی۔

ذ۔ انتہاپسندانہ، شدت پسندانہ افکار و نظریات رکھنے والی تنظیموں اور جماعتوں کو کام کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ انتہاپسندی کو فروغ دینے والے اور ان کا آلہ کار بننے والے افراد پر پابندی لگائی جائے اور منفی سرگرمیوں پر قابو پایا جائے۔ اس سلسلے میں قانون سازی کر کے خصوصی عدالتوں میں مقدمات چلائے جانے چاہیں۔

ر۔ ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں سیاسی، مذہبی اور قومی اداروں کو شامل احتساب کیا جائے مشکوک تنظیموں پر پابندی لگائی جائے معاشرتی صلاح و فلاح کرنے والے اداروں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ ان تنظیموں کو اپنے عقائد اور شدت پسندانہ نظریات دہشت گردانہ کاروائیوں کے لئے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔

ز۔ حکومت دینی مدارس کی ذمہ داری خود اپنے ذمے لے اور ان مدارس میں پڑھنے والے لاکھوں طلباء کو معاشرے کے مفید شہری بنانے کے لیے ریاست اپنا کردار ادا کرے جبکہ منفی سرگرمیوں کے لئے آنے والی بیرونی امداد کا نظام ختم ہونا چاہیے۔[2]

س۔ ہر فرد کو آزادی رائے کا بنیادی حق حاصل ہونا چاہیے۔ کسی کو بھی توہین کرنے یا بغیر کسی وجہ کے شدت پسندی، انتہاء پسندی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ ہر مذہب کے امور ہوتے ہیں لہٰذا آزادی رائے کے نام پر دوسرے مذاہب پر بلاوجہ تنقید نہیں کرنی چاہیے۔ ایک مسلمان تو کسی دوسرے مذہب کے کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کا متعلق سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس سے وہ ایمان کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاداب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل، حدیث نمبر: ۶۱۰۳، ۴۰۷/۳

(۲) قرارداد امن، ص: ۴۸-۴۹

﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُم مَّن کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَینَا عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾[1]

ترجمہ: یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی) اور ہم نے مریم کے فرزند عیسیٰؑ کو واضح نشانیاں عطا کیں اور ہم نے پاکیزہ روح کے ذریعے اس کی مدد کی۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرامؑ کی شان و عظمت کتنی زیادہ ہے لہٰذا کوئی مسلمان گستاخی رسول کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ش۔ اسلام میں اپنے نفس کے خلاف جہاد کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اس کا حکم دیا گیا ہے جب کہ جہاد بالقتال حکومت کی اجازت کے بعد ہی ہو سکتا ہے لہٰذا انفرادی یا اجتماعی سطح پر معاشرے کے افراد کو جنگ جنون اور مستقل منفی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ جہاد کے نام پر فساد و انتشار اور بدامنی پھیلانے والے عناصر کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں تعاون اور شر کے کاموں میں مخالفت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[2]

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

نیک اور صالح کاموں میں ایک دوسرے کی مدد سے ہی ملک میں امن قائم کیا جا سکتا ہے جس سے فساد اور بدامنی کا قلع قمع ہو گا، باہمی محبت و آشتی کی فضا قائم ہو گی۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۵۳

(۲) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۲

مبحث سوم

مذہبی قیادت کا احتساب

مذہبی امور کو دیکھنا اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لینا کہ وہ صحیح کام کر رہی ہے حکومت وقت کی ذمہ داری ہے جیسا کہ علامہ قرضاوی فرماتے ہیں:

"اللہ کی شریعت سے انحراف کا ذمہ دار حاکم اعلی چاہے وہ بادشاہ ہو یا جمہوری ملک کا وزیر اعظم ہو یا فوجی حاکم ہو، جو لوگ اس کی مدد کریں گے وہ اپنی مدد کے بقدر گناہ میں اس کے شریک رہیں گے۔"(۱)

اقتدار حکومت، وزارت مذہبی امور، اسلامی نظریاتی کونسل اور دیگر اسلامی انتظامیہ کے ادارے جو ملک میں مذہبی امور سرانجام دے رہے ہیں انہیں چاہیے کہ مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کریں اور اپنا بھی احتساب کریں اورا نہیں سوچنا چاہیے کہ دن بدن عوام کا اعتماد ان پر سے ختم کیوں ہوتا جارہا ہے؟ مذہبی قیادت میں درج ذیل خصوصیات ہونی چاہیں:

ا۔ عصر حاضر کے تقاضوں کا شعور ہونا

مذہبی قیادت کو عصر تقاضوں کا شعور ہونا ضروری ہے۔ نہیں جس کے نتیجے میں ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ان پر اعتماد نہیں کرتا۔ اگر یہ اپنے زمانے اور وقت کے حالات کے تقاضوں کو قرآن وسنت کی مکمل تعلیمات اور عصر حاضر پر عملی طور پر نافذ کرنے کا طریقہ اختیار کریں تو موجودہ دور میں فلاحی اسلامی ریاست چلانے کے لیے جدید مہارتیں حاصل کرنا ہوں گی۔ پڑھا لکھا طبقہ ان کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ پروفیسر یاسین مظہر صدیقی آنحضرت ﷺ کے دور میں انتظامی شعبوں میں مذہبی امور میں مخلصانہ صلاحیتوں کو ایسے بیان کیا ہے:

"دوسرے انتظامی شعبوں کی طرح مذہبی امور کے شعبہ میں آنحضرت ﷺ نے صرف صلاحیت و لیاقت کو اصل وجہ تقرری قرار دیا اور باقی دوسری وجوہات کو ثانوی اہمیت دی اور یہی وجہ کہ نبوی انتظامیہ کو ہر میدان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور پہلی دفعہ ایک مثالی معاشرہ

---

(۱) من فقہ الدولۃ فی الاسلام،: مکانتہا۔۔ معالمہا۔۔ طبیعتہا۔۔ موقفھا۔۔ من الدیموقراطیہ والتعددیہ والمرآۃ وغیر المسلمین، یوسف القرضاوی، دار الشروق القاھرہ، مصر، طبع پنجم، ۲۰۰۷ء، ص:۱۷۸

اور اعلی ریاست وجود میں آئی جو تا قیامت اپنی اندرونی خوبیوں اور اعلی
صفات کی وجہ سے مشعل راہ بن گئی ہے۔"[۱]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ زمانے، حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تمام شعبوں میں قابل لوگوں کا تقرر کرتے تھے تاکہ اعلی اسلامی معاشرے کی تکمیل ممکن ہو۔

۲۔ علم اور لگن

مذہبی قیادت کا اہم ترین فرض ہے کہ مختلف علوم اسلامیہ کے تخصصات کمال حاصل کریں اس لیے انہیں وسیع مطالعہ اور محنت کا عادی ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں مولانا امین اصلاحی مختلف مذہبی جماعتوں کو حکومت کی طرف سے پارلیمنٹ میں نمائندگی کی حمایت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عقیدے مسلک، عبادات ومسائل میں ہر فرقے کو آزادی حاصل ہے جبکہ معاشرت، معیشت اور سیاست متعلقہ اسلامی اصول پارلیمنٹ ہی طے کرے۔ اس سلسلے میں ایسارویہ اختیار کیا جانا چاہیے کہ پارلیمنٹ میں علماء کو بھی بھرپور نمائندگی حاصل ہو تاکہ بیک وقت علمی مہارت کے ساتھ ساتھ عوام کا اعتماد بھی حاصل ہو جائے چنانچہ اس سلسلے میں اسمبلی کی رکنیت کی شرائط اور بعض دیگر طریقوں کی تجاویز پیش کی جانی چاہیں۔"[۲]

۳۔ بدعات سے اجتناب

مذہبی قیادت بدعتوں سے بچے اور سنت رسول کی سختی سے پیروی کرے۔ بدعات، غلط عقائد کا سبب بنتی ہے۔ اخلاص نیت کے باوجود "غلو فی الدین" پیدا ہوتی ہے لہٰذا وسیع مطالعے سے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[۳]

ترجمہ: جو کوئی ہمارے دین میں ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی، تو وہ بات مسترد ہے۔

---

(۱) عہد نبوی کا نظام حکومت، پروفیسر ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی،، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۱۱

(۲) اسلامی قانون کی تدوین، مولانا امین احسن اصلاحی، مکتبہ مرکزی انجم خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۴۳-۶۳، ۴۴

(۳) سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الإیمان وفضائل، باب تعظیم حدیث رسول ﷺ، حدیث نمبر: ۱۴، ۱/ ۳۵

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین میں کسی بھی نئی چیز کے دخل کی اجازت نہیں اور وہ بات ہر گز قابل قبول نہیں ہے حضرت ابو بکر کے دور میں بھی ایسی بدعات پیدا ہوئیں جیسا کہ قبیلہ احمس کی ایک عورت کا واقعہ ہے:

"دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ، فَرَآهَا لاَ تَكَلَّمُ،((فَقَالَ: مَا لَهَا لاَ تَكَلَّمُ قَالُوا: حَجَّتْ مُصْمِتَةً، قَالَ لَهَا: تَكَلَّمِي، فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ، فَتَكَلَّمَتْ، فَقَالَتْ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: امْرُؤٌ مِنَ المُهَاجِرِينَ، قَالَتْ: أَيُّ المُهَاجِرِينَ؟ قَالَ: مِنْ قُرَيْشٍ، قَالَتْ: مِنْ أَيِّ قُرَيْشٍ أَنْتَ؟ قَالَ: إِنَّكِ لَسَئُولٌ، أَنَا أَبُو بَكْرٍ))[1]

ترجمہ: حضرت ابو بکرؓ قبیلہ احمس کی ایک عورت کے پاس گئے جس کا نام زینب تھا۔ آپؓ نے دیکھا کہ وہ کلام نہیں کرتی۔ دریافت فرمایا کہ اسے کیا ہوا جو بولتی نہیں لوگوں نے بتایا کہ اس نے خاموشی کے حج کی نیت کی ہوئی ہے۔ آپؓ نے اس سے فرمایا کہ بات کرو کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ یہ زمانہ جاہلیت کا عمل ہے۔ پس وہ بول پڑی اور پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا: میں مہاجرین میں سے ایک آدمی ہوں۔ کہنے لگی کون سے مہاجرین؟ فرمایا: قریش سے، پوچھا، آپ کون سے قریش میں سے ہیں؟ فرمایا: میں ابو بکرؓ ہوں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہؓ کے دور میں بھی اس قسم کی بدعات و خرافات موجود تھیں جو صحابہؓ نے نہایت سمجھداری سے رفع دفع کیں۔

۴۔ فقہی فہم و فراست

ہماری مذہبی قیادت کا یہ بھی فرض ہے کہ جدید دور کے مسائل میں اجتہادی بصیرت سے کام لے اور مسلمان عوام کی رہنمائی کرے۔ اگر وہ ان مسائل پر توجہ نہیں دیں گے تو لوگ مغربی معاشرے کے باطل اجتہادات کی پیروی کرنے لگیں گے۔ اس سلسلے میں ماوردی فرماتے ہیں:

"واذ وجدمن يتصدى لعلم الشرح و ليس من اهله من فقيه او واعظولم يامن اغترار الناس به وسوء تاويل او تحريف جواب

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاهلیه، دار طوق النجاة، حدیث نمبر: ۳۸۳۴، ۵/ ۴۱

انکر علیه التصدی کما لیس هو من اهله واظهر یمره لئلایغتربه
ومن اشکل علیه امره لم یقدم علیه بالانکار الا بعد الا ختیار"[1]

ترجمہ: جب کوئی نااہل علمی باتوں مثلاً فقہ یاوعظ میں مشغول ہو اور اس کی غلط تاویلات سے لوگوں کو گمراہ ہونے اور غیر صحیح جوابات دینے کا اندیشہ ہو تو اسے منع کر کے تمام کو مطلع کر دیا جائے، تا کہ کوئی دھوکے میں مبتلا نہ ہو اور جس کی حالت ٹھیک طور سے معلوم نہ ہو، اسے امتحان سے پہلے منع نہ کرے۔

۵۔ مسلکی تعصب اور مناظروں سے اجتناب

مذہبی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بلا مقصد و ضرورت مسلکی مناظروں سے گریز کریں۔ اسلام کو ایک عالمگیر دین کے طور پر پیش کریں۔

مسلمانوں کے زوال میں مسلکی تعصب، فقہی گروہ بندیوں اور علم کلام کی بلا مقصد بحث، مناظروں کا بھی بہت عمل دخل رہا ہے اس نے ہمارے اندر سے تحمل، برداشت اور رواداری کے رجحانات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے دشمنوں نے ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منفی پروپیگنڈا کیا۔ ہمارے باہمی اختلافات کو ہماری کمزوری سمجھ کر اسے کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔[2]

مذہبی امور کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ حکومت قابل اور اہل لوگوں کو اس نازک شعبے کی بھاگ دوڑ کے لئے منتخب کرے مولانا مودودی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام کا علم رکھنے والے لوگوں کو دستور سازی کے کام میں شریک کیا جائے اور ان کی مدد سے ایک مناسب ترین دستور بنائے اور اہل لوگوں کو منتخب کر کے حکومت کی طاقت اور ذرائع سے کام لے کر پورے نظام زندگی کی تعمیر جدید اسلامی طرز پر کر سکیں گے۔"[3]

---

(۱) الاحکام السلطانیہ، المطبعہ المحمودیہ التجاریہ، مصر، ص:۲۳۹

(۲) قیادت اور ہلاکت اقوام، خلیل الرحمٰن چشتی، الفوز اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص:۱۸۲-۱۸۴

(۳) اسلامی ریاست، ص:۱۴۷

مبحث چہارم

پاکستان میں امن کے لئے علماء کا کردار

امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ علماء عوام کے سامنے اپنی شخصیت کو بطور نمونہ پیش کریں اور ہر اس منفی کام سے منع ہوں جس سے لوگوں کو منع کرتے ہیں لہذا علماء کو اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ امام احمد فرماتے ہیں:

"الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَاطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ، وَتَرَدَّدَ فِي النفس"[1]

ترجمہ: بھلائی وہ ہے جس سے قلب مطمئن ہو، اور بدی وہ ہے جس سے دل میں کھٹکا رہے اور نفس متردد ہو۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بھلائی کے کام کرنے سے انسان کا دل مطمئن ہوتا ہے اور غلط کام کرنے سے انسان کا دل اسے ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے اور بندے پر ڈر اور خوف کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ عصر حاضر میں پاکستان میں امن قائم کرنے کے لئے علماء کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا جس کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ اجتہاد عمل کے لیے ہونا چاہیے اور اگر علم کو عمل کے لیے حاصل کیا جائے تو عمل کے میدان میں اختلافات پیدا نہیں ہوتے جب فرد صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے گا تو جھگڑے پیدا نہیں ہوں گے۔

ب۔ پر امن اور بدامنی سے پاک معاشرے کے لیے ضروری ہے جمعہ کے خطبے، امامت اور مسجد میں دیگر نمازوں کی امامت حکمران کریں۔ حکمران اپنی مرضی سے علماء کو اس ذمہ داری کے لیے منتخب کر سکتے ہیں، اس کے نتیجے میں حکمرانوں کا دین اور مسجد سے نہ صرف تعلق قائم ہو جائے گا بلکہ عوام کے مسئلے مسائل سننے اور سمجھنے کا موقع بھی ملے گا ۔اس اقدام کی وجہ سے جمعے کے خطبات اور مسجدیں فرقہ ورانہ جھگڑوں سے بعض رہیں گے۔

ت۔ علماء کو مسلک کو بالائے طاق رکھیں اور تاویل و تشریحات حقائق کی بنیاد پر مرتب کرنی چاہیں تبھی وہ اپنی ذمہ داریوں سے انصاف کر پائیں گے۔ علماء کو ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے پر امن اور متوازن معاشرہ قائم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ث۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں اس لیے انہیں انسانی رشتوں کی بنا پر انسان کا اللہ سے اور انسان کا انسان سے تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، قاہرہ، ۱۹۴۹ء، ۲۸۸/۴

ج۔ دعوت دین کے لیے چونکہ پر امن معاشرہ ہونا ضروری ہے اس لیے جتنا معاشرہ پر امن ہو گا اتنا ہی دعوت دین کا عمل مؤثر ہو گا۔ دعوت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی مشکلات پیش آئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾[1]

ترجمہ: پس چاہیے کہ وہ عبادت کریں اس گھر کے رب کی، جس نے انہیں کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا خوف میں۔

خوف ایسی کیفیت ہے جس میں انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ خوف سے کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتا ہے لہٰذا دعوت و تبلیغ میں امن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعب ابی طالب میں چلے گئے اور مکہ کا ماحول خراب نہیں کیا اسی طرح اصحاب کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے لیکن مکہ میں کسی صورت بھی بدامنی پیدا نہیں ہونے دی لہٰذا اسلام کا فروغ اور دعوت و تبلیغ امن کی حالت میں ہوئی لہٰذا جتنا دعوت و تبلیغ کا کام امن کی حالت میں ہو سکتا ہے اور کسی حالت میں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے علماء کی اولین ذمہ داری ہے کہ امن کے ماحول کو ساز گار بنائیں۔

ح۔ علماء کو مسلک کی بنیاد پر اپنی تحریر و تقریر سے طلبہ کی ذہن سازی نہیں کرنی چاہیے اس سے معاشرے میں نفرت کے جذبات پنپتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ طلبہ اور سننے والوں کے ساتھ ساتھ علماء کرام اپنے اندر ذہنی وسعت پیدا کریں۔ قرآن و سنت کے دلائل کو اپنے مسلک میں ڈھالنے کی بجائے اپنے مسلک کو قرآن و سنت کے تابع کریں اور طلباء اور سامعین میں برداشت پیدا کریں اسی طرح علماء مسلک کی تعلیم دینے کی بجائے اسلام کی تعلیم کو عام کریں۔

خ۔ علماء کو امن قائم کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ مخصوص فرقہ وارانہ طبقے کو نمائندگی ملنے کی وجہ سے سنجیدہ، باکردار اور مہذب لوگوں کو نمائندہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

د۔ علماء کی زندگی چونکہ بطور نمونہ عملی مثال کے طور پر لوگ سمجھتے ہیں چونکہ وہ اسلامی معاشرے کی آواز ہوتے ہیں چنانچہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیا میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کا جواب دیں۔

ذ۔ ملک جس صورتحال سے دوچار ہے وہ یہ کہ کسی بھی مسئلے کے حل کے لیے دلیل و استدلال کی طاقت استعمال کرنے کی بجائے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے منفی ذرائع اور طاقت اور اسلحے کا استعمال کیا جاتا ہے اسلحے اور طاقت کے استعمال کی وجہ سے باہمی افہام تفہیم ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بدامنی پھیل رہی ہے۔

---

(۱) سورۃ القریش: ۱۰۶/ ۳-۴

ر۔ علماء کو چاہیے کہ اپنے قلم اور زبان سے سنت نبوی کا دفاع کریں اور اتحاد اسلامی کے لئے کوشش کریں۔ اس سے آزادئ فکر پیدا ہوگی اور گفتگو کے لیے ساز گار ماحول فراہم ہوگا اور اس کے نتیجے میں ہماری پاکستانی عوام کے درمیان ہم آہنگی و یگانگت بڑھے گی اور ہم ایک مضبوط پاکستان کی طرف رواں دواں ہوں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکامات کو نازل کرنے کے حوالے سے فرمایا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور اس پر نگہبان، محافظ، سو ان کے درمیان فیصلہ کریں اس سے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اس کے بعد جب تمہارے پاس حق آگیا، ہم نے مقرر کیا تم میں سے ہر ایک کے لیے (الگ) دستور اور (جدا) راستہ اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں امت واحدہ (ایک امت) کر دیتا، لیکن (وہ چاہتا ہے) تاکہ وہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے پس نیکیوں میں سبقت کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ تمھیں بتلائے گا جس بات میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر جلال الدین سیوطی نے ایسے بیان کی ہے:

"لما أنبأكم الله عَن أهل الْكتاب قبلكُمْ بأعمالهم أَعمال السوء وبحكمهم بِغَيْر ماأنزل الله وعظ نبيه وَالْمُؤمنِينَ موعظة بليغة شافية وليعلم من ولي شَيْئا من هَذَا الحكم أَنه لَيْسَ بَين الْعباد وَبَين الله شَيْء يعطيهم بِهِ خيرا ولايدفع عَنْهُم بِهِ سوءا إِلَّا بِطَاعَتِهِ وَالْعَمَل بِمَا يرضيه"[3]

---

(۱) علماء کا مقام اور انکی ذمہ داریاں، ص:۱۹۱، ۱۳۰، ۶۳، ۶۲

(۲) سورۃ المائدۃ:۵/۴۸

(۳) الدر المنثور:۳/۹۵

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے تم کو خبر دی ان اہل کتاب کے بارے میں جو تم سے پہلے تھے اور ان کے برے اعمال کے بارے میں۔ اور ان کے فیصلے کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے بغیر تو اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ایمان والوں کو بلیغ ترین نصیحت فرمائی تاکہ ہر وہ شخص جان لے جو اس حکم سے کسی چیز کا ذمہ دار بنایا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عمل کے سوا اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جو فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے بغیر بندوں کو نہ کوئی خیر دے سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی تکلیف دور کر سکتا ہے۔

لہٰذا ہماری مذہبی قیادت اور حکومت و انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ پاکستان میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے تمام تر قوتیں صرف کر دیں اور مذہبی معاملات اور مسائل کی مخلصانہ سرپرستی کرتے ہوئے عوام کے مسائل حل کریں۔ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور پر امید رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو پورا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُه إِنَّ اللهَ بَالِغُ أَمْرِه قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾[1]

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے بے شک اللہ اپنے امر کو پورا کر کے رہے گا بے شک اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

پاکستان میں امن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ صاحب اقتدار افراد ملک میں مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کریں۔ باصلاحیت اور قابل افراد کو مذہبی امور کی باگ ڈور کا منصب سونپیں اور وقتاً فوقتاً انکی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔ مذہبی منافرت اور انتشار پیدا کرنے والے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔ اس شعبے کو وسعت دے کر مزید اجتہادی عمل کو فروغ دیا جائے تاکہ موجودہ مسائل کو قرآن وسنت کے احکام و اصول کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے۔

---

(۱) سورۃ الطلاق: ۶۵/ ۳

فصل سوم: پاکستان میں گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا حل

مبحث اول: آنحضرت ﷺ کے دور میں اسلامی معاشرے کی وسعت

مبحث دوم: گروہوں اور تنظیموں کی ذمہ داریاں وصفات

مبحث سوم: گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا حل احادیث نبوی کی روشنی میں

بعض سیاسی، ثقافتی اور تاریخی اختلافات کی وجہ سے پاکستانی عوام کے کچھ لوگوں نے مختلف جماعتیں، گروہ اور فرقے بنالئے ہیں لیکن مرکزی نقطہ خدا کی واحدنیت کا موجود ہے۔ تمام ایک خدا کو ماننے والے ہیں۔ بعض معاملات میں اختلاف ہوتے ہوئے بھی وحدت ختم نہیں ہوتی چنانچہ بعض معاملات میں اصل بنیاد کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے، کسی بھی معاملے میں اختلاف کا ہونا معیوب نہیں لیکن یہ اختلاف شدت پسندی میں تبدیل نہیں ہونا چاہیے۔ اختلاف رنگ، نسل، زبان، حق ولباس وطعام اور عادات واطوار ہر چیز میں ہوتا ہے۔ اختلاف کی ایک صورت تعبیر وضاحت کا اختلاف مختلف مکاتب فکر، گروہوں اور تنظیموں میں ہو سکتا ہے۔ گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات بعض اوقات اس قدر شدت اختیار کر جاتے ہیں کہ معاشرہ انتشار فکر، بدامنی، اور تعصب کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾[1]

ترجمہ: وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالی ان لوگوں کو تنبیہ کر رہے ہیں جو دنیا میں بے مقصد کاموں میں پڑ کر اپنے اعمال کو خراب کرتے ہیں ان کے نزدیک وہ اچھے کام ہوتے ہیں۔

(۱) سورۃ الکھف:۱۸/ ۱۰۴

مبحث اول

آنحضرت ﷺ کے دور میں اسلامی معاشرے کی وسعت

گروہوں اور تنظیموں کے اختلاف وانتشار اور فتنہ وفساد کو بڑھنے سے روکا جاسکتا ہے جیسا کہ افواہوں کی روک تھام اور کسی حتمی فیصلے اور عملی اقدام سے پہلے تحقیق و تصدیق کر لی جائے اس کے علاوہ لڑائی جھگڑے کے وقت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ فریقین کے درمیان صلح صفائی کروائی جائے اور اس کو اجتماعی ذمہ دار اور معاشرتی فرض سمجھا جانا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مضبوط اور مستحکم معاشرے کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے جس میں تمام مسلمانوں کو باہمی عاجزی وانکساری کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا))(۱)

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہوتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ مومنوں کو باہمی محبت اور اتفاق سے رہنے کی تلقین کر رہے ہیں کہ باہمی اتفاق سے رہنے سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کا دفاع مضبوط ہوتا ہے۔ اس بات کو آنحضرت ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))(۲)

ترجمہ: مومنوں کی مثال دوستی اور اتحاد میں ایسی ہے جیسے ایک بدن ہو۔ بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی اور بخار آجاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مومن دوستی اور اتحاد میں مثال رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ میاں محمد جمیل گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات سے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اراکین جماعت، تنظیموں اور گروہوں کے باہمی رابطے کی حیثیت جسم اور روح کی طرح ہے اگر ان کے آپس کے روابط میں بدمزگی پیدا ہو جائے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر: ۱۳۹۶، ۱/ ۷۷۳

(۲) ایضا، کتاب البر والصلۃ، باب فی لزوم الجماعۃ، حدیث نمبر: ۶۵۸۶، ۱/ ۷۷۳

تو معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے اور پورے معاشرے میں بدامنی کی کیفیت ہو جاتی ہے۔"[1]

لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس وقت تک تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو گا جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

((لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))[2]

ترجمہ: تم بہشت میں نہ جاؤ گے جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور ایماندار نہ بنو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ رکھو گے اور میں تم کو وہ چیز نہ بتلا دوں جب تم اس کو کرو تو آپس میں محبت ہو جائے۔ سلام کو آپس میں رائج کرو۔

اس حدیث کی شرح نووی نے اس طرح کی ہے:

"ایماندار نہ بنو گے یعنی پورے ایمان دار نہ ہو گے جب تک محبت نہ رکھو گے۔ آپس میں ایک دوسرے سے سلام رائج کرنے کے معانی یہ ہیں کہ ہر مومن کو سلام کرے خواہ اس سے پہچان ہو یا نہ ہو اور اسلام الفت کا سبب ہے اور دوستی پیدا کرنے کی کنجی ہے اور اسلام کے رائج کرنے میں مسلمانوں کے دلوں میں الفت جمتی ہے اور ان کی علامت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ سلام مسلمانوں کی نشانی ہے جو ان کو اور قوموں سے ممتاز کر دیتی ہے اور اس میں نفس کی ریاضت ہے اور تواضع ہے اور دوسرے مسلمانوں کی تعظیم ہے۔"[3]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سلام کرنا مسلمان ہونے کی پہچان ہے اور اس سے محبت بڑھتی ہے اور یہ چیز مسلمانوں کو دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے جب کہ جنت میں داخل ہونے کی شرط انسانوں کا آپس میں محبت کرنا ہے۔

---

(۱) اتحاد امت اور نظم جماعت، میاں محمد جمیل، ابوہریرہ اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۳۵

(۲) صحیح مسلم،، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ، حدیث نمبر: ۱۹۴، ۱/ ۱۵۷

(۳) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی: ۱/ ۱۵۷

ا۔ معاشرے پر باہمی رابطے کے اثرات

باہمی رابطے کا فائدہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی ہے کیونکہ رشتہ ایمان کا تعلق ہی کام آئے گا۔ باہمی رابطے سے غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور انسانی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: متقین کے سوا سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ فرمائے گا، اے میرے مومن بندو! آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی متقین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متقین ایک دوسرے کے دوست ہوں گے اور خیر خواہ ہوں گے اس لئے انہیں کوئی غم نہیں ہو گا۔ دوسروں کی غلطیوں کو درگذر کرنے سے اور عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آنے سے اللہ تعالی نوازتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے درگزر اور عاجزی وانکساری کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ))[2]

ترجمہ: صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے انعامات کا ذکر کیا ہے جو عفو درگذر سے کام لیتا ہے اور یہ انعام درجہ بلند کرنے کی صورت میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی عفو درگذر کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اگر عفو کا اصول نہ ہو تو روح کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی کوئی چیز نہ رہے۔ روح کی بالیدگی ہی ایک سچے دین کا مطلوب ہے۔ عفو درگذر، ضبط نفس اور تحمل برداشت کی معراج ہے۔ عفو درگذر کے بغیر کوئی معاشرہ

---

(۱) سورۃ الزخرف: ۴۳/ ۶۷-۶۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الادب، باب استحباب العفو، حدیث نمبر: ۶،۶۵۹۲/ ۲۱۰

انسانی معاشرہ نہیں کہلا سکتا یہ عفوو در گذر ہی ہے جو انسانوں کے درمیان باہمی محبت ویگانگت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔"[1]

ب۔ نرمی کی فضیلت

نرمی ایک اچھی صفت ہے۔ گروہوں اور تنظیموں کو آپس میں نرمی کا رویہ رکھنا چاہیے جس سے اختلافات ختم کرنے میں مدد ملتی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يُحْرَمْ الرِّفْقَ يُحْرَمْ الْخَيْرَ))[2]

ترجمہ: جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بھلائی سے محروم ہے۔

یعنی جو دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش نہیں آئے گا اللہ تعالی اسے بھلائی سے محروم رکھے گا۔ سید سلیمان ندوی نرمی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"حلم و بردباری، عفوودر گذر، چشم پوشی اور خوش خلقی غرض ان تمام اخلاق کے عطر کا نام جن میں شان جمالی پائی جاتی ہے، یہی رفق، نرم دل و نرم خوئی ہے۔"[3]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر اچھے اور بھلائی کے کام اچھے اخلاق کے زمرے میں آتے ہیں اور یہ ایک مسلمان کے شایان شان ہیں اس سے اختلافات کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ت۔ حسد وبغض کی ممانعت

کسی سے حسد، بغض، اور دشمنی کرنا رذائل اخلاق میں سے ہے اسلام میں اس کی ممانعت ہے حسد بغض اور دشمنی حرام ہے، آنحضرت ﷺ نے قطع تعلقی کی حدود وقیود کو اس طرح بیان کیا:

((لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا))[4]

ترجمہ: مت بغض رکھو ایک دوسرے سے، مت حسد کرو ایک دوسرے سے، مت دشمنی کرو ایک دوسرے سے اور رہو اللہ کے بندو! بھائیوں کی طرح۔

اس حدیث کی شرح حافظ سلفی نے ایسے بیان کی ہے:

---

(۱) حسن خلق: ص: ۲۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب الادب، باب تحریم التحاسد، حدیث نمبر: ۶۵۲۶، ۶/ ۱۹۶

(۳) سیرۃ النبی، سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ، ۱۳۳۲ھ: ۶/ ۴۵۰

(۴) جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی الحسد، حدیث نمبر: ۱۹۳۵، ۱/ ۶۷۷

"حسد یہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلے اور یہ چاہے کہ یہ
نعمت اس سے زائل ہو کے مجھے مل جائے یہ معیوب ہے اور اس کو غبطہ بھی
کہتے ہیں لہذا اس حدیث میں اشارہ ہے کہ مال حلال اور توفیق انفاق دونوں
کو جمع ہونا بڑی نعمت ہے۔"[1]

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حسد اور دشمنی کی ممانعت پر زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ یہ مسلمان کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہے۔

---

(۱) ایضا، ۱/۶۷۸

مبحث دوم

گروہوں اور تنظیموں کی ذمہ داریاں وصفات

گروہوں اور تنظیموں کی مجالس نیکی، خیر خواہی، معاشرے اور ملک کے وسیع تر مفاد میں ہونی چاہیے اختلافات کی بنا پر محض افواہ پر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ کہیں سے کوئی خبر آئے تو تصدیق کرنی چاہیے کہ خبر درست ہے، خبر لانے والا کون ہے، اگر خبر کو لانے والے شخص میں ایک کامل مؤمن کی صفات نہیں ہیں تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی قدم اٹھانا خطرناک ہو سکتا ہے لہٰذا اس کی چھان بین ضروری ہے۔ سب سے پہلے اس شخص کی چھان بین ضروری ہے اور اس کے بعد جو خبر لائی گئی ہو اس کی تصدیق ضروری ہے۔ دونوں باتوں کے بعد کوئی فیصلہ اور نتیجہ کیا جانا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم چپکے سے گفتگو کرو تو گناہ اور زیادتی سے اجتناب کرو۔

مختلف جماعتوں اور گروہوں کو اپنے درمیان ہونے والی باتوں کو پھیلانے سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے باہمی نفرت اور دشمنی پیدا ہو اور جماعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ گروہوں اور تنظیموں کے کارکنان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کی باتوں سے متاثر نہ ہوں جو معاشرتی برائیوں کا مرتکب ہو بلکہ وہ اپنی وابستگی کو جماعت کے ساتھ مستحکم رکھیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد گروہوں کے آپس میں اختلافات کے حل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اختلافات پائے جائیں اور جھگڑے کی صورتحال پیدا ہو جائے تو بعض اوقات کچھ خارجی اور داخلی عناصر بھی اس قسم کی صورتحال پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا گروہوں کے اختلافات ختم کرنے کے لیے "فاصلحوا بینہما" آپس میں صلح کرادو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور یہ تمھارا فرض ہے بے تعلقی اور بے رخی کا رویہ درست نہیں ہے اور یہ رویہ چھوٹی اور بڑی سطح دونوں میں غلط ہے۔ پس اگر (مصالحت اور صلح کی کوشش کے باوجود) ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرتا جارہا ہے۔"[2]

---

(۱) سورۃ المجادلۃ: ۵۸/ ۹

(۲) مسلمانوں کی ملی وسیاسی زندگی کے رہنما اصول، ص: ۲۹

اس سے ثابت ہوا کہ یہ مومن کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ لڑنے والے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے اور ایسے شخص کی بات ہرگز نہ مانے جس میں کامل مومن کی صفات نہ پائی جائیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ﴾[1]

ترجمہ: ایسے شخص کی بات ہرگز نہ مانیے جو قسمیں کھانے والا، بے حیثیت طعنے دینے والا اور چغلیاں کرنے والا ہو۔

گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کو نیچا دکھانے کی مذموم کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ منصب اور وسائل کے حصول کے لیے یا انہیں حاصل کرنے کے بعد اللہ کی مخلوق کو اپنا غلام سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسے جیسے ان لوگوں کے کردار کے اثرات پھیلنے لگتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ جماعت اور معاشرہ میں اخلاقی عدم توازن حتیٰ کہ اس سے بڑھ کر اختلافات اور بدامنی شروع ہو جاتی ہے۔

گروہ اور تنظیمیں اپنے اختلافات کو بھلا کر قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو معاشرے کے لیے بھی پرامن رہنا آسان ہو جائے گا، داخلی انتشار سے بھی چھٹکارا ملے گا لہٰذا اس گروہ اور تنظیم جو کہ اللہ کی حدود کی پاسداری کرتا ہے درج ذیل صفات ہیں:

ا۔ کامیابی کی ضمانت

کامیابی کی ضمانت اللہ کے گروہ کے لئے ہے جو اللہ تعالی کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کا پابند ہو۔ اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کے لئے کامیابی کا اعلان کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: یہ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی مسلمانوں کو خوشخبری سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ تعالی کے بتائے ہوئے سیدھے رستے پر چلتے ہیں اللہ تعالی نے ان کے لئے کامیابی کا اعلان کیا ہے۔

---

(۱) سورۃ القلم: ۶۸/ ۱۰۔۱۱

(۲) سورۃ المجادلۃ: ۵۸/ ۲۲

۲۔ نیکی کے کام کرنا

متقی لوگوں کی خصوصیات میں اللہ پر سچے دل سے ایمان لانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے گئے احکام پر سچے دل سے یقین کرنا اور عمل کرنا ہے اور مشکلات پر صبر کا مظاہرہ کرنا ہے قرآن میں ان تمام کاموں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: مگر نیکی یہ ہے جو ایمان لائے اللہ پر، اور یوم آخرت پر، اور فرشتوں پر، اور کتابوں پر، اور نبیوں پر، اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو، اور یتیموں کو، اور مسکینوں کو، اور مسافروں کو، اور سوال کرنے والوں کو، اور گردنوں (کے آزاد کرانے) میں، اور نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور جب وہ وعدہ کریں تو اسے پورا کریں، اور صبر کرنے والے سختی میں، اور تکلیف میں، اور جنگ کے وقت، یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی میں ایسے بیان ہوئی ہے:

"هَذِهِ آيَةٌ عَظِيمَةٌ مِنْ أُمَّهَاتِ الْأَحْكَامِ، لِأَنَّهَا تَضَمَّنَتْ سِتَّ عَشْرَةَ قَاعِدَةً: الْإِيمَانَ بِاللَّهِ وَبِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَالنَّشْرَ وَالْحَشْرَ وَالْمِيزَانَ وَالصِّرَاطَ وَالْحَوْضَ وَالشَّفَاعَةَ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَوَالْمَلَائِكَةَ وَالْكُتُبَ الْمُنَزَّلَةَ وَأَنَّهَا حَقٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَالنَّبِيِّينَ وَإِنْفَاقَ الْمَالِ فِيمَا يَعِنُّ مِنَ الْوَاجِبِ وَالْمَنْدُوبِ وَإِيصَالَ الْقَرَابَةِ وَتَرْكَ قَطْعِهِمْ وَتَفَقُّدَ الْيَتِيمِ وَعَدَمَ إِهْمَالِهِ وَالْمَسَاكِينُ كَذَلِكَ، وَمُرَاعَاةَ ابْنِ السَّبِيلِ"[۲]

ترجمہ: یہ آیت عظیمہ امہات الاحکام میں سے ہے کیونکہ یہ سولہ قواعد اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء اور صفات پر ایمان۔۔۔ نشر، حشر، میزان، صراط، حوض، شفاعت، جنت، دوزخ۔ ملائکہ، نازل شدہ کتب یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہیں۔ انبیاء کرام، مال خرچ کرنا، واجبی طور پر اور نفلی طور پر قریبی

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۱۷۷

(۲) تفسیر القرطبی، ۲/۲۴۱

رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا۔ ان سے قطع تعلقی کو ترک کرنا، یتیم کی دیکھ بھال کرنا ان کو بے یارو مددگار نہ چھوڑنا اسی طرح مساکین کی خیر خواہی کرنا، مسافروں کی رعایت کرنا۔

۳۔ احکام کی تعمیل

اللہ تعالی کے نیک بندے اس کی اطاعت و فرمانبر داری کرتے ہیں انہیں کو اللہ تعالی نے خوشخبری سنائی ہے جو برائیوں سے دور رہتے ہیں، فضول ولغو باتوں سے پر ہیز کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَوَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ:(دو جہاں میں) کامیاب ہوئے وہ مؤمن جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں اور وہ جو بیہودہ باتوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر ابن کثیر نے ایسے بیان کی ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ أَيْ عَنِ الْبَاطِلِ، وَهُوَ يَشْمَلُ الشِّرْكَ كَمَا قَالَهُ بَعْضُهُمْ، وَالْمَعَاصِي كَمَا قَالَهُ آخَرُونَ، وَمَا لَا فَائِدَةَ فِيهِ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ"[۲]

ترجمہ: پھر اور وصف بیان ہوا کہ وہ باطل، شرک، گناہ اور ہر ایک بیہودہ اور بے فائدہ قول و عمل سے بچتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مومن کی صفات میں ہے کہ وہ تمام گناہ کے کاموں سے بچتے ہیں قول اور فعلی دونوں صورتوں سے۔

۴۔ سلامتی بھیجتے ہیں

اللہ تعالی کے نیک بندے نہایت ہی عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور جاہلوں کو سلام کرتے ہیں اور ہر اس شخص کو جس کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت کر کے اسے راضی کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَي الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًاوَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾[۳]

---

(۱) سورۃ المومنون: ۲۳/۱-۳

(۲) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد حسین شمس الدین، ۵/۴۰۳

(۳) سورۃ الفرقان: ۲۵/۶۳-۶۴

ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں آہستہ آہستہ، اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو وہ بس سلام کہتے ہیں اور وہ اپنے رب کے لیے رات کاٹتے ہیں (رات بھر لگے رہتے ہیں) سجدے کرتے اور قیام کرتے۔

۵۔ انعامات کا اعلان

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو جن سے راضی ہیں آخرت کا گھر یعنی جن جنت کی خوشخبری سنائی ہے کیونکہ ایسے لوگ پر امن رہنا چاہتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی یہی خواہش رکھتے ہیں اور دنیا میں فتنہ وفساد سے دور رہتے ہیں اور یہی متقین کی صفات ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔

لہذا اللہ تعالی کے نیک بندے عاجز ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھتے یہ ان کی خوبی ہے اور اس خوبی کا صلہ اللہ تعالی ان کو آخرت میں خوشخبری کی صورت میں دیں گے۔

(۱) سورۃ القصص: ۲۸/ ۸۳

مبحث سوم

گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا حل احادیث نبوی کی روشنی میں

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کے حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے اگر آنحضرت ﷺ کی ان احادیث پر عمل کیا جائے جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔ حرص و بخل سے پرہیز

گروہوں اور تنظیموں کو اپنے اختلافات مٹانے کے لیے قناعت کا رویہ اپنانا ہو گا، بے جا حرص و بخل سے پرہیز کرنا ہو گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا))[1]

ترجمہ: اپنے آپ کو حرص و بخل سے بچاؤ تم سے پہلے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے (حرص نے) ان کو حکم دیا تو وہ بخل کرنے لگے۔ قطع رحمی کا حکم دیا تو قرابت توڑ ڈالی اور بدکاری کا حکم دیا تو بدکاری کرنے لگے۔

ابو عمار فاروق اس حدیث کی شرح ایسے بیان کرتے ہیں:

"عربی لغت میں "شح" اس مرکب صفت کو کہتے ہیں جس میں حرص اور بخل دونوں جمع ہوں۔ اور یہ محض بخل سے زیادہ مذموم ہے کہ خرچ کے مقام پر خرچ نہ کرے بلکہ لینے کا حریص بنا رہے ہیں، اور پھر عزیز تعلق داروں میں یہ کیفیت اور بھی قابل مذمت ہے۔"[2]

اس یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لالچ کی وجہ سے لوگ تباہی کی طرف جاتے ہیں۔ آپس میں رشتے داروں سے اچھے تعلقات رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ لوگ قطع رحمی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

۲۔ لغو قسم کے بیان سے پرہیز

گروہوں اور تنظیموں کے افراد کو آپس میں لغو قسم کی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے لغو قسم کے بیانات سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے معاشرے میں اخلاقی برائیاں پھیلتی ہیں اور بات بات پر قسم کھانے سے بھی منع فرمایا ہے یہ بھی لغو گفتگو میں شامل ہے۔ ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی الشح، حدیث نمبر: ۱۶۹۸، ۲/ ۳۴۳

(۲) سنن ابو داؤد، شرح ابو عمار یاسر، ۲/ ۲۴۳

((هُوَ كَلاَمُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ كَلاَّ وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهِ))[1]

ترجمہ: اس سے مراد وہ قسم ہے جو آدمی اپنے گھر میں "نہیں قسم اللہ کی، ہاں قسم اللہ کی" وغیرہ بولتا رہتا ہے (اس کا تکیہ کلام ہوتا ہے اور قسم کا قصد نہیں ہوتا)۔

امام شافعی کے نزدیک یمین لغو سے مراد یہ ہے کہ:

"خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوران گفتگو لا واللہ، بل واللہ، وغیرہ لفظ کہنے کی۔"[2]

۳۔ شبہات سے بچنے کی تاکید

آنحضرت ﷺ نے مشتبہات سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

((وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ عِرْضَهُ وَدِينَهُ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ))[3]

ترجمہ: اور ان (حلال و حرام) کے درمیان کچھ شبہے والی چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، تو جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنی عزت اور اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو شبہے والی چیزوں میں جا پڑا وہ حرام میں داخل ہوا۔

اس حدیث میں مولانا محمد عاقل کے نزدیک:

"حلال و حرام کے درمیانی چیزوں کو عفو قرار دیا گیا ہے اور ان کو مشتبہ اور واجب الاحتراز فرمایا گیا ہے۔"[4]

۴۔ صاف گوئی

مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ صاحب حیثیت ہوتے ہوئے قرض کی واپسی میں ٹال مٹول کرے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُحِلْتَ عَلَى مَلِيءٍ، فَاتْبَعْهُ))[5]

---

(۱) سنن ابو داوَد، کتاب الایمان والنذور، باب لغو الیمین، حدیث نمبر: ۳۲۵۴، ۳/ ۵۹۸

(۲) الدر المنضود علی سنن ابو داوَد، مولانا محمد عاقل، مکتبہ الشیخ ۳/ ۴۴۵ بہادر آباد، کراچی ۵، ۵/ ۳۲۱

(۳) سنن ابو داوَد، کتاب البیوع، باب فی اجتناب شبھات، حدیث نمبر: ۳۳۳۰، ۳/ ۶۴۷

(۴) الدر المنضود علی سنن ابو داوَد، ۵/ ۳۳۰

(۵) سنن ابو داوَد، کتاب البیوع، باب فی المطل، حدیث نمبر: ۳۳۴۵، ۳/ ۶۵۸

ترجمہ: غنی آدمی کا قرضے کی ادائیگی کو ٹالے جانا ظلم ہے، اور جب تم میں سے کسی کو کسی غنی کے حوالے کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس بات کو مان لے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے امیر آدمی کو صاف گوئی سے کام لینا چاہیے لیکن اگر کوئی نادار ہو اور قرضے کہ ادائیگی میں اس سے تاخیر ہو رہی ہے تو یہ ظلم نہیں ہو گا۔

۵۔ مصالحت کرنے کا حکم

لڑائی کی صورت میں مصالحت کا حکم دیا گیا ہے تا کہ معاشرے میں انتشار اور بد امنی پیدا نہ ہو۔ اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ))[1]

ترجمہ: مسلمانوں کا آپس میں صلح کر لینا جائز ہے۔

اس حدیث کی وضاحت مولانا محمد عاقل نے اس طرح کی ہے: اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

"جس طرح قاضی کو یہ فرض منصبی ہے کہ وہ خصمین کے درمیان علی حسب الاصول شرع فیصلہ کرے اسی طرح قاضی کو اس کا بھی حق ہے خصمین کے درمیان رفعاللنزاع صلح کرادے۔"[2]

لہذا قاضی کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ دو فریقین کے مابین صلح کروادے جس طرح وہ دو فریقین کے مابین فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی طرح اسے فریقین کے مابین صلح صفائی کا بھی حق حاصل ہے۔

۶۔ بدشگونی سے اجتناب

آنحضرت ﷺ نے بدشگونی کو شرک کے مترادف قرار دیا اور اس کے نقصان سے آگاہ فرمایا:

((الطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ ثَلاَثًا وَمَا مِنَّا إِلاَّ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ))[3]

ترجمہ: بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، تین بار فرمایا اور ہم میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی وہم ہو ہی جاتا ہے، مگر اللہ اسے توکل کی برکت سے زائل کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ برا شگون رکھنا شرک کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی تاکید آنحضرت ﷺ نے تین بار کی، تاہم اللہ پر بھروسہ کرنے سے وہم و بدشگونی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) ایضا، کتاب القضاء، باب فی الصلح، حدیث نمبر: ۳۵۹۴، ۳/۸۱۱

(۲) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۵/ ۴۵۰

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الکھانۃ والتطیر، باب فی الطیرۃ، حدیث نمبر: ۳۹۱۰، ۴/ ۶۴

۷۔ فتنہ وفساد سے پرہیز کیا جائے

فتنہ وفساد سے حتی الامکان بچنے کی تاکید فرمائی اور اس سے بچنے والے مومن کو خوش قسمت قرار دیا جیسا کہ حدیث شریف ہے:

((إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا))[۱]

ترجمہ: بلاشبہ وہ انسان انتہائی خوش قسمت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا، بڑا خوش قسمت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا، بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جو فتنوں سے بچا رہا، اور جو ان میں مبتلا ہو گیا پھر اس نے صبر کیا، تو اس کا کیا کہنا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے اس شخص کو خوش قسمت قرار دیا ہے جو فتنوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے گا اور اس بات کو تین مرتبہ دھرانا اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اس شخص کی تعریف کی ہے جس نے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی صبر سے کام لیا۔

۸۔ باہمی امور میں حسن اخلاق

گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات ختم کرنے کے لیے باہمی امور میں حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مثبت سوچ کو فروغ حاصل ہو اور منفی رویوں کو پنپنے کا موقع نہ ملے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَدَعَهُ أَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ))[۲]

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے برا وہ آدمی ہو گا جسے لوگوں نے اس کی بدکلامی کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مستنبط کیا ہے:

"جو شخص فاسق ہو یعنی اعلانیہ طور پر معصیت کرتا ہو تو اس کی غیبت کی گنجائش ہے۔"[۳]

لہذا جو شخص فاسق ہو اور اعلانیہ گناہ کرتا ہو وہ غیبت بھی کر سکتا ہے اور قیامت کے دن وہ شخص اللہ کے ہاں سب سے برا تصور ہو گا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

---

(۱) ایضا، کتاب الفتن، باب النھی عن السعی فی الفتنۃ، حدیث نمبر: ۴۲۶۳، ۴/ ۲۷۴

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن العشرۃ، حدیث نمبر: ۴۷۹۱، ۴/ ۶۳۹

(۳) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۶/ ۵۲۲

۹۔ توہین سے اجتناب

ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بلاوجہ کسی دوسرے مسلمان بھائی کی توہین کرے کیونکہ ایک دوسرے پر گالی گلوچ کرنے سے انسان کبیرہ گناہوں کا مرتکب ٹھہرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِي عِرْضِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ وَمِنَ الْكَبَائِرِ السَّبَّتَانِ بِالسَّبَّةِ))[۱]

ترجمہ: بے شک کبیرہ گناہوں میں ایک بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کی ناحق ہتک اور توہین کر دے۔ کبیرہ گناہوں میں یہ بھی ہے کہ کوئی ایک کے بدلے میں دو گالیاں دے۔

اس آیت کی شرح مولانا محمد عاقل نے اس طرح بیان کی ہے:

"کسی مسلمان کی ناحق آبرو ریزی کے لئے زبان درازی کرنا ربا کی تمام قسموں میں بدترین قسم ہے۔ ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدین میں سے کسی ایک کو حاصل ہو بغیر کسی عوض کے، اور کسی کی ناحق آبروریزی کرنے میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے کہ اس کے مقابل نے تو اس کی آبروریزی کی نہیں اور یہ کر رہا ہے تو یہ اس کی آبروریزی خالی عن البدل ہے۔"[۲]

۱۰۔ ایک مسلمان گروہ دوسرے گروہ کو حقیر نہ جانے

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر جاننے سے برائی کی طرف گامزن ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف ہے:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَعِرْضُهُ، وَحَسْبُ امْرِئٍ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ))[۳]

ترجمہ: ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا مال، عزت اور خون حرام ہے۔ بندے کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

ڈاکٹر خالد علوی اسلام کے تعلقات کے نظریے کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، حدیث نمبر: ۴۸۷۷، ۴/ ۶۸۳

(۲) الدر المنضود علی سنن ابوداؤد، ۶/ ۵۴۳

(۳) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ، حدیث نمبر: ۴۸۸۲، ص: ۴/ ۶۸۵

"اسلام انسانوں کے درمیان کنبہ، بغض، اور نفرت و تصادم کو بھڑکانا حرام ٹھراتا ہے اس لئے وہ نزاع کو ختم کرنے، عداوت کے شیطان کو بھگانے ،بغض کی جگہ محبت کے بیج بونے، لڑائی جھگڑے کی جگہ اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے پوری قوت سے جدوجہد کرنے کو واجب ٹھراتا ہے۔"(۱)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام انسانوں کے درمیان محبت اور اخوت کے رویے کو فروغ دینے کا خواہاں ہے اور انسانوں کے درمیان منفی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

۱۱۔ تواضع اور انکساری

مومن پر لازم ہے کہ اپنے اوپر فخر کرنے کی بجائے تواضع و انکساری کو اختیار کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ أَوحى إِلَيَّ أَنْ تَواضَعُوا حَتى لَا يَبغِي أَحدٌ عَلَى أَحدٍ وَلَا يَفخَرَ أَحدٌ عَلَى أَحدٍ))(۲)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ نے مجھے وحی فرمائی ہے کہ تواضع اور انکسار اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔

ترمذی شمائل میں آپ ﷺ کی تواضع انکساری کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

"آپ ﷺ مفلسوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کے باوجود کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔"(۳)

۱۲۔ بدلہ لینا اور صلح وصفائی

مسلمانوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تعلقات قائم ہوتے ہیں، اگر کوئی فریق دوسرے فریق سے زیادتی کرے تو وہ اللہ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے، برائی کا بدلہ برائی ہی ہے چنانچہ معاف کر دینے کا بہت اجر وثواب ہے جس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) اسلامی نظام ایک فریضہ۔ ایک ضرورت، ص:۱۸۳

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی التواضع، حدیث نمبر:۴۸۹۵، ۴/ ۶۹۳

(۳) الشمائل، محمد بن عیسیٰ ترمذی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ، ص:۳۴۶

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزٰؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَافَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُه عَلَي اللهِ اِنَّه لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾[۱]

ترجمہ: اور وہ لوگ جب ان سے ظلم وزیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

سید سلیمان ندوی جماعتوں کے تعلقات کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"عفو وانتقام کی تعلیمات اپنی جگہ درست ہیں لیکن ایک شخص جب جماعت کے کسی فرد کا کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ گناہ درحقیقت اس شخص کا نہیں ہوتا بلکہ پوری جماعت کے نظام کا ہوتا ہے۔ اب اگر پہلی ہی دفعہ اس کی باز پرس نہ کی جائے تو بہت ممکن ہے وہ جراءت پاکر اسی گناہ کا ارتکاب کرے وہ جماعت کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ کرے۔ اس لئے کسی مظلوم کو اپنے ظلم کے معاف کردینے کا پورا پورا حق نہیں ہے، کیونکہ اس طرح ایک فرد کے ساتھ نیکی کر کے جماعت کے ہزاروں لاکھوں افراد کے ساتھ گویا برائی کا ارتکاب کر رہا ہے۔"[۲]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکنا ضروری ہے اس کے لئے اسے سخت سزا دی جانی چاہیے تاکہ وہ دوسروں کے لئے نشان عبرت بنے اور اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کی دادرسی بھی ضروری ہے۔

۱۳۔ آپس کے روابط بہتر بنانے کی فضیلت

مومن کی اچھی عادتوں میں سے ایک عادت آپس کے تعلقات کو بہتر بنانا ہے اور یہ عبادات سے بھی افضل درجہ ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلاَةِ وَالصَّدَقَةِ ». قَالُوا بَلَى يا رسول الله ﷺ! قَالَ إِصْلاَحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ))[۳]

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۳۹-۴۰

(۲) سیرت النبی، ۶/ ۹۱

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات، حدیث نمبر: ۴۹۱۹، ۴/ ۲۰۸

کیا میں تمھیں روزے، نماز اور صدقے سے بڑھ کر افضل درجات کے اعمال نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول اور روابط میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈا دینے والی خصلت ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی مسلم معاشرے میں آپس کے باہمی روابط کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"مسلم معاشرے کا استحکام اسلام کے اصول اخوت پر مبنی ہے۔ اسلامی معاشرہ رنگ و نسل اور وطن و جغرافیہ کی بجائے عقیدہ کی وحدت پر منظم ہوتا ہے اور عقیدے ہی کی بنیاد پر افراد معاشرہ اخوت کے رشتے میں جڑے ہوتے ہیں۔ لہذا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ جذبہ اخوت کی آبیاری کے لئے اقدامات کرے اور ان کا قلع قمع کرے جو رشتہ اخوت کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔"(۱)

۱۴۔ تعصب، عصبیت اور غیبت سے اجتناب

تعصب کسی بھی معاشرے کے لئے زہر قاتل کا کام کرتا ہے، جس سے معاشرے میں منفی سرگرمیوں کو فروغ ملتا ہے اور بدامنی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ لہذا پاکستان میں استحکام کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر فرد کا سیرت و کردار پختہ ہو اور اسی قدر لوگوں کے درمیان باہمی محبت و الفت استوار ہو گی۔ قرآن مجید میں چھ معاشرتی و مجلسی برائیوں سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾(۲)

---

(۱) اسلام کا معاشرتی نظام: ص: ۴۲۱

(۲) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۱-۱۲

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ گروہ ان سے بہتر ہو، اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی تم اپنے آپ کو عیب لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔ ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے، اور جو اس سے باز نہیں آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! کثرت سے گمان کرنے سے بچو، اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ٹوہ لگایا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم سے کوئی شخص اسے پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس یہ بات تو تمھیں انتہائی ناپسند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم فرمانے والا ہے۔

اجتماعی زندگی کی کامیابی کے لیے تو انبیائے کرام بھی دعا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں چھ معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا گیا ہے جن کے باعث دو افراد، گروہوں اور تنظیموں کے مابین رشتہ محبت و الفت کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ نفرت کے بیج بوئے جاتے ہیں، ایسی دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں جو کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ وہ چھ چیزیں درج ذیل ہیں:

تمسخر: انسان دوسرے انسان کی ظاہری حالت دیکھ کر اڑاتا ہے حالانکہ اصل چیز انسان کا باطن ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت اس کے باطن کی بنیاد پر ہے اور تقویٰ پر۔

عیب جوئی: تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو کسی دوسرے مسلمان بھائی کو عیب کا طعنہ دینا اپنے آپ کو عیب لگانا۔

گروہوں کے توہین آمیز نام: اسلام لانے کے بعد برائی کا نام لینا بھی نہایت برا ہے۔

سوءِ ظن: بہت سے ظن گناہ کے درجے تک جاتے ہیں جس سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

تجسس: کسی کی ٹوہ میں لگے رہنا، اس سے معاشرے کے افراد کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کی وجہ سے انتشار اور بدامنی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

غیبت: غیبت کرنا ایسے ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ اسی طرح قرآن مجید میں گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے اور بھی بہت سے اقدامات کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرادو، اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلے تو پھر صلح کرادو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ، اور عدل سے کام لو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یقیناً تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اسی طرح حدیث میں تعصب کی بنا پر کسی قوم کی مدد کرنے کو اونٹ میں کنوئیں میں گرنے سے تشبیہ دی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيرِ الَّذِى رُدِّىَ فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهِ))[2]

ترجمہ: جس نے حق کے بغیر اپنی قوم کی مدد کی تو وہ ایسے اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر گیا ہو اور پھر اسے دم سے پکڑ کر باہر نکالا جاتا ہے۔

لہذا کسی ایسی قوم کی مدد کرنا جو صحیح راستے پر نہ ہو درست نہیں ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے دیئے گئے خطبے کو ابن ہشام نے اس طرح نقل کیا ہے:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ، النَّاسُ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"[3]

ترجمہ: اے گروہ قریش۔ اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔

میاں محمد جمیل غیبت کو معاشرے کے لئے خطرناک قرار دیتے ہیں اور اس کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"ایک انسان کے لئے جب بدگمانی کو اپنے دل اور سینے میں چھپانا مشکل ہو جاتا ہے تو بدگمانی الفاظ کی شکل میں اس کے منہ سے جاری ہونے لگتی

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۹-۱۰

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ، حدیث نمبر: ۵۱۱۷، ۴/ ۸۲۸

(۳) السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ۴/ ۵۴

ہے۔ ایک شخص کا عیب دیکھ کر اس کی کمزوری کا آگے ذکر کرنا غیبت کہلاتا ہے۔"[1]

پر امن پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ گروہ اور تنظیمیں آپس کے اختلافات مل بیٹھ کر حل کریں۔ اس سلسلے میں بااثر جماعتوں اور گروہوں کے اعلیٰ عہدیداران کو ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام جھگڑوں اور باہمی نزاع کے معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کرنا چاہیے۔ اس سے پر امن معاشرے کی بنیاد پڑے گی اور معاشرے میں بدامنی کا انسداد ممکن ہو گا کیونکہ اگر ملک میں اندرونی انتشار ہو گا تو اغیار اور غیر ملکی ایجنڈے پر کام کرنے والی قوتیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک کو کمزور کریں گے۔

---

(۱) اتحاد امت اور نظم جماعت، ص: ۱۴۲

فصل چہارم: معاشی استحصال کا تدارک اور امن پاکستان

مبحث اول: معاشی استحصال کا اسلامی حل

مبحث دوم: اسلام میں معاشی استحصال کی ممانعت

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے مسائل سے متعلق ہدایات دی ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں۔ ان میں سے ایک اہم مسئلہ جو انسانی زندگی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے وہ مسئلہ معاشی استحصال کا ہے۔ معاشرے کا سارا نظام اسی معیشت و اقتصاد کے درست کام کرنے پر منحصر ہے اگر یہ معاشی نظام درست نہ ہو تو انسانی معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو توازن پر زور دیتا ہے اور بار بار یہ حکم دیتا ہے کہ وہ توازن کو برقرار رکھیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! عدل و انصاف کو بڑی سختی سے قائم کرنے والے بن جاؤ، اللہ کے لیے گواہی دینے والے خواہ وہ اپنے خلاف ہو یا اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے خلاف ہو، اگر کوئی دولت مند ہے یا بے نوا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے معاملات کی بہتر دیکھ بھال کر سکتا ہے، اور اگر تم عدل و انصاف کر و یا ہیر پھیر سے کام لو تو اللہ کو تمہاری ہر بات کی پوری طرح خبر ہے۔

دنیا کے ہر معاملے میں توازن کی ضرورت ہوتی ہے ہر معاملے میں توازن کا راستہ اختیار کرنا سچے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو واضح ہدایات دی ہیں باہمی تعلقات میں امتیازی سلوک سے بچیں۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۱۳۵

مبحث اول:

اسلام میں معاشی استحصال کی ممانعت

معاشی استحصال کی وضاحت

شمس الدین صاحب نے استحصال کو حجر کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور فرماتے ہیں:

"الْحَجْرِ مِنْهُ حَجْرُ الْمُفْلِسِ لِحَقِّ الْغُرَمَاءِ، وَالرَّاهِنِ لِلْمُرْتَهِنِ، وَالْمَرِيضِ لِلْوَرَثَةِ، وَالْعَبْدِ لِسَيِّدِهِ، وَالْمُرْتَدِّلِلْمُسْلِمِينَ"(۱)

ترجمہ: یعنی مفلس کو روکنا قرض خواہوں کے لئے، راہن کو مرتہن کے لئے، مریض کو وارثوں کے لئے، غلاموں کو آقا کے لئے، اور مرتد کو مسلمانوں کے لئے۔

اسلام نے ہر طرح کے معاشی استحصال سے منع فرمایا ہے اور معاشرے کے افراد کو معاشی تحفظ دیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں ہی ایمان لانے والوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

﴿الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: الف لام میم، یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید تنویر ان آیات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ان آیات میں اللہ کی کتاب اور اس میں بیان کردہ غیب کی باتوں مثلاً وجود باری تعالیٰ، تقدیر، دوزخ، جنت، تخلیق کائنات، آخرت، جن و ملائکہ وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان پر دو حقوق واجب ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد، نماز کے فوراً بعد انسان اور انسان کے درمیان قائم ہونے والے تعلقات ہیں جو اولین حق ہے وہ انفاق یعنی خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حقداروں کی کفالت، قرآن مجید میں اکثر جگہوں پر نماز کے بعد زکوۃ کا حکم آتا ہے اور بعض جگہ تو ایسی صورت میں

---

(۱) مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، شمس الدین، (وفات: ۹۷۷ھ) دار الکتب العلمیۃ، طبع اول، ۱۴۱۵ھ، کتاب الصلاۃ، باب الحجر، ۳/۱۳۰

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/۱-۳

نماز کو ضائع قرار دیا گیا ہے جہاں نماز پڑھنے والے نے اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں بخل سے کام لیا۔"[1]

انسانی زندگی کے لیے اسلام کی اخلاقی تعلیمات، معیشت، سیاست اور نظام عبادت نہایت ضروری بلکہ ناگزیر ہیں۔ معاشی بداخلاقیوں سے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ہے جن میں ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، بدعہدی، سود، رشوت اور ملاوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ اسلام میں معاشی استحصال سے منع کیا گیا ہے کسی شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اور پھر اس کو کام کرنے پر مجبور کرنا غیر شرعی فعل ہے اس کے ساتھ معاشرے کے افراد کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ مال کو کمانے کے حلال ذرائع استعمال کریں جیسا کہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ"[2]

ترجمہ: کہ یہ مال اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

حلال کمائی کمانے کے بعد حلال کاموں پر خرچ کرنے سے معاشی استحصال میں کمی لائی جاسکتی ہے۔ خالد سیف رحمانی اسلام کے معاشی استحصال کے نظریے کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"شریعت میں اس بات کو ناپسند کیا گیا ہے کہ مظلوم شخص کا استحصال کیا جائے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جائے جیسا کہ سود کی ممانعت میں یہ پہلو بھی ہے کہ ایک شخص کو قرض کی ضرورت ہو تو سود خور اس کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ قرض تو دے گا لیکن اس پر زیادہ رقم وصول کرے گا جبکہ مقروض مجبور ہونے کی بنا پر اس کو قبول کرلیتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات دکاندار کسی شے کی قیمت متعین کرنے میں "غبن فاحش" کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت خریدار کا استحصال ہے۔"[3]

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں مظلوم شخص کے استحصال کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾[4]

---

(۱) اسلام اور جدید افکار، ص:۱۱۱

(۲) تاریخ بغداد وذیولہ، ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (وفات: ۴۶۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، دراسۃ وتحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، طبع اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۲/ ۴۳۵

(۳) جدید مالیاتی ادارے، فقہ اسلامی کی روشنی میں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور یوپی، ۲۰۰۴ء، ص:۱۹

(۴) سورۃ الماعون: ۱۰۷/ ۱-۷

ترجمہ: تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے، وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز میں غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے انکار کرتے ہیں۔

اس سورۃ کی تفسیر مفتی محمد شفیع صاحب نے ایسے بیان کی ہے:

"اعمال قبیحہ یہ ہیں، یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔ مسکین محتاج کو باوجود قدرت کے کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا، نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا یہ سب افعال اپنی ذات میں بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے۔"(۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ برے اعمال کا انجام دوزخ ہی ہے۔ معاشی تحفظ کے اسلامی نظریے کی وضاحت ڈاکٹر سید تنویر بخاری نے ایسے کی ہے:

اسلام میں انسان کے معاشی مسائل کی اہمیت اور اسے حل کرنے کے لیے مسلمانوں کو واضح نصیحتیں دی گئی ہیں قرآن میں تیس سے زائد مقامات پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بھی آیا ہے اور ستر سے زائد مقامات پر انفاق کا۔ انسان کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کے لیے اللہ کے دین میں انفاق پر بہت زور دیا گیا ہے اس کے لیے مختلف تدابیر بتائی گئی ہیں اور اسلامی ریاست پر بھی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔(۲)

انفاق کا قرآنی حکم

اللہ تعالی نے نفاق کا متعدد مقامات پر قرآن میں ذکر کیا ہے تا کہ حق داروں کا حق ان کو دیا جائے انفاق کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (۳)

---

(۱) تفسیر معارف القرآن: ۸/ ۸۲۶

(۲) اسلام اور جدید افکار، ص: ۱۱۲

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۱۵

ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر اور مسافروں پر خرچ کرو۔

اس آیت کی تفسیر قرطبی نے اس طرح بیان کی ہے:

"هِيَ نَدْبٌ، وَالزَّكَاةُ غَيْرُ هَذَا الْإِنْفَاقِ، فَعَلَى هَذَا لَا نَسْخَ فِيهَا، وَهِيَ مُبَيِّنَةٌ لِمَصَارِفِ صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ، فَوَاجِبٌ عَلَى الرَّجُلِ الْغَنِيِّ أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَبَوَيْهِ الْمُحْتَاجَيْنِ مَا يُصْلِحُهُمَا فِي قَدْرِ حَالِهِمَا مِنْ حَالِهِ"[۱]

ترجمہ: یہ آیت مستحب صدقہ کے بارے میں ہے اور زکوۃ اس انفاق کے سوا ہے ۔پس اس قول کی بنا پر اس میں کوئی نسخ نہیں ہے اور یہ نفلی صدقہ کے مصارف کو بیان کر رہی ہے۔ پس خوشحال اور غنی آدمی پر واجب ہے کہ وہ اپنے محتاج اور فقیر والدین پر اتنا مال خرچ کرے جو ان دونوں کی ان کی حالت کے مطابق اصلاح کر سکے۔

قرآن میں انفاق پر غیر معمولی تاکید کی گئی ہے ،انفاق کی صورت میں انسان کو مال کم ہونے اور مفلس ہو جانے کا خوف لگا رہتا ہے، اس سے دل و دماغ کو نجات دینے کے لیے فرمایا:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾[۲]

ترجمہ: اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمھارے اپنے لیے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہر گز نہ ہو گی۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال شب و روز، کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔

ان تمام آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معاشرے کے وہ افراد جو معاشی طور پر کمزور ہیں ان کا حصہ امیروں کے مال میں سے ہے تا کہ وہ بھی اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں اور معاشرے میں برائیاں پھیلانے کا

---

(۱) تفسیر القرطبی: ۳/ ۳۷

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۷۲

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۷۴

سبب نہ بنیں۔ اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنے والے کو کسی قسم کے خوف اور اور غم نہ ہونے کی خوشخبری بھی سنائی گئی ہے۔

اعتدال کا حکم

انفاق پر غیر معمولی زور دینے اور بخل سے بچنے کی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خرچ میں راہ اعتدال متعین فرمائی تاکہ اونچ نیچ کا شکار نہ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّه لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں زینت سے مراد مناسب لباس جو نہ صرف ستر پوشی کی ضرورت کو پورا کرے بلکہ صاف ستھرا بھی ہو۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی فطری ضروریات کا پورا کرنا البتہ لباس و خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں فضول خرچی سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے:

((الاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ))[2]

ترجمہ: آمدن اور صرف میں میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے اسلام میں دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے:

((لَا ضَرَرَ فِي الْإِسْلَامِ))[3]

ترجمہ: اسلام میں مضرت رسانی جائز نہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام فرد اور معاشرے کو معاشی تحفظ دینے کے لئے کتنے اصول و ضوابط لاگو کرتا ہے تاکہ فرد واحد اپنی من مانی کر کے معاشرے کے دوسرے افراد کا استحصال نہ کرتا پھرے۔

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/ ۳۱

(۲) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، فصل دوم: فی تعدید الاخلاق المحمودۃ، حدیث نمبر: ۵۴۳۴، ۳/ ۴۹

(۳) الخراج، ابوزکریاء یحیی بن آدم بن سلیمان القرشی (وفات: ۲۰۳ھ)، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا، طبع دوم، ۱۳۸۴ھ، باب التحجیر، حدیث نمبر: ۳۰۳، ۱/ ۹۴

مبحث دوم

معاشی استحصال کا اسلامی حل

اس نے معاشی استحصال کا جو اسلامی حل دیا ہے وہ تمام انسانوں میں برابری کے اصول پر قائم ہے اور انسانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے اس کے درج ذیل اصول ہیں:

صالح معاشی نظام کے اصول

صالح معاشی نظام وہی کہلائے گا جس میں معاشرے کے تمام افراد کو معاشی تحفظ حاصل ہو گا اور کوئی بھی انسان حدود سے تجاوز نہیں کرے گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی صفت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾(۱)

ترجمہ: اور یہ اللہ کے نیک بندے جب خرچ کرتے ہیں تو حد سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ہی ہاتھ کو روکتے ہیں۔

لہٰذا اللہ کے نیک بندے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالی کی بتائی ہوئی حدوں کو پار کرتے ہیں بلکہ کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں۔ مولانا سعید الرحمن صالح معاشی نظام کی خصوصیات کو ایسے بیان کرتے ہیں:

ا۔ صالح معاشی نظام وہی ہو گا جو ہر شخص کو اس طرح معاشی طور پر خود کفیل بنائے کہ کوئی فرد کسی طرح محرومی کا شکار نہ ہو۔

ب۔ ایسے اقدامات ہونے چاہیں جس سے معاشی استحصال کا خاتمہ ہو تاکہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔

ت۔ دولت کو ایک جگہ مرتکز نہ رہنے دیا جائے بلکہ تمام لوگوں کو فائدہ اٹھانے کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔

ث۔ محنت و سرمایے کے درمیان توازن ہو اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔(۲)

---

(۱) سورۃ الفرقان: ۲۵/ ۶۷

(۲) اسلامی حکومت کا فلاحی تصور، مولانا سعید الرحمان علوی، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۸۷

چنانچہ صالح معاشی نظام وہ ہو گا جس سے تمام انسانوں کو برابری کی بنیاد پر معاشی وسائل سے اٹھانے کا حق حاصل ہو، کسی کے ساتھ زیادتی اور زور زبردستی نہ ہو۔

صدقات، انفاق فی سبیل اللہ

اسلام اللہ کی راہ میں صدقہ وانفاق کا حکم بھی دیتا ہے اس کی وجہ سے ایسے لوگوں کی مدد کرنا ہوتا ہے جو کسی وجہ سے معاشی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ اس سے معاشی استحصال کو کم کرنے میں مدد ملتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: اے محمد ﷺ! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کروگے خدا اس کو جانتا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے انفاق کے ذریعے امیر و دولت مند شخص کو پابند کیا ہے کہ وہ معاشرے کے دوسرے افراد کا بھی خیال رکھے جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾[2]

ترجمہ: اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کا حق ہوتا ہے۔

دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھنے کو اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور اپنے مستحق قریبی رشتے داروں کی مالی امداد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس ضمن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى))[3]

ترجمہ: اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے بچی ہوئی چیز دوسروں کو دے دیا کرو۔ تو یہ تمہارے لیے اچھا ہے اور اگر اس کو روکو تو تمہارے لیے برا ہے اور جتنی روزی

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۲۱۵

(۲) سورۃ الذاریات:۵۱/۱۹

(۳) تفسیر ابن کثیر، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ۱/۵۸۰

تمھارے لیے ضروری ہے۔ اتنے پر تمہیں برا نہیں کہا جاتا اور صدقہ دینا پہلے اپنے اہل وعیال سے شروع کرو اور اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

چنانچہ انفاق فی سبیل اللہ کے تناظر میں اسلام نے یہ بات بتاتی ہے کہ ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کیا جائے جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾[1]

ترجمہ: اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کون سامال خرچ کریں کہہ دو کہ ضرورت سے زیادہ ہو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((يَأْتِي أَحَدُكُمْ بِمَا يَمْلِكُ فَيَقُولُ هَذِهِ صَدَقَةٌ ثُمَّ يَقْعُدُ يَسْتَكِفُّ النَّاسَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى))[2]

ترجمہ: تم میں سے ایک اپنا سارا مال دے کر چلا جاتا ہے اور کہتا ہے یہ صدقہ ہے اور پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے بہتر صدقہ وہ ہے جس کا مالک صدقہ دے کر مال دار رہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

"من فقه الرجل رفقه في معيشته"[3]

ترجمہ: کسی شخص کی دانشمندی اور فرزانگی میں یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں اعتدال سے کام لے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آمدن اور اخراجات میں توازن ضروری ہے اور فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

حق داروں کو ان کا حق دینا

قرآن مجید میں کئی مقامات پر حصے داروں کو ان کا حق دینے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ معاشی توازن برقرار رہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۱۹

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الزکوۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، حدیث نمبر: ۱۶۷۳، ۲/ ۳۲۸

(۳) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، شھاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الالوسی (وفات: ۱۲۷۰ھ)، محقق: علی عبد الباری عطیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۵ھ، ۱۰/ ۴۶

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تمہیں وصیت کرتا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے اللہ تعالی انسانوں کے بھلے کے کتنے خیر خواہ ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالی نے مال کی تقسیم کے اصول وضوابط کا بھی تعین کر دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾[2]

ترجمہ: اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ حق داروں کو ان کا حق دینے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾[3]

اور جب تم زراعت کی فصل کاٹ لو تو اللہ کا حق اس میں سے ادا کرو۔

معاشی اعتبار سے مساوات کی مثال یہ حدیث ہے جس میں اللہ تعالی کی بڑائی بیان کی جارہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو لینے اور دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ))[4]

ترجمہ: اے اللہ نہیں کوئی روک سکتا جو آپ عطا کرنا چاہیں اور نہیں کوئی دے سکتا جو آپ نہ دینا چاہیں اور نہیں فائدہ دے سکتی کسی بزرگی والے کو اس کی بزرگی۔

حقوق کی ادائیگی میں امیر اور غریب کے فرق کو ختم کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ))[5]

ترجمہ: تمھارے خادم،، ملازم، مزدور اور غلام تمھارے بھائی ہیں۔ لہذا تم میں سے جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے۔ اور اس کو کوئی ایسا کرنے کو نہ کہے جس کو وہ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور کبھی ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۱۱۰

(۲) سورۃ المعارج: ۷۰/ ۲۴

(۳) سوۃ الانعام: ۶/ ۱۴۱

(۴) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، دار طوق النجاۃ، حدیث نمبر: ۸۴۴، ۱/ ۱۶۸

(۵) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ، حدیث نمبر: ۳۰، ۱/ ۱۳

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انسان چاہیے وہ امیر ہو یا غریب ایک جیسے انسانی حقوق رکھتے ہیں۔اسی طرح حکیم محمود احمد ظفر آنحضرت ﷺ کے دور میں بیت المال کے نظام کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سب سے آخر میں جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی مقدار آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن نبی ﷺ نے یہ کل رقم ایک ہی مجلس میں تقسیم فرما دی۔ابو بکر نے اپنے دور میں کوئی بیت المال قائم نہیں فرمایا تھا لیکن جو کچھ مال غنیمت آتا وہ آپ اسی وقت لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔آپ نے بیت المال کے لئے ایک مکان خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اس لئے خزانے میں رکھنے کی نوبت کی نہ آتی تھی۔آپ کی وفات کے بعد خزانے سے صرف ایک درہم یا دینار نکلا۔"[۱]

غیر آباد جاگیروں کی واپسی کے لئے یا کم وقت کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کو منع کیا گیا ہے:

"عادي الارض لله وللرسول، ثم لكم من بعد، فمن أحيا أرضا ميتة فهي له، وليس لمحتجر بعد ثلاث سنين"[۲]

ترجمہ:بنجر زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر اس کے بعد وہ تمھارے لئے ہے۔پس جو کوئی مردہ زمین آباد کرے وہ اسی کی ہے اور بے کار روک رکھنے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حق داروں کو ان کا حق ملنا چاہیے۔مولانا شبلی نعمانی اسلام میں نظام کفالت کی وضاحت ایسے کرتے ہیں:

"اسلام میں کسی شخص کے گداگر بننے کی گنجائش نہیں ہے حتی کہ اسلامی ملکوں میں غیر مسلموں کی گداگری بھی مذموم ہے۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لے گئے۔آپؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی سیڑھیوں پر بیٹھا سوال کر رہا ہے۔آپؓ نے اس سے پوچھا تو مانگ کیوں رہا

---

(۱)معشیت اقتصاد کا اسلامی تصور، حکیم محمود احمد ظفر، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰-انار کلی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۲۷۴

(۲)فقہ السنۃ، سید سابق(وفات:۱۴۲۰ھ)، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، طبع سوم، ۱۳۹۷ھ، کتاب احیاء الموات، باب متی یسقط الحق، ۱۷۱/۳

ہے؟تو اس نے جواب دیا جب میں جوان تھا تو کما کر جزیہ دیتا تھا اب میں
بوڑھا ہو گیا ہوں اب اس قابل نہیں رہا، آپ نے فرمایا اس کا جزیہ معاف
کر دیا جائے اور مزید یہ کہ بیت المال سے اس کی گذارن کے مطابق اس کی
اعانت کی جائے۔ کیونکہ جو شخص اپنی جوانی میں بیت المال کی اعانت کرتا
رہا ہے اب اس کا حق ہے کہ بیت المال سے اس کی اعانت کی جائے۔"(۱)

لہذا آج کل کے دور میں بھی یہ اصول ہمارے لئے مشعل راہ ہیں موجودہ دور کے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ان اصولوں سے رہنمائی حاصل کریں۔

معاشی تحفظ کے لیے اسلام کا طریقہ کار

معاشی استحصال کے خاتمے کے لیے اسلام نے جو عملی تدابیر دی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ہر انسان کو معاشی جدوجہد کی بھرپور آزادی ہے تاکہ وہ کسی کے زیر اثر نہ رہے۔

۲۔ محنت کرنے والے کو اس کا صلہ ضرور ملتا ہے۔

۳۔ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود کا تعین کیا اسی طرح منفی ذرائع آمدنی، سود، شراب، رشوت، فحاشی و بدکاری، ممنوعہ اشیاء کی خرید و فروخت، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور معاشرے سے لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کیا اور معاشی استحصال کی راہ روک دی۔

۴۔ حاصل شدہ آمدنی کو غیر شرعی مصارف میں استعمال سے منع کیا۔ اسراف و بے اعتدالی اور عیش و عشرت اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا اور مال کا رخ اصل مستحقین تک پہنچایا۔

۵۔ ہر فرد کی کمائی میں دوسرے افراد کا حصہ مقرر کر کے اسے اجتماعی نظام کی کفالت کے لیے مددگار بنایا۔ شریعت کے دائرہ کار میں اس کی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

ا۔ نفقات واجبہ، یعنی والدین، بیوی بچوں، دادا دادی، نانا نانی، پوتے نواسے، بھائی بہن، پھوپھی، اور دیگر رشتہ داروں کی کفالت۔

ب۔ زکوٰۃ کا نظام جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے۔ فقراء، مساکین، عاملین زکوٰۃ، نو مسلموں کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی ہو، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کو یا دشمن کے پاس پھنسے ہوئے مسلمانوں کو آزاد کرایا جائے، قرض داروں کا قرض ادا کیا جائے، مجاہدین، طالب علموں اور مسافروں جن کا ٹھکانہ نہ ہو کو دینا۔

---

(۱) الفاروق، شبلی نعمانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص:۲۸۶

ت۔ خاندانوں اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت کے بعد صاحب استطاعت لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حاجت مندوں اور ناداروں کی مالی امداد کے لیے صدقہ وخیرات دیں۔[1]

اسلام میں معاشرے کے مختلف طبقوں میں اقتصادی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے اور دولت کو ایک جگہ اکٹھا کرنے سے روکنے کے لیے بہت سے طریقے بتائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ٹیکس کا قانون مثلاً لوگوں کے جمع شدہ مال پر خُمس، زکوٰۃ قسم کے ٹیکس لاگو کیے تاکہ ہر سال مالداروں اور سرمایہ داروں کا مال کم ہوتا رہے۔

۲۔ عمومی ثروت کو اسلامی مملکت کے سپرد کر دینا چاہیے مثلاً جنگلات، چراگاہ، بنجر زمینیں، پہاڑ، پہاڑوں پر اگے ہوئے درخت، معدنیات، بغیر جنگ حاصل ہونے والی زمینیں، کفارات، لاوارث افراد کی میراث اور اس قسم کی چیزیں انفال (ثروت عمومی) کہلاتی ہیں۔

۳۔ میراث کے قانون کی وجہ سے ہر نسل میں دولت تقسیم ہوتی ہے۔

۴۔ اضطراری حالت یعنی شخصی ملکیت کا احترام ضروری ہے۔[2]

اسلامی حاکم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ چند افراد کے ہاتھوں میں دولت کو جمع ہوتا ہوا دیکھے اور دوسروں کی محرومی پر خاموش تماشائی بنا رہے کیونکہ یہ بات اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾[3]

ترجمہ: تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

آنحضرت ﷺ کا اسلامی انقلاب بھی اس چیز کا قائل نہیں تھا کہ ایک طرف تو دولت کی اتنی فراوانی اور دوسری طرف دولت کی محرومی ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ))[4]

ترجمہ: اللہ کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔

مقروض کا ہاتھ بٹانا

---

(۱) معیشت اقتصاد کا اسلامی تصور، ص:۵۵۳۔۵۵۴

(۲) اسلام اور جدید افکار: ص:۱۰۹

(۳) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۷

(۴) صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب الحقوق والفرائض باھلھا، حدیث نمبر: ۴۱۴۳، ۴/ ۲۳۵

اسلام میں مقروض کا ہاتھ بٹانے والے کو بھی خیر و برکت سے نوازا ہے اس کے لئے شرعی آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔ قرض دینے کے بعد فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

ب۔ ادھار دی گئی رقم میں اپنے مفاد کو بالائے طاق رکھے۔

ت۔ مقروض کو بار بار تنگ نہ کرے۔

ث۔ احسان جتلا کر تکلیف نہ پہنچائی۔۔

ج۔ تنگ دست مقروض ہونے کی صورت میں اس مزید دقت دے، یا اسے معاف کر دے۔ قرآن مجید میں قرض کے ساتو اس اقدام کو صدقے سے بھی برتر قرار دیا گیا ہے۔[1]

فضول خرچی کی مذمت

اسلام نے ایک ہی گروہ کے ہاتھ میں دولت جمع ہو جانے کے جو نتائج بیان کیے ہیں (یعنی سرمایہ داری کے نتائج) ان نتائج کی شدت سے مخالفت کی ہے تاکہ سرمایہ مرتکز نہ ہو مثلاً فضول خرچی، عیاشی، خوش گزرانی۔ یہ چیزیں سرمایہ داری کی دین ہیں۔

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾[2]

ترجمہ: کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔

اسلام نے ان چیزوں کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ حدیث میں مال ضائع کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے:

((قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ))[3]

ترجمہ: قیل و قال کرنا، مال ضائع کرنا، اور کثرت سے سوال کرنا۔

نووی نے اس حدیث کی شرح ایسے کی ہے:

"اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر خرچ کرنا ہے، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کرنے پیدا کرنے کے برابر ہے اور اللہ تعالی فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اس کے علاوہ جب کوئی

---

(۱) البقرۃ: ۲ / ۲۸۲، بحوالہ ادھار کے معاملات، محمد بن صالح العثیمین، ترجمہ: حافظ احمد حماد، محمد سرور عاصم، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۸

(۲) سورۃ الاعراف: ۷ / ۳۱

(۳) صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل، حدیث نمبر: ۴۴۸۶۴، ۴ / ۳۴۰

اپنے مال کو ضائع کر دے تو پھر وہ کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔"[1]

اجرت روکنے کی ممانعت

اسلام نے انفرادی واجتماعی منافع کی نگرانی حکومت پر رکھی گئی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ معاشرے کے افراد کو غلط کام کرنے سے روکے اور اپنی پوری طاقت و قوت سے اسلامی قوانین کا نفاذ کرے۔ اجتماعی طور پر افراد کے اندر اخلاقی فضائل پیدا کرے اور نگرانی کے علاوہ بھی حکومت پر لازم ہے کہ معاشرے کو ان تمام برائیوں سے روکے جن سے تمام افراد کا فائدہ ہو جس کی بنا پر فرد کی زندگی ایک مثالی نمونہ بن جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان اپنے ارادے و اختیار سے اپنے اقتصاد کی بنیاد رکھتا ہے۔ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جبر کا کوئی تصور نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ اسْتِئْجَارِ الْأَجِيرِ حَتَّى يُبَيَّنَ لَهُ أَجْرُهُ))[2]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ مزدور کی مزدوری متعین کئے بغیر رکھنے سے منع کیا ہے۔

ڈاکٹر سید تنویر نے مزدوروں کی اجرت کو روکنے کی وضاحت ایسے کی ہے:

"اسلام نے مزدوروں کی مزدوری کو روکنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے استحصال کا خدشہ ہوتا ہے چنانچہ اسلام کی یہ دعوت انسان و خدا کے درمیان مضبوط تعلق قائم کرے گی اور انسان کے ضمیر میں ایسے پاکیزہ جذبات و احساسات پیدا ہوں گے جن کی وجہ سے انسان اخروی جزا اور رضائے الٰہی کا خواہش مند ہو جائے گا۔"[3]

اسی طرح ہر شخص کو رزق کی تلاش میں جدوجہد کرنے کی آزادی حاصل ہے کہ حلال ذرائع آمدن کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے جو بھی شعبہ اپنائے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾[4]

ترجمہ: انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم مع شرح نووی ۴/ ۳۳۹

(۲) مسند الامام احمد بن حنبل، محقق: شعیب، عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، مسند ابو سعید الخدری، حدیث نمبر: ۱۰۹۸۵، ۱۸/ ۱۱۶

(۳) اسلام اور جدید افکار، ص: ۱۰۹-۱۱۰

(۴) سورۃ النجم: ۵۳/ ۳۹

پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے اس لیے آزادانہ اسلامی ریاست کی حیثیت سے یہاں کے حکمران طبقے کا اولین فرض ہے کہ ملک میں امن وامان کے قیام کے لیے اور معاشی استحصال کے تدارک کے لیے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں اور قرآنی احکامات کو عملی طور پر نافذ کریں۔ ملک میں امن اسی صورت میں ممکن ہے جب ملک میں معاشی توازن برقرار رہے اور ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق معاشی طور پر خود کفیل ہو، کوئی گروہ، طبقہ یا فرد دوسرے فرد، گروہ یا طبقے کا معاشی استحصال نہ کرے اور اپنے فرائض سے غفلت نہ برتے۔

فصل پنجم: عصر حاضر میں امن کے حل میں کی گئی کوششوں کا جائزہ

مبحث اول: پیغام پاکستان فتوی

مبحث دوم: امن سے متعلقہ جدید صورتیں، مسائل، قضایا

مبحث اول: پیغام پاکستان فتوی

پیغام پاکستان متفقہ دستاویز قرآن و سنت اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی روشنی میں ریاست پاکستان کی اجتماعی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔

پیغام پاکستان مندرجہ ذیل وفاقوں کی کاوشوں سے تکمیل پائی

۱۔ وفاق المدارس العربیہ

۲۔ تنظیم مدارس اہلسنّت

۳۔ وفاق المدارس السلفیہ

۴۔ وفاق المدارس الشیعیہ

۵۔ رابطہ المدارس پاکستان

پیغام پاکستان میں اہم پاکستانی جامعات اور پاکستان کے بڑے دینی مدارس دارالعلوم کراچی، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف، جامعہ بنوریہ کراچی، جامعۃ المنتظر لاہور، جامعۃ الشرقیہ لاہور، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، جامعہ محمدیہ اسلام آباد اور مجامعہ خریریہ اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے اساتذہ، جید علماء اور مفتیان کرام کا تعاون شامل ہے۔

پیغام پاکستان کا ابتدائی مسودہ ادارا تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے محققین نے تیار کیا اور ۲ مئی ۲۰۱۷ء کو ادارہ تحقیقات اسلامی میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان عزت مآب جناب ممنون حسین کی صدارت میں منعقد ہونے والے قومی سیمینار "میثاق مدینہ کی روشنی میں پاکستانی معاشرے کی تشکیل نو" کے موقع پر پیش کیا گیا۔ اس سیمینار میں تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام اور مفتیان عظام نے علامیہ اور متفقہ فتوی بھی جاری کیا۔ متفقہ اعلامیہ کو سیمینار میں پروفیسر ڈاکٹر معصوم یسین زئی، ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد نے پیش کیا۔ جبکہ متفقہ فتوی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مہتمم دارالعلوم کراچی نے سیمینار کے اختتام پر پیش کیا۔ اس دستاویز کو دینی مدارس کے تمام وفاق اور مختلف قومی جامعات کے اساتذہ کی مشاورت سے مزید بہتر بنایا گیا۔ نیز متفقہ اعلامیہ اور فتوی کو بھی اس کا حصہ بنا دیا گیا۔ پیغام پاکستان قرآن و سنت میں موجود بنیادی اسلامی تعلیمات اور ۱۹۷۳ء کے متفقہ دستور کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اب یہ دستاویز ریاست پاکستان کی منظوری سے ایک بنیادی قومی لائحہ عمل کے طور پر عمل درآمد کے لیے شائع کی جاتی ہے۔

پیغام پاکستان کا خلاصہ

دستور پاکستان ۱۹۷۳ء اسلامی اور جمہوری ہے اور یہ پاکستان کی تمام اکائیوں کے درمیان ایسا عمرانی معاہدہ ہے جس کو تمام مکاتب فکر کے علماو مشائخ کی حمایت حاصل ہے اس لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے تقاضوں کے

مطابق پاکستان میں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس دستور کی موجودگی میں کسی فرد یا گروہ کو ریاست پاکستان اور اس کے اداروں کے خلاف کسی قسم کی مسلح جدوجہد کا کوئی حق حاصل ہے۔

نفاذ شریعت کے نام پر طاقت کا استعمال، ریاست کے خلاف مسلح محاذ آرائی نیز لسانی، علاقائی، مذہبی، مسلکی اختلافات اور قومیت کے نام پر تخریب وفساد اور دہشت گردی کی تمام صورتیں احکام شریعت کے خلاف ہیں اور پاکستان کے دستور و قانون سے بغاوت اور طاقت کے زور پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش شریعت کے احکامات کی مخالفت اور فساد فی الارض ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور و قانون کی رو سے ایک قومی اور ملی جرم بھی ہے۔ دفاع پاکستان اور استحکام پاکستان کے لیے ایسی تمام تخریبی کاروائیوں کا خاتمہ ضروری ہے، لہٰذا ان کے تدراک کے لیے بھرپور انتظامی، تعلیمی، فکری اور دفائی اقدامات کیے جائیں گے۔

دستور پاکستان کے تقاضوں کے مطابق پاکستانی معاشرے کی ایسی تشکیل جدید ضروری ہے جس کے ذریعے سے معاشرے میں منافرت، تنگ نظری، عدم برداشت اور بہتان تراشی جیسے بڑھتے ہوئے رجحانات کا خاتمہ کیا جاسکے اور ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں برداشت، رواداری، باہمی احترام اور عدل و انصاف پر مبنی حقوق و فرائض کا نظام قائم ہو۔

ہم آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باوجود انسانی نسل قدیم زمانے میں معاشی ضرورتوں کے لیے منتشر ہو کر الگ الگ بستیوں، شہروں، اور ملکوں میں بٹ گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد صورت حال بدل گئی انسانی ذہنوں سے ارتقائی رکاوٹیں دور ہو گئیں اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے رسول کو ایک کامل اور جامع پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اسلام وہ مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے احکام رسول پر ۴۰ سال کی عمر میں ۶۱۰ء میں مکہ میں نازل ہونے شروع ہوئے اور انہوں نے انسانیت کی فلاح کے لئے وحی پر مبنی پیغام انسانوں تک پہنچایا۔ [1]

---

(۱) پیغام پاکستان، پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیا الحق، ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۸ء ابتدائی صفحات

مبحث دوم: امن سے متعلقہ جدید صورتیں، مسائل، قضایا

امن سے متعلق صورتیں اور مسائل درجہ ذیل ہیں:

۱۔ جس طرح کی دینی تعلیم رسول اللہ نے دی اس سے انسان کو گروہی اور فرقہ وارانہ تعصب کی مصیبت سے نجات مل جاتی ہے۔

۲۔ رسول اللہ نے عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا جس میں کمزور اور ناتواں کو طاقت ور اور جابر کے مقابلے میں تحفظ حاصل تھا۔

۳۔ عدل و انصاف کے اس نظام میں غیر مسلموں، عورتوں اور بچوں کے حقوق کا خاص طور پر تحفظ کیا گیا۔ ظلم و ستم اور تکبر، سختی اور عدم برداشت جیسے افعال کو قبیح قرار دے کر حرام قرار دیا گیا اور عاجزی و انکساری، بردباری، تحمل و برداشت جیسی عادات و اخلاق کو عین اسلامی آداب قرار دے دیا گیا۔ انسانوں کو ہدایت کی گئی کہ زمین پر عاجزی و انکساری سے چلیں اور لوگوں کو دعوت دین کے لیے حکمت اور عقلمندی سے بلائیں۔

۴۔ مملکت خداداد میں ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں امن، سکون، سلامتی، اقتصادی ترقی اور معاشرتی ہم آہنگی کے اسلامی اصولوں کا رواج ہو، جبکہ غیر مسلموں اور معاشرے کے کمزور طبقوں کے حقوق کا مکمل تحفظ ہو۔ مزید یہ کہ علاقائی ثقافتوں اور زبانوں کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک مرکزی پاکستانی اسلامی تہذیب کا حصہ بنایا جائے۔ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں اگرچہ کئی چیلینجز درپیش ہوئے، تقسیم پُر امن ہونے کی بجائے خونریزی ہوئی، پاکستان کے کئی علاقے ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے، کشمیر پر ہندوستان نے قبضہ کر لیا، پاکستان کو اس کے اقتصادی اور مالیتی حقوق سے محروم کر دیا گیا، لیکن بانیان پاکستان کی مسلسل جدوجہد اور تحریک پاکستان کے کارکنوں کی لازوال قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان نے اپنے مسائل حل کرنا شروع کر دیئے اور وہ دن بدن مستحکم ہوتا چلا گیا۔

۵۔ موجودہ دنیا میں پاکستان وہ ملک ہے جہاں اسلامی اصولوں کو مطابق سب سے زیادہ قانون سازی ہوئی ہے۔ اس کی ایک مثال پاکستان کا ۱۹۷۲ء کا آئین ہے جس کا ابتدائیہ قرارداد مقاصد پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اس آئین میں اسلامی شقوں کو باقاعدہ دستور کا حصہ بنایا اور اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی پاکستان کا کوئی قانون غیر اسلامی نہیں ہو گا۔

۶۔ پاکستان کے بعض دشمن عناصر معصوم نوجوانوں کو اس نعرے سے گمراہ کرتے ہیں کہ پاکستان میں طاغوتی رائج ہے اور حکومت کا ڈھانچہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہے۔ یہ گمراہ کن فکر حقائق سے مطابقت نہیں رکھتی۔ قرارداد مقاصد جو کہ پاکستان کی اسلامی اور جمہوری شناخت کی بنیاد ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان کے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کا دساتیر میں اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سے متسادم کوئی قانون نہیں بنے گا۔

۷۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اور خلفائے راشدین کا دور یہ بتاتا ہے کہ جو کوئی فرد یا گروہ اسلامی ریاست کے خلاف فتنہ انگیزی کرے، اسلحہ اٹھائے، مسلح جدوجہد کرے یا ریاستی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے سے انکار تو وہ باغی ہے، وہ حربہ کے جرم کا ارتقاب کر رہا ہے اور محارب تصور ہو گا۔

۸۔ اس لیے تمام مسلمانوں پر بالعموم اور ریاست پاکستان کے باشندوں پر بالخصوص یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ریاست پاکستان کے خلاف اسلحہ اٹھانے والوں کے خلاف جدوجہد کریں۔

۹۔ مسلمان علماء اس بات پر متفق ہیں کہ معصوم اور نہتے شہریوں کو دہشت گردی کا شکار بنانا اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی ہے۔ علماء کی رائے میں اسلامی ریاست کی اجازت سے اس میں آنے والے غیر ملکی اور غیر مسلم سب معصوم شمار ہوں گے اور ایسے لوگوں کو تو دوران جنگ بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، پرامن حالات میں ان کو دہشت گردی کو ذریعے قتل کرنا بدرجہ اولی ممنوع ہے۔

۱۰۔ دہشت گردی اور خودکش حملوں کا اسلامی تاریخ میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اس طرح کے ظالمانہ اور غیر انسانی حملوں کا آغاز ۱۷۹۸ء میں انقلابِ فرانس کے مواقع پر ہوا، لیکن ۱۹۷۳ء میں بین الاقوامی قانون کی رو سے انہیں جرم قرار دے دیا گیا۔ علماء کی رائے میں دہشت گردی سے متعلقہ جرائم حرابہ ہیں اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں پر حرابہ کی سزا لاگو ہوگی۔

متفقہ قضایا

دہشت گردی اور خودکش حملوں سے پاکستان اور اہل پاکستان سخت بے چین اور لہولہان ہو رہے ہیں اور جن سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم متفقہ طور پر تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء اور مفتیان حضرات یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ:

ا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان آئینی و دستوری لحاظ سے ایک اسلامی ریاست ہے، جس کے دستور پر آغاز اس قومی و ملی میثاق قرارداد مقاصد سے ہوتا ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔ نیز دستور میں اس بات کا اقرار بھی موجود ہے کہ اس ملک میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

۲۔ متفقہ طور پر اسلام اور برداشت کے نام پر انتہا پسندانہ اور شدت پسندی کو مسترد کرتے ہیں۔ یہ فکری سوچ جس جگہ بھی ہو، ہماری دشمن ہے اور اس کے خلاف فکر و انتظامی جدوجہد دینی تقاضا ہے۔

۳۔ فرقہ وارانہ منافرت، مسلح فرقہ وارانہ تصادم اور طاقت کے بل پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش شریعت کو احکام کے منافی اور فساد فی الارض ہے، نیز اسلامی جمہوریت پاکستان کے دستور و قانون کی روح سے ایک قومی و ملی جرم ہے۔ اس لیے حکومت کے ادارے ایسی (منفی) سرگرمیوں کے سدِباب کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کریں۔

۴۔ پاکستان میں نفاذ شریعت کے نام پر طاقت کا استعمال، ریاست کے خلاف مسلح محاذ آرائی، تحریب و فساد اور دہشت گردی کی تمام صورتیں جن کا ہمارے ملک کو سامنا ہے اسلامی شریعت کی رو سے ممنوع اور قطعی حرام ہیں اور بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں اور ان کا تمام تر فائدہ اسلام اور ملک دشمن عناصر کو پہنچ رہا ہے۔

۵۔ پاکستان کے تمام مسلکوں اور مکاتب فکر کے نمائندے علماء شرعی دلائل کی روشنی میں اتفاق رائے سے خودکش حملوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور خودکش حملے کرنے والے۔ کروانے والے اور ان حملوں کی ترغیب دینے والے اور ان کے معاون پاکستانی اسلام کی رو سے باغی ہیں اور ریاست پاکستان شرعی طور پر اس قانونی کاروائی کی مجاز ہے، جو باغیوں کے خلاف کی جاتی ہے۔

۶۔ دینی شعائر اور نعروں کو نجی عسکری مقاصد اور مسلح طاقت کے حصول کے لیے استعمال کرنا قرآن و سنت کی رو سے درست نہیں۔

۷۔ جہاد کا وہ پہلو جس میں جنگ اور قتال شامل ہیں کو شروع کرنے کا اختیار صرف اسلامی ریاست کا ہے اور کسی شخص یا گروہ کو اس کا اختیار حاصل نہیں۔ کسی بھی فرد یا گروہ کے ایسے اقدامات کو ریاست کی حاکمیت میں دخل اندازی سمجھا جائے گا اور ان کے یہ اقدامات ریاست کے خلاف بغاوت تصور ہوں گے جو اسلامی تعلیمات کی رو سے سنگین اور واجب تعزیر جرم ہے۔

۸۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام شہری، دستوری و آئینی میثاق کے پابند ہیں، جس کی رو سے ان پر لازم قرار پاتا ہے کہ وہ بہر صورت حب الوطنی اور ملکی و قومی مفادات کا تحفظ پہلی ترجیح کے طور پر کریں اور اس پر کسی صورت آنچ نہ آنے دیں، ملک و قوم کے اجتماعی مفادت کسی بھی عنوان سے نظر انداز کرنے کی حکمت عملی اسلامی تعلیمات کی رو سے عہد شکنی قرار پاتی ہے، جو دینی نقطہ نظر سے سنگین جرم اور لائق تعزیر ہے۔

۹۔ ریاست پاکستان میں امن و سکون قائم کرنے اور دشمنان پاکستان کے خلاف جو جدوجہد کی تائید کرنی چاہیے۔[۱]

---

(۱) پیغام پاکستان، ص: ۴۸، ۴۷، ۴۶

نتائج، تجاویز و سفارشات

فہارس

فہرست آیات قرآنی

فہرست احادیث مبارکہ

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

نتائج

اس بحث اور تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ موجودہ غیر امنی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زبوں حالی کی بنیادی وجہ اخلاقی برائیوں کا پنپنا، عصبیتوں کا استحصال نہ کرنا، ایک دوسرے کو حقیر سمجھنا،، دین میں اختلافات کا پیدا ہونا، اور تحمل و برداشت کی کمی ہے۔

۲۔ غیر امنی سیاسی صورتحال کی بنیادی وجہ حکمرانوں کا اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہونا ہے۔

۳۔ اقتصادی زبوں حالی کی بنیادی وجہ صدقات انفاق سبیل اللہ کا کم ہونا، مقروض کا ہاتھ نہ بٹانا، فضول خرچی کرنا، اور اجرت روکنا شامل ہیں۔

۴۔ معاشرتی زبوں حالی کی وجوہات میں راست بازی، تعاون، عدل وانصاف، رحمت و شفقت اور رواداری کا نہ ہونا ہے۔

۵۔ پر امن معاشرے کے لیے امن کا قائم ہونا ناگزیر ہے۔ امن کے قائم ہونے سے پاکستان امن کا گہوارہ بنے گا اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرے کی تشکیل ہونے سے ایمان و اسلام کی عالمگیر دعوت کا علمبردار بنے گا۔

۶۔ اسلامی ریاست میں حدود و تعزیرات اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے آنحضرت ﷺ نے معاہدات اور داخلی حکمت عملی کے اصولوں کو مد نظر رکھا۔

۷۔ موجودہ حالات میں حکمرانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے: جس میں ملکی ذرائع وسائل سے فائدہ اٹھانا، بیرونی قوتوں کی دخل اندازی کو برداشت نہ کرنا، مشکل میں صبر سے کام لینا اور باہمی مفادات کی سیاست سے گریز کرنا شامل ہیں۔

۸۔ امن کی راہ میں حائل رکاوٹوں میں تعلیمی پالیسی کا متوازن نہ ہونا، مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کا نہ ہونا، گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کا ہونا اور معاشی استحصال کا تدارک نہ ہونا شامل ہیں

۹۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی میں (ابتدائی تعلیم، تعلیم بالغاں، انسانوں میں عدم تفریق، تعلیم میں اجارہ داری کا خاتمہ، تعلیم نسواں، تخصصات) شامل تھے۔ ان امور پر عمل کر کے امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ مثالی نظام وہی ہو گا جو پاکستان کے مسائل کے حل کے لئے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق ہو جس میں دین و علم کے مابین باہمی ربط، داخلی استحکام، نظام تعلیم کی یک جہتی، نصاب تعلیم قومی فکر کا آئینہ دار، تعلیمی معیار کی بہتری، مذہبی قیادت کو عصر حاضر کے تقاضوں کا شعور ہونا، علم اور لگن سے کام کرنا، بدعات سے اجتناب، فقہی فہم و فراست، مسلکی تعصب اور مناظروں سے اجتناب، باہمی رابطہ، نرمی، اور حسد و بغض سے ممانعت جیسے امور شامل ہوں۔

۱۱۔ گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کے حل کے لئے: حرص و بخل سے پرہیز، لغو قسم کے بیان سے پرہیز، شبہات سے بچنے کی تاکید، صاف گوئی، مصالحت کرنا، بدشگونی سے اجتناب، فتنہ و فساد سے پرہیز، باہمی امور میں حسن اخلاق، تواضع اور انکساری، صلح وصفائی، تعصب، عصبیت اور غیبت سے اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۱۲۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی امن کا عملی نمونہ تھی آپ ﷺ نے پر امن معاشرے کی بنیاد رکھ کر ثابت کیا کہ آپ ﷺ پر امن دین کے داعی ہیں۔

۱۳۔ معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے عدل و انصاف ضروری ہے نیز معافی کے رویے کو اختیار کرنے سے رواداری کو فروغ ملتا ہے۔

۱۴۔ معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں رہنے والے افراد ایک دوسرے کا احترام کریں اس سے مثبت رویوں کو فروغ ملے گا۔

۱۵۔ پاکستان چونکہ ایک اسلامی ریاست ہے اس لئے یہاں امن قائم کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جائیں گی ان کا براہ راست تعلق قرآن و حدیث سے ہو گا جن میں (راست بازی، تعاون، عدل وانصاف، رحمت و شفقت اور رواداری) شامل ہے۔

۱۶۔ پر امن رہنا ہر انسان کی فطری خواہش اور حق ہے اس لئے حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ رعایا کے لئے پر امن معاشرے کی فضا کو یقینی بنائے کیونکہ امن و سلامتی معاشرے کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر دنیاوی مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔

۱۷۔ پر امن معاشرہ وہی کہلائے گا جس میں معاشرے کے تمام افراد ذہنی سکون اور آزادی رائے کا حق رکھتے ہوں۔ زندگی کی تمام سہولیات کے ساتھ بلاخوف و خطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں۔

۱۸۔ تعلیمی اداروں میں امن نصاب پڑھانے سے طلباء میں رواداری اور برداشت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے احترام کے جذبے کو فروغ حاصل ہو گا۔ پر امن نصاب کی خصوصیات میں حب الوطنی، ایثار کا جذبہ پیدا کرنا اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا شامل ہے۔

۱۹۔ خطبہ حجتہ الوداع کے نقات کو ملک میں نافذ کرنے سے امن کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زیر سایہ تربیت پانے والے صحابہ کرام میں اخلاقی برائیوں، ناپسندیدہ عادتوں، مذموم صفات، شیطانی وسوسوں اور جاہل رسوم سے پاک صفات تھیں۔

۲۰۔ تعلیمی اداروں سے نہ صرف فرد کی تربیت و اصلاح ہوتی ہے بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح و تربیت ہوتی ہے جس میں نظام تعلیم، نصاب تعلیم، اور اساتذہ کا تعلیمی معیار شامل ہے۔

۲۱۔ آنحضرت ﷺ نے تمام عصبیتوں کا استحصال فرمایا۔ مسلکی تعصب کی وجہ سے ہم نے اپنی عقل کے زاویے خود متعین کر لئے ہیں اور اسی کے ذریعے دوسروں کو پرکھتے ہیں۔ مسلکی تعصب کی ایک بڑی وجہ جہالت اور تاریخی علوم سے لاعلمی ہے۔

۲۲۔ دین چونکہ امت کی بنیاد ہے اگر دین کو اس کے اصل مفاہیم کے ساتھ سمجھا اور عمل کیا جائے تو پھر امت کی وحدت کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ دین میں اختلافات پیدا کرنے سے امت بھی اختلافات کا شکار ہوتی ہے۔

۲۳۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس کے آجانے کے بعد اللہ نے تمام الہامی و غیر الہامی مذاہب کو منسوخ کر دیا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات حتمی اور قطعی ہیں۔ دین اسلام کے اصل تقاضا یہ ہیں کہ ہم اس عملی زندگیوں میں نافذ کریں۔

۲۴۔ مسلکی، لسانی، جغرافیائی ہم آہنگی ملک میں قیام امن کے لئے ضروری ہے اس سے اعلی اقدار کے پنپنے، صلہ رحمی، استحکام مملکت میں مدد ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو متحد رکھنے لئے ان میں باہمی ہمدردی اور یگانگت کو فروغ دیا۔ سابقہ انبیاء نے لسانی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کے احترام کا درس دیا۔

۲۵۔ مسلکی، لسانی، جغرافیائی تعصب ملکی فساد، حق سے محرومی، عصبیت، اختلافات، بد شگونی، قتل وغارت، قومیت پرستی، حسد، اور فتنے وفساد کا سبب بنتا ہے اس کے برعکس مذہبی، لسانی اور جغرافیائی تعصب کو اتحاد، تعاون، اصلاحی و تبلیغی عمل، عدل اجتماعی، رواداری، فراخدلی اور تقوی سے کم کیا جاسکتا ہے۔

۲۶۔ اسلامی نظام حکومت اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے دوسرے سیاسی نظاموں سے برتر ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے نااہل قیادت کو اقتدار کے ملنے کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے۔

حکمران کے لئے قرآن میں اہلیت کا معیار متقی و پرہیز گار ہونا، صالح ہونا، فہم و فراست کا ہونا، اور جسمانی طور پر صحت مند ہونا شامل ہے جبکہ خلیفہ کو دو صورتوں میں عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے:

ا۔ قرآن کے مطابق اہلیت نہ ہونا

ب۔ ذاتی وجوہات کی بناپر ذمہ داریاں نبھانے سے معذرت کرلے

۲۷۔ حکومت کا آزادانہ اداروں کے کردار میں اہم کردار ہے جن میں عدالتی و قانونی ادارے، اسلامی نظریاتی کونسل، پولیس کی کارکردگی کا جائزہ لینا اور محکمہ تعلیم شامل ہیں۔

۲۸۔ حکومت کو علاقائی حقوق کی محرومیاں ختم کرنے کے لئے وسائل کی تقسیم برابری کی بنیاد پر کرنی چاہیے۔

تجاویز و سفارشات

پاکستان میں امن کے قیام کے لئے تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی سطح پر سیرت طیبہ کی روشنی میں درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

ا۔ آنحضرت ﷺ نے معاشرتی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دوسرے سے حسد لالچ اور دھوکہ دہی کا معاملہ نہ رکھو کیونکہ یہ معاشرتی برائیاں معاشرے کے امن وسکون کو تباہ کر دیتی ہیں۔ پاکستان کو پر امن بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کو عملی نمونہ سمجھتے ہوئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی جائے۔

۲- تمام انسانوں کے مابین دو چیزیں مشترک ہیں اللہ کو ماننا اور آدم کی اولاد ہونا۔ چنانچہ زمین میں جتنے بھی انسان ہیں تمام اللہ کے پیدا کردہ ہی ہیں، اور رنگ ونسل اور شکل وزبان کا مختلف ہونا محض تعارف کے لئے ہے۔ کوئی ایک انسان دوسرے سے برتر نہیں ہو سکتا سوائے پرہیز گاری کے آپ ﷺ کے بدترین مخالفین بھی یہ بات مانتے ہیں کہ انہی چیزوں پر آنحضرت ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ معاشرتی امن کے لئے برابری کو فروغ دینا ہو گا۔

۳۔ مذہبی، مسلکی، لسانی، اور جغرافیائی ہم آہنگی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے لئے ملک کے تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ معاشرہ چونکہ افراد سے مل کر بنتا ہے اس لئے تمام افراد کو اپنے فرائض پوری ایمانداری سے سرانجام دینے چاہیں۔ ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کے ساتھ تحمل وبردباری سے پیش آئیں اور محبت واخوت اور رواداری کے رویے کو فروغ دیں۔ اسلامی ریاست کے داخلی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ حکومت اداروں کو آزادانہ کام کرنے دے کیونکہ جب تک ادارے اپنا کام صحیح طریقے سے انجام نہیں دیں گے ملک میں ترقی نہیں ہو سکے گی۔ حکومتی معاملات میں اپنے مفادات اور عزیز واقارب کو نفع پہنچانے سے بالاتر ہو کر امور سرانجام دینے چاہییں۔

۴۔ مسلمانوں کو اپنے تعلیمی نظام کو اس حد تک منظم کرنے کی ضرورت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ علم کے حصول کے لئے دوسری قومیں مستفید ہونے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں میں آئیں یہ اس وقت ممکن ہے جب ہماری قیادت اپنے اداروں کو آزادانہ کام کرنے دے۔ کسی بھی ملک کے قومی ادارے امن وامان قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ملک میں حکومتی اداروں پر حکومت کا پریشر نہیں ہونا چاہیے۔ حکومتی پریشر کی وجہ سے وہ اپنا کام صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتے کیونکہ حکمرانوں کو اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں وہ عوام کی ضروریات اور ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے

مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے حوالے حکومت کو سنجیدہ کوششیں کرنی چاہیں۔

۵- پاکستان چونکہ ایک اسلامی ریاست ہے اس لئے یہاں معاشرتی امن قائم کرنے کے لئے جو بھی تدابیر اختیار کی جائیں گی ان کا براہ راست تعلق قرآن و حدیث سے ہو گا انہی اصولوں پر جن میں (رواداری، راست بازی، تعاون، عدل و انصاف، رحمت و شفقت، شامل ہیں) پر عمل کر کے ملک کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین چونکہ انسانی فطرت کی نمائندگی کرتے ہیں اس لئے انسان کی عادات و اطوار کے سانچے میں آسانی سے ڈھل جاتے ہیں۔ پر امن رہنا ہر انسان کی فطری خواہش ہے لہذا حاکم وقت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ رعایا کے لئے پر امن معاشرے کی فضا کو یقینی بنائے۔

۶۔ متوازن تعلیمی پالیسی پاکستان میں امن کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ تعلیمی اداروں، اساتذہ اور تعلیمی ماہرین کا فرض ہے کہ وہ ایسا نصاب تشکیل دیں جس سے طلباء میں حب الوطنی کا جذبہ اور ذمہ دار شہری بننے کا شوق پیدا ہو، اس کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہ ہوں گے اور پر امن، صالح معاشرے کی بنیاد رکھنے کا سبب بنیں گے۔

۷۔ پاکستان میں امن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ صاحب اقتدار افراد ملک میں مذہبی امور کی مخلصانہ سرپرستی کریں۔ باصلاحیت اور قابل افراد کو مذہبی امور کی باگ ڈور کا منصب سونپیں اور وقتاً فوقتاً انکی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔ مذہبی منافرت اور انتشار پیدا کرنے والے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔ اس شعبے کو وسعت دے کر مزید اجتہادی عمل کو فروغ دیا جائے تاکہ موجودہ مسائل کو قرآن و سنت کے احکام و اصول کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے۔

۸۔ پر امن پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ گروہ اور تنظیمیں آپس کے اختلافات مل بیٹھ کر حل کریں۔ اس سلسلے میں بااثر جماعتوں اور گروہوں کے اعلیٰ عہدیداران کو ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام جھگڑوں اور باہمی نزاع کے معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کرنا چاہیے۔ اس سے پر امن معاشرے کی بنیاد پڑے گی اور معاشرے میں بدامنی کا انسداد ممکن ہو گا کیونکہ اگر ملک میں اندرونی انتشار ہو گا تو اغیار اور غیر ملکی ایجنڈے پر کام کرنے والی قوتیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک کو کمزور کریں گے۔

۹۔ حکمران طبقے کا اولین فرض ہے کہ ملک میں امن و امان کے قیام کے لیے اور معاشی استحصال کے تدارک کے لیے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں اور قرآنی احکامات کو عملی طور پر نافذ کریں۔ ملک میں امن اسی صورت میں ممکن ہے جب ملک میں معاشی توازن بر قرار رہے اور ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق معاشی

طور پر خود کفیل ہو، کوئی گروہ، طبقہ یا فرد دوسرے فرد، گروہ یا طبقے کا معاشی استحصال نہ کرے اور اپنے فرائض سے غفلت نہ برتے۔

۱۰-لوگوں میں مسلکی تعصب کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جہالت اور لاعلمی کو ختم کیا جائے اور تاریخی علوم سے واقفیت پیدا کی جائے۔

۱۱-دین چونکہ امت کی بنیاد ہے اس لئے اسے اصل مفاہیم کے ساتھ سمجھنا چاہیے اس سے امت کی وحدت کو برقرار رکھنے میں مدد ملے گی اور دین میں اختلاف پیدا نہیں ہوں گے۔

۱۲۔مذہبی، لسانی اور جغرافیائی ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے کہ اتحاد، تعاون، عدل اجتماعی، فراخدلی اور تقوی کو فروغ دیا جائے۔

۱۳۔ملک میں امن قائم کرنے کے لئے اہل قیادت کا ہونا ضروری ہے۔

۱۴-حکمران کو چاہیے کہ وہ ملکی ذرائع ووسائل سے فائدہ اٹھائیں، بیرونی قوتوں کی دخل اندازی کو برداشت نہ کریں، آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں اور باہمی مفادات کی سیاست سے گریز کریں۔

۱۵۔حکومت کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ملکی اداروں کو آزادانہ کام کرنے دے بصورت دیگر فتنہ وفساد پیدا ہو گا۔

۱۶۔حکومت کو علاقائی حقوق کی محرومیوں کو ختم کرنے اور وسائل کو برابر تقسیم کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہیں۔

۱۷۔پالیسی ساز اداروں کو آنحضرت ﷺ کی سیاسی، معاشی، اور تعلیمی پالسیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۱۸۔حکومت کو چاہیے کہ گروہوں اور تنظیموں کے اختلافات کو ختم کرنے، اور معاشی استحصال کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کریں جو کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں مرتب ہوں۔

فہرست آیات قرآنی

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱	﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱-۳	۳۳۴
۲	﴿مَآ اَفَاءَ اللّٰهُ---﴾	سورۃ البقرۃ	۷	۹۱
۳	﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۱	۸۹, ۱۴۹
۴	﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۳	۸۰
۵	﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ--﴾	سورۃ البقرۃ	۲۹	۲۸
۶	﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ---﴾	سورۃ البقرۃ	۸۵	۲۴۲, ۲۴۵
۷	﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۱۴	۱۲۱
۸	﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۴۲	۱۴۴
۹	﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ--﴾	سورۃ البقرۃ	۱۴۳	۱۲۸
۱۰	﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۷۷	۳۱۸
۱۱	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا--﴾	سورۃ البقرۃ	۱۷۸	۹۰
۱۲	﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۸۸	۱۹۲
۱۳	﴿وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ---﴾	سورۃ البقرۃ	۱۹۰	۲۳۱
۱۴	﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ--﴾	سورۃ البقرۃ	۱۹۱	۱۴۷
۱۵	﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾	سورۃ البقرۃ	۱۹۴	۱۷
۱۶	﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی---﴾	سورۃ البقرۃ	۲۰۱	۲۲۰
۱۷	﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۲۰۴	۱۴۹
۱۸	﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ--﴾	سورۃ البقرۃ	۲۰۵	۳۱
۱۹	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا--﴾	سورۃ البقرۃ	۲۰۸	۱۳, ۱۳۹
۲۰	﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ---﴾	سورۃ البقرۃ	۲۱۴	۲۲۸
۲۱	﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ---﴾	سورۃ البقرۃ	۲۱۵	۳۴۱, ۳۳۷
۲۲	﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾	سورۃ البقرۃ	۲۱۷	۱۴۷

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۲۳	﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا---﴾	سورة البقرة	۲۱۹	۳۴۲
۲۴	﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ--﴾	سورة البقرة	۲۴۷	۲۲۲
۲۵	﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا---﴾	سورة البقرة	۲۵۳	۳۰۰
۲۶	﴿فَمَن يَكفُر بِالطّاغوتِ---﴾	سورة البقرة	۲۵۶	۵۷, ۱۷۸
۲۷	﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ--﴾	سورة البقرة	۲۶۹	۱۴۴
۲۸	﴿وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا---﴾	سورة البقرة	۲۷۲	۲۰۹, ۳۳۷
۲۹	﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ---﴾	سورة البقرة	۲۷۴	۳۳۸
۳۰	﴿اِلَّآاَنتَكُونَتِجارَة---﴾	سورة البقرة	۲۸۲	۲۲۶
۳۱	﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۹	۱۳, ۱۶۰
۳۲	﴿قلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ المٰلكِ---﴾	سورة آل عمرآن	۲۶	۹۰
۳۳	﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ---﴾	سورة آل عمرآن	۳۱	۲۰
۳۴	﴿أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ---﴾	سورة آل عمرآن	۸۳	۱۶۶
۳۵	﴿وَاعْتَ□ِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۰۳	۵۷, ۱۷۲
۳۶	﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۰۴	۱۴۸, ۲۰۲
۳۷	﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۰۵	۱۵۱
۳۸	﴿كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۱۰	۸۱, ۱۲۹, ۲۰۲
۳۹	﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ--﴾	سورة آل عمرآن	۱۳۴	۲۰۶
۴۰	﴿وَأَنتُمُ الأَعلَونَ إِن---﴾	سورة آل عمرآن	۱۳۹	۲۰۴
۴۱	﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ--﴾	سورة آل عمرآن	۱۵۹	۱۰۰, ۱۷۶, ۲۰۷
۴۲	﴿إِنْ يَنْ□رْكُمُ اللّٰهُ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۶۰	۲۷۲
۴۳	﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي---﴾	سورة آل عمرآن	۱۶۴	۷۰
۴۴	﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ---﴾	سورة آل عمرآن	۱۸۰	۶۵
۴۵	﴿ياأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ---﴾	سورة النساء	۱	۱۵
۴۶	﴿ياأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا---﴾	سورة النساء	۲۹	۲۰۹

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۴۷	﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا---﴾	سورۃالنساء	۳۶	۵۶،۹۸،۲۱۰
۴۸	﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ---﴾	سورۃالنساء	۵۱	۱۶۱
۴۹	﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ ---﴾	سورۃالنساء	۵۸	۲۱۸،۲۶۰
۵۰	﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ ---﴾	سورۃالنساء	۸۳	۲۲۱
۵۱	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا---﴾	سورۃالنساء	۹۴	۳۶،۸۲
۵۲	﴿ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ--﴾	سورۃالنساء	۱۱۰	۳۴۳،۸۹
۵۳	﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ---﴾	سورۃالنساء	۱۱۶	۱۶۱
۵۴	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ---﴾	سورۃالنساء	۱۳۵	۶،۳۸،۳۳۳
۵۵	﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ---﴾	سورۃالنساء	۱۴۵	۱۴۹
۵۶	﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ ---﴾	سورۃالمائدۃ	۲	۶, ۳۴, ۸۵, ۱۱۰, ۱۳۴, ۳۰۰
۵۷	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا---﴾	سورۃالمائدۃ	۸	۳۸, ۲۰۵
۵۸	﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ---﴾	سورۃالمائدۃ	۳۲	۱۸
۵۹	﴿اِنَّمَا جَزٰؤُا الَّذِيْنَ---﴾	سورۃالمائدۃ	۳۳	۳۱, ۱۳۸, ۱۹۳
۶۰	﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ---﴾	سورۃالمائدۃ	۴۲	۲۰۵
۶۱	﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ---﴾	سورۃالمائدۃ	۴۸	۱۶۸, ۲۳۵, ۳۰۷
۶۲	﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ---﴾	سورۃالمائدۃ	۵۰	۲۳۵
۶۳	﴿وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَه ---﴾	سورۃالمائدۃ	۵۶	۲۵۶
۶۴	﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾	سورۃالمائدۃ	۹۳	۳۹
۶۵	﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ---﴾	سورۃالمائدۃ	۱۱۶	۴۹
۶۶	﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ---﴾	سورۃالانعام	۱۱	۵۳
۶۷	﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ﴾	سورۃالانعام	۴۸	۱۳۹
۶۸	﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ----﴾	سورۃالانعام	۵۲	۲۸۰
۶۹	﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ---﴾	سورۃالانعام	۸۱	۳

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۷۰	﴿الَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُواْ---﴾	سورۃ الانعام	۸۲	۳, ۱۷۱
۷۱	﴿وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِينَ---﴾	سورۃ الانعام	۱۰۸	۱۶, ۲۹۸
۷۲	﴿وَتَمَّت كَلِمَتُ رَبِّكَ---﴾	سورۃ الانعام	۱۱۵	۱۶۸
۷۳	﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ---﴾	سورۃ الانعام	۱۱۶	۲۲۷
۷۴	﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهدِيَه---﴾	سورۃ الانعام	۱۲۵	۱۰۶
۷۵	﴿وتوا حقه يوم حـ□اده﴾	سورۃ الانعام	۱۴۱	۳۴۳
۷۶	﴿وَلَا تَقْتُلُواالنَّفْسَ الَّتِيْ---﴾	سورۃ الانعام	۱۵۱	۱۴۰
۷۷	﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا---﴾	سورۃ الانعام	۱۵۲	۳۷
۷۸	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا---﴾	سورۃ الانعام	۱۶۰	۱۵۱
۷۹	﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِى الْأَرْضِ----﴾	سورۃ الاعراف	۱۰	۲۴۲, ۲۴۵
۸۰	﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا---﴾	سورۃ الاعراف	۳۱	۳۳۸
۸۱	﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾	سورۃ الاعراف	۳۱	۳۴۷
۸۲	﴿يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي---﴾	سورۃ الاعراف	۵۸	۱۸۲
۸۳	﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ---﴾	سورۃ الاعراف	۱۵۸	۱۶۳
۸۴	﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ----﴾	سورۃ الاعراف	۱۷۶	۱۴۱
۸۵	﴿فَمَثَلُه كَمَثَلِ الكَلبِ----﴾	سورۃ الاعراف	۱۷۶	۸۲
۸۶	﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا----﴾	سورۃ الاعراف	۱۷۹	۲۵۴
۸۷	﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا-----﴾	سورۃ الانفال	۱	۲۰۳, ۱۷۷
۸۸	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا----﴾	سورۃ الانفال	۲۰	۲۰
۸۹	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا-----﴾	سورۃ الانفال	۲۹	۴۹
۹۰	﴿وَلَا تَنازَعوا فَتَفشَلوا-----﴾	سورۃ الانفال	۴۶	۱۹۴
۹۱	﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ---﴾	سورۃ الانفال	۵۸	۲۴۹
۹۲	﴿وَ اَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم-----﴾	سورۃ الانفال	۶۰	۲۲۷
۹۳	﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ---﴾	سورۃ الانفال	۶۳	۶۱

صفحہ نمبر	آیت نمبر	سورۃ	آیت	نمبر شمار
۲۵	۷۳	سورۃالانفال	﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ---﴾	۹۴
۲۵	۳۳	سورۃالتوبہ	﴿لِیُظْھِرَہ عَلَی الدِّیْنِ----﴾	۹۵
۲۰۹, ۲۲۹	۳۴	سورۃالتوبہ	﴿وَالَّذِینَ یَکْنِزُونَ الذَّھَبَ---﴾	۹۶
۱۳۶	۱۰۳	سورۃالتوبہ	﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ-----﴾	۹۷
۲۳۷	۱۲۲	سورۃالتوبہ	﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ----﴾	۹۸
۱۴۳, ۲۷۵, ۲۹۸	۱۲۲	سورۃالتوبہ	﴿وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ----﴾	۹۹
۳۵, ۴۶	۱۲۸	سورۃالتوبہ	﴿عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا---﴾	۱۰۰
۴۷	۱۲۸	سورۃالتوبہ	﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾	۱۰۱
۱۶۹	۱۹	سورۃالیونس	﴿وَ مَا کَانَ النَّاسُ---﴾	۱۰۲
۱۰	۶۲	سورۃالیونس	﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِیَاء-----﴾	۱۰۳
۲۷۱	۹۸	سورۃالیونس	﴿فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ ---﴾	۱۰۴
۱۷	۹۹	سورۃالیونس	﴿وَلَوْ شَاء رَبُّکَ-----﴾	۱۰۵
۵۳, ۹۲	۱۰۱	سورۃالیونس	﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا---﴾	۱۰۶
۳	۱۱	سورۃالیوسف	﴿مَالَکَ لَا تَأْمَنَّا---﴾	۱۰۷
۵۳	۱۱	سورۃالرعد	﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ---﴾	۱۰۸
۶۷	۲۲	سورۃالرعد	﴿وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ---﴾	۱۰۹
۴	۲۷	سورۃالرعد	﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ----﴾	۱۱۰
۱۸۰, ۲۶۷	۴	سورۃالابراھیم	﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ---﴾	۱۱۱
۷۸	۳۵	سورۃالابراھیم	﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ---﴾	۱۱۲
۱۶۸	۹	سورۃالحجر	﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ---﴾	۱۱۳
۱۹	۲۵	سورۃالنحل	﴿وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِینَ---﴾	۱۱۴
۲۳۶	۴۳	سورۃالنحل	﴿فَاسْأَلُوْا أَھْلَ الذِّکْرِ---﴾	۱۱۵
۱۸۱	۸۱	سورۃالنحل	﴿وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیلَ----﴾	۱۱۶

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۱۷	﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ-----﴾	سورۃالنحل	۹۰	۳۷, ۹۸
۱۱۸	﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ-------﴾	سورۃالنحل	۱۲۵	۲۱, ۱۲۸
۱۱۹	﴿وَيَدعُ الاِنسَانُ بِالشَّرِ---﴾	سورۃبنی اسرائیل	۱۱	۸۲
۱۲۰	﴿وَلَا تَقرَبُوا مَالَ اليَتِيمِ-----﴾	سورۃبنی اسرائیل	۳۴	۸۳, ۱۰۷
۱۲۱	﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ---﴾	سورۃبنی اسرائیل	۳۶	۸۳
۱۲۲	﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي...﴾	سورۃبنی اسرائیل	۷۰	۲۷, ۹۷
۱۲۳	﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ--- ﴾	سورۃالکھف	۱۰۴	۳۱۰
۱۲۴	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا---﴾	سورۃالکھف	۱۰۷-۱۰۸	۱۳۵
۱۲۵	﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي-----﴾	سورۃطٰہٰ	۱۲۳-۱۲۴	۲۵۵
۱۲۶	﴿لَوكَانَ فِيهِمَآ-----﴾	سورۃالانبیاء	۲۲	۸۷
۱۲۷	﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ-- ﴾	سورۃالانبیاء	۱۰۵	۲۲۱
۱۲۸	﴿وَمَاارْسَلْنٰكَ---﴾	سورۃالانبیاء	۱۰۷	۳۵, ٦۷, ۱۵۹
۱۲۹	﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ--﴾	سورۃالحج	۴۱	۲۱۵, ۲۲۱
۱۳۰	﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ---﴾	سورۃالحج	۴٦	۵۳
۱۳۱	﴿وَجَاهِدُوافِی اللّٰہِ---﴾	سورۃالحج	۷۸	۲۹۴
۱۳۲	﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ---﴾	سورۃالمومنون	۱-۳	۳۱۹
۱۳۳	﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ---﴾	سورۃالنور	۱۹	۳۰
۱۳۴	﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَ[illegible]فَحُوْا---﴾	سورۃالنور	۲۲	۱۳۱
۱۳۵	﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ---﴾	سورۃالنور	۳۲	۷۳
۱۳٦	﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا---﴾	سورۃالنور	۵۵	۲۲۰
۱۳۷	﴿وَ مَن لَّمْ يَجعَلِ اللّٰهُ---﴾	سورۃالنور	۴۰	۲۴۱
۱۳۸	﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ---﴾	سورۃالفرقان	٦۳-٦۴	۳۱۹
۱۳۹	﴿وَالَّذِيْنَ اِذَاَانْفَقُوْا لَمْ---﴾	سورۃالفرقان	٦۷	۳۴۰

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۴۰	﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ---﴾	سورۃالشعراء	۲۱۴	۶۴
۱۴۱	﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ----﴾	سورۃالشعراء	۲۱۵	۱۱۴
۱۴۲	﴿فَمَنِ اهتَدٰى فَاِنَّمَا---﴾	سورۃالنمل	۹۲	۸۸
۱۴۳	﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ---﴾	سورۃالقصص	۲۶	۲۶۲
۱۴۴	﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ---﴾	سورۃالقصص	۸۳	۳۲۰
۱۴۵	﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ---﴾	سورۃالعنکبوت	۶	۹۹
۱۴۶	﴿وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ---﴾	سورۃالعنکبوت	۴۶	۵۸, ۲۰۸
۱۴۷	﴿وَمِنْ اٰيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ---﴾	سورۃالروم	۲۲	۱۵۷, ۱۷۸, ۲۶۷
۱۴۸	﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ---﴾	سورۃالروم	۴۱	۱۸۵, ۲۲۵
۱۴۹	﴿وَلَا تُ□عِّرْ خَدَّكَ---﴾	سورۃاللقمان	۱۸	۱۱
۱۵۰	﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ---﴾	سورۃالاحزاب	۲۱	۱۹, ۶۷
۱۵۱	﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ---﴾	سورۃالاحزاب	۳۶	۸۷
۱۵۲	﴿ما كَانَ مُحَمَّدٌ أَبا أَحَدٍ---﴾	سورۃالاحزاب	۴۰	۱۶۷
۱۵۳	﴿وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ---﴾	سورۃالاحزاب	۴۸	۲۲۷
۱۵۴	﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ---﴾	سورۃالفاطر	۲۸	۱۲۹
۱۵۵	﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾	سورۃالفاطر	۴۴	۹۲
۱۵۶	﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ﴾	سورۃالزمر	۹	۱۰۷
۱۵۷	﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ---﴾	سورۃالزمر	۳۸	۵۲
۱۵۸	﴿وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾	سورۃالمومن	۲۰	۲۰۴
۱۵۹	﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ---﴾	سورۃالمومن	۳۸	۵۱, ۱۴۲
۱۶۰	﴿اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ---﴾	سورۃالفصلت	۶	۴۴
۱۶۱	﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾	سورۃالفصلت	۳۴	۳۹
۱۶۲	﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ----﴾	سورۃالفصلت	۵۳	۲۷۶

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۶۳	﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ---﴾	سورۃالشوری	۳	۱۹۸
۱۶۴	﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ---﴾	سورۃالشوری	۱۳	۱۵۰
۱۶۵	﴿وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ----﴾	سورۃالشوری	۱۴	۱۵۰
۱۶۶	﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ---﴾	سورۃالشوری	۱۵	۵۷, ۲۰۵
۱۶۷	﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ---﴾	سورۃالشوری	۳۸	۷۴
۱۶۸	﴿اِنَّه لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ----﴾	سورۃالشوری	۳۹-۴۰	۴۰, ۳۲۷
۱۶۹	﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ---﴾	سورۃالشوری	۴۰	۶۷, ۲۰۳
۱۷۰	﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ----﴾	سورۃالشوری	۴۳	۱۷
۱۷۱	﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ----﴾	سورۃالشوری	۵۲	۲۸۴
۱۷۲	﴿اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ----﴾	سورۃالزخرف	۶۷-۶۸	۳۱۳
۱۷۳	﴿قُلْ ما كُنْتُ بِدْعاً----﴾	سورۃالاحقاف	۹	۱۶۳
۱۷۴	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا----﴾	سورۃالاحقاف	۱۳	۴۳
۱۷۵	﴿يا أَيُّها الَّذينَ آمَنوا----﴾	سورۃ محمد	۷	۲۹۳, ۲۰۴
۱۷۶	﴿اذ جعل الذين كفروا---﴾	سورۃالفتح	۲۶	۱۵۷
۱۷۷	﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ----﴾	سورۃالفتح	۲۷	۶۲
۱۷۸	﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ----﴾	سورۃالفتح	۲۹	۴۷
۱۷۹	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا---﴾	سورۃالحجرات	۶	۳۲
۱۸۰	﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ---﴾	سورۃالحجرات	۷	۱۱۶
۱۸۱	﴿وَاِنْ □ابِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ---﴾	سورۃالحجرات	۹-۱۰	۲۰۳, ۳۳۰
۱۸۲	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا----﴾	سورۃالحجرات	۱۱	۸۴, ۳۲۹
۱۸۳	﴿يا أَيُّها الَّذينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا---﴾	سورۃالحجرات	۱۲	۱۸۶
۱۸۴	﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ---﴾	سورۃالحجرات	۱۳	۱۳, ۲۶, ۱۸۷
۱۸۵	﴿إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَاللّٰهِ---﴾	سورۃالحجرات	۱۳	۲۱۹
۱۸۶	﴿وَجَعَلْناكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبائِلَ---﴾	سورۃالحجرات	۱۳	۲۶۷

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۸۷	﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ---﴾	سورۃق	۱۶	۱۲۰
۱۸۸	﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ---﴾	سورۃالذاریات	۱۹	۳۴۱
۱۸۹	﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ---﴾	سورۃالذاریات	۵۶	۲۸۵
۱۹۰	﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ---﴾	سورۃالطور	۲۸	۵۱
۱۹۱	﴿فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى----﴾	سورۃالنجم	۳۰	۷۹, ۲۴۱
۱۹۲	﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ---﴾	سورۃالنجم	۳۹	۳۴۸
۱۹۳	﴿هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ---﴾	سورۃالرحمن	۶۰	۳۹
۱۹۴	﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ----﴾	سورۃالحدید	۹	۱۶۷
۱۹۵	﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ---﴾	سورۃالحدید	۲۳	۲۱۰
۱۹۶	﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا---﴾	سورۃالحدید	۲۵	۳۰
۱۹۷	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا---﴾	سورۃالمجادلہ	۹	۳۱۶
۱۹۸	﴿أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ---﴾	سورۃالمجادلہ	۲۲	۳۱۷
۱۹۹	﴿كَيْ لَا يَكُونَ----﴾	سورۃالحشر	۷	۲۱, ۳۴۶
۲۰۰	﴿ وَمَااٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ----﴾	سورۃالحشر	۷	۳۶
۲۰۱	﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ---﴾	سورۃالحشر	۹	۴۵
۲۰۲	﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِي----﴾	سورۃالحشر	۲۳	۱۵
۲۰۳	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا----﴾	سورۃالصف	۲-۳	۲۲, ۱۳۰
۲۰۴	﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّنَ---﴾	سورۃالصف	۲	۱۲۹
۲۰۵	﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّنَ﴾	سورۃالجمعہ	۲	۱۴۳
۲۰۶	﴿فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ-----﴾	سورۃالتغابن	۸	۱۲
۲۰۷	﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ---﴾	سورۃالتغابن	۱۶	۱۳۵
۲۰۸	﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ---﴾	سورۃالطلاق	۳	۳۰۸
۲۰۹	﴿يٰاَيُّهَا الَّذيْنَ اٰمَنُوْا---﴾	سورۃالتحریم	۶	۲۷۷
۲۱۰	﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾	سورۃالقلم	۴	۵۴

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۲۱۱	﴿۞وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ---۞﴾	سورۃالقلم	۱۰-۱۱	۳۱۷
۲۱۲	﴿۞وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ----۞﴾	سورۃالمعارج	۲۴	۳۴۳
۲۱۳	﴿۞أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ----۞﴾	سورۃالفجر	۶-۱۲	۱۲
۲۱۴	﴿۞وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُه۞﴾	سورۃاللیل	۶-۷	۵۰
۲۱۵	﴿۞لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ--۞﴾	سورۃالتین	۴	۲۸
۲۱۶	﴿۞اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي--۞﴾	سورۃالعلق	۱-۸	۷۹
۲۱۷	﴿۞كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ---۞﴾	سورۃالعلق	۶-۸	۱۱
۲۱۸	﴿۞رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۞﴾	سورۃالبینہ	۸	۱۰
۲۱۹	﴿۞فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْت۞﴾	سورۃالقریش	۳	۳۰۶
۲۲۰	﴿۞الَّذِي أَ□عَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ۞﴾	سورۃالقریش	۴	۴۳
۲۲۱	﴿۞اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ--۞﴾	سورۃالماعون	۱-۷	۳۳۶
۲۲۲	﴿۞لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۞﴾	سورۃالکافرون	۶	۶۰
۲۲۳	﴿۞وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ--۞﴾	سورۃالنصر	۲	۷
۲۲۴	﴿۞قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۞﴾	سورۃالاخلاص	۱	۲۵

فہرست احادیث مبارکہ

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

عربی کتب

۱) القرآن

۲) احکام القرآن، ابو بکر احمد بن علی الرازی (وفات: ۳۷۰ھ)، المطبعۃ البہیۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۳) احیاء علوم الدین، الغزالی، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۸ھ

۴) ادب الدنیا والدین، ابو الحسن علی البغدادی، ماوردی (وفات: ۴۵۰ھ)، دار مکتبہ الحیاۃ ۱۹۸۶ء

۵) اساس البلاغۃ، زمخشری، ابو القاسم، محمود بن عمرو جار اللہ، دار الفکر، ۱۹۷۹ء

۶) اعلام الموقعین عن رب العالمین، شمس الدین محمد بن قیم، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

۷) الاحکام السلطانیہ، امام ابو الحسن علی بن الماوردی، ترجمہ: مولوی سید محمد ابراہیم، قانونی کتب خانہ، کچہری روڈ، لاہور

۸) الاحکام السلطانیہ، المطبعہ المحمودیہ التجاریہ، مصر

۹) الادب المفرد، محمد بن اسماعیل، ابو عبد اللہ (وفات: ۲۵۶ھ)، محقق: محمد فواد عبد الباقی، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۹ھ

۱۰) الاعلام، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الزرکلی الدمشقی (وفات: ۱۳۹۶ھ)، دار العلم للملایین، بیروت، طبع عشر، ۲۰۰۲ء

۱۱) التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، دمشق، مکتبہ الغزالی

۱۲) التربیت الاسلامیہ ومراحل النمو، عباس محجوب، باب مرحلہ البلوغ، الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۱ھ

۱۳) الترغیب والترھیب، عبد العظیم بن عبد القوي بن عبد اللہ، (وفات: ۶۵۶ھ)، محقق: ابراھیم شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ

۱۴) الجامع لاحکام القرآن، تفسیر القرطبي، ابو عبد اللہ محمد بن احمد (وفات: ۶۷۱ھ)، تحقیق: احمد البردونی وابراھیم اطفیش، دار الکتب المصریۃ، القاھرۃ، طبع دوم، ۱۳۸۴ھ

۱۵) الحسبۃ فی الاسلام، او وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ، ابن تیمیۃ، دار الکتب العلمیۃ، طبع اول

۱۶) الخراج، ابو زکریاء یحیی بن آدم بن سلیمان القرشی (وفات: ۲۰۳ھ)، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتھا، طبع دوم، ۱۳۸۴ھ

۱۷) الدر المنثور، جلال الدین سیوطی، دار الفکر، بیروت

۱۸) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، مولانا محمد عاقل، مکتبہ الشیخ ۳/۴۴۵ بہادر آباد، کراچی ۵

۱۹) الروض الدانی (المعجم الصغیر)، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی، ابو القاسم الطبرانی، محقق: محمد شکور محمود الحاج امریر، المکتب الاسلامی، دار عمار، بیروت، عمان، طبع اول، ۱۹۸۵ء

۲۰) الذریعة الی مکارم الشریعة، ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفھانی (وفات: ۵۰۲ھ)، تحقیق: ابو الیزید ابو زید العجمی، دار السلام، القاھرۃ، ۲۰۰۷ء

۲۱) السیرۃ النبویة، ابن ھشام، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء

۲۲) السیرۃ النبویة، ابن ھشام، دار الجبل، بیروت

۲۳) السیرۃ النبویة، موسی بن راشد العازمی، مکتبہ الکویت

۲۴) السنن والمبتدعات المتعلقة بالاذکار والصلوات، محمد بن احمد عبد السلام خضر الشقیری الحوامدی، (وفات: ۱۳۵۲ھ)، دار الفکر، بیروت

۲۵) السیاسة الشرعیة، تقی الدین محمد ابن تیمیة الحرانی الحنبلی الدمشقی (وفات: ۷۲۸ھ)، وزارۃ الشون الاسلامیة والاوقاف والدعوۃ والارشاد، المملکة العربیة السعودیة، طبع اول، ۱۴۱۸ھ

۲۶) السلسلہ الحدیث الصحیحہ، محمد ناصر الدین البانی، ترجمہ: ابو الحسن عبد المنان راسخ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۹ء

۲۷) السنن الکبری للبیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء

۲۸) الشمائل، محمد بن عیسی ترمذی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

۲۹) الصدیق ابو بکرؓ، ہیکل، محمد حسین، دار التراث بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۰) الطبقات الکبری، ابن سعد (وفات: ۲۳۰ھ)، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۰ھ

۳۱) الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، محمد بن ابی بکر ابن قیم، مطبع السنہ المحمدیة، قاہرہ، ۱۹۵۳ء

۳۲) القاموس الجدید (عربی-اردو لغت)، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی، ادارہ اسلامیات، لاہور

۳۳) المبسوط، محمد بن احمد بن ابی سھل شمس الائمة السرخسی، (وفات: ۴۸۳ھ)، دار المعرفة، بیروت، ۱۹۹۳ء

۳۴) المبسوط، مطبعة السعادۃ، مصر، ۱۳۳۱ھ

۳۵) المجالس الوعظیة فی شرح احادیث خیر البریة ﷺ من صحیح الامام البخاری، شمس الدین محمد بن عمر الشافعی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء

۳۶) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، مکتبہ النھضة، بغداد، طبع اول، ۱۹۷۱ء

۳۷) المستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ، النیسابوری المعروف بابن البیع (وفات: ۴۰۵ھ)، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۱ھ

۳۸) المعتصر من المختصر من مشكل الاثار، یوسف بن موسی بن محمد، ابو المحاسن جمال الدینوالملطی الحنفی (وفات: ۸۰۳ھ)، عالم الکتب، بیروت

۳۹) المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد ابو القاسم الطبرانی (وفات: ۳۶۰ھ)، محقق: حمدي بن عبد المجید السلفی، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ، طبع دوم

۴۰) المورد، قاموس، عربي-انکلیزی، الدکتور روحی البعلبکی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان

۴۱) المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والاثار، تقی الدین ابو العباس احمد بن علی المقریزی، مصر، ۱۲۷۰ھ

۴۲) المعجم الوسیط، مجموعہ علماء، دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۹ء

۴۳) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابوعبید، القاسم بن سلام البغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد، ۱۹۶۴ء

۴۴) بھجۃ النفوس وتحلیھا بمعرفۃ مالھا وماعلیہ، امام ابن ابی جمرۃ الاندلسی ط، دار الجلیل بیروت، طبع دوم، ۱۹۷۹ء

۴۵) تاج العروس، الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء

۴۶) تاریخ الخلفاء، السیوطی، تحقیق: حمدی الدمرداش، مکتبہ نزاد مصطفی الباز، طبع اول، ۲۰۰۴ء

۴۷) تاریخ بغداد وذیولہ، ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (وفات: ۴۶۳ھ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، دراسۃ وتحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، طبع اول، ۱۴۱۷ھ

۴۸) تاریخ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، مؤسسہ العلمی للمطبوعات

۴۹) تبیین الحقائق، علامی زیلعی الحنفی، مطبعۃ الکبری الامیریۃ، مصر

۵۰) تفسیر الخازن، ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم، الخازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، موقع التفاسیر

۵۱) تفسیر ابن کثیر، محقق: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب، منشورات محمد علی بیضون، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ

۵۲) تفسیر ابن کثیر، محقق: سامی بن محمد سلامۃ، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، طبع دوم، ۱۴۲۰ھ

۵۳) جامع البیان في تاویل القرآن، محمد بن جریر ابو جعفر الطبری، محقق: احمد محمد شاکر، موسسۃ الرسالۃ، طبع اول، ۱۴۲۰ھ

۵۴) جامع ترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر، محمد فواد عبد الباقی، ابراھیم عطوۃ عوض المدرس فی الازھر الشریف، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع دوم، ۱۳۹۵ھ

۵۵) جامع مسند، دار طوق النجاۃ، بیروت

۵۶) جمع الفوائد، شیخ محمد بن محمد بن سلیمان، المکتبۃ الاسلامیۃ، فیصل آباد

۵۷) حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، نور محمد اصح المطابع

۵۸) حقوق الانسان: مفهومہ وتطبیقاتہ فی القرآن الکریم، یحیی بن محمد حسن زمزمي، بحث مقدّم الی مؤتمر "حقوق الانسان في السلم

۵۹) الالبانی، المکتب الاسلامي، بیروت، طبع سوم، ۱۹۸۵ء

۶۰) حیات محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل، مطبع النہضۃ العصریۃ مصر، ۱۹۴۸ء

۶۱) روح المعانی، آلوسی بغدادی، داراحیاالتراث العربی، بیروت

۶۲) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، شھاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الالوسی، محقق: علی عبد الباری عطیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۵ھ

۶۳) روح المعانی، آلوسی بغدادی، داراحیاالتراث العربی، بیروت

۶۴) سنن ابن ماجہ، ابوعبد اللہ، ابن ماجہ، لاہور، ۱۹۸۲ء

۶۵) سنن ابوداؤد، (ترجمہ: ابوعمار عمر فاروق سعیدی)، مکتبہ دارالسلام، الریاض، ۱۴۲۷ھ

۶۶) سنن ابوداؤد، تخریج: ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار، مؤسسۃ دار الدعوۃ التعلیمیۃ الخیریۃ

۶۷) سیر اعلام النبلاء، الذہبی، موسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۱ء

۶۸) شعب الایمان، عمر بن عبد الرحمن (وفات: ۶۹۹ھ)، محقق (عبد القادر الرناؤوط)، دار ابن کثیر، دمشق

۶۹) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل (وفات: ۲۵۶ھ)، بخاری، (تحقیق: محمد زھیر بن ناصر)، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء

۷۰) صحیح مسلم، تحقیق الشیخ محمد فواد عبد الباقی، رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء الدعوۃ السعودیہ، ۱۴۰۰ھ

۷۱) طبقات الکبری، ابن سعد، ابوعبد اللہ محمد البصری، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۹ھ

۷۲) عمدۃ القاری، علامہ بدر الدین العینی، دار الفکر، بیروت

۷۳) فتاوی عالمگیری، لجنۃ علماء سندھ وہند، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ

۷۴) فتح القدیر، محمد بن علی شوکانی، مصطفی البابی الہلبی، مصر، ۱۳۴۹ھ

۷۵) فقہ السنۃ، سید سابق (وفات: ۱۴۲۰ھ)، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، طبع سوم، ۱۳۹۷ھ

۷۶) فتح الباری، شہاب الدین احمد، ابن حجر، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء

۷۷) فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۷ھ

۷۸) فجر الاسلام، ڈاکٹر احمد امین، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۶۹ء

۷۹) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، زین الدین محمد المدعوب عبد الرؤف القاهري (وفات: ۱۰۳۱ھ)، المکتبة التجاریة الکبری، مصر، طبع اول، ۱۳۵۶ء

۸۰) کتاب الخراج، امام یحی بن آدم، المکتبة العلمیة، لاہور

۸۱) کتاب الخراج، امام ابو یوسف، المکتبة السلفیة، قاہرہ، مصر

۸۲) کنز العمال في سنن الاقوال والافعال، علاء الدین علی الشهیر بالمتقی الهندی (وفات: ۹۷۵ھ)، محقق: بکری حیانی، صفوة السقا، مؤسسة الرسالة، طبع پنجم، ۱۰۴۱ھ

۸۳) مجمع الزوائد، نور الدین علی بن ابی کرم الهیثمی، موسسة المعارف، بیروت، ۱۴۰۶ھ

۸۴) مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر، المکتبة العصریة، الدار النموذجیة، بیروت، صیدا، ۱۹۹۹ء

۸۵) مدخل لدراسة العقیدة الاسلامیة، عثمان جمعة ضمیریة، مکتبة السوادی للتوزیع، طبع دوم، ۱۴۱۷ھ

۸۶) مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، علامہ ملا علی القاری، تحقیق: صدیقی محمد جمیل عطار، لمکتبہ التجاریہ مکة المکرمة

۸۷) مسند احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ احمد، حنبل، عالم الکتب، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۹ء

۸۸) مسند امام احمد بن حنبل، موسة الرسالہ، ۱۹۹۹ء

۸۹) مسند احمد، احمد بن حنبل، مکتبہ اسلامی، بیروت، ۱۳۷۸ء

۹۰) مسند احمد بن حنبل، قاہرہ، ۱۹۴۹ء

۹۱) مسند الامام احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن اسد الشیباني (وفات: ۲۴۱ھ)، محقق: شعیب الارنوط، عادل مرشد، موسسة الرسالة، طبع اول، ۱۴۲۱ھ

۹۲) مشکوة المصابیح، محمد بن عبد اللہ الخطیب العمري، ابو عبد اللہ، ولی الدین، التبریزی (وفات: ۷۴۱ھ)، منشورات مکتب الاسلامی، ۱۹۶۱ء

۹۳) مشکوة المصابیح، محقق: محمد ناصر الدین الالبانی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۹۵۸ء

۹۴) معجم الادباء ارشاد الاریب الی معرفة الادیب، شهاب الدین ابو عبد اللہ الحموی (وفات: ۶۲۶ھ)، محقق: احسان عباس، دار الغرب الاسلامی، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۴ھ)

۹۵) معجم الطبرانی اوسط، طبرانی، معارف

۹۶) معرفة القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، الذہبی (وفات: ۷۴۸ھ)، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۴۱۷ھ

۹۷) مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج، شمس الدین، (وفات: ۹۷۷ھ)، دار الکتب العلمیة، طبع اول، ۱۴۱۵ھ

۹۸) مفردات القرآن، اصفہانی، راغب، الحسین بن محمد، دار الکتاب العربی، بیروت

۹۹) مفردات القرآن، اصفہانی، راغب، الحسین بن محمد:، مکتبہ قاسمیہ: لاہور، ۱۹۶۳ء
۱۰۰) مقدمۃ ابن خلدون، عبد الرحمن، مطبعۃ الجنۃ البیان العربی، ۱۹۶۷ء
۱۰۱) من فقہ الدولۃ فی الاسلام،: مکانتہا۔ معالمہا۔ طبیعتہا۔ موقفہا۔ من الدیموقراطیہ والتعددیہ والمرآۃ وغیر المسلمین، یوسف القرضاوی، دار الشروق القاھرۃ، مصر، طبع پنجم، ۲۰۰۷ء
۱۰۲) نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ جمال الدین ابو محمد الزیلعی محقق: محمد عوامۃ، موسسۃ الریان، بیروت لبنان، طبع اول، ۱۴۱۸ھ
۱۰۳) نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخبار، محمد بن علی شوکانی، مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ

اردو کتب

۱) اتحاد امت اور نظم جماعت، میاں محمد جمیل، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۱ء
۲) احکام القرآن، مولانا محمد شفیع صاحب، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی
۳) احیاعلوم الدین، امام غزالی، مکتبہ المدینہ، باب المدینہ، کراچی، ۲۰۱۳ء
۴) احیائے اسلام اور معلم، خرم جاہ مراد، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، ۸: اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور، ۱۹۸۵ء
۵) ادھار کے معاملات، محمد بن صالح العثیمین، ترجمہ: حافظ احمد حماد، محمد سرور عاصم، ۲۰۰۹ء
۶) اسلام اور جدید افکار، ڈاکٹر سید تنویر بخاری، پروفیسر حمید اللہ جمیل، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور
۷) اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار، ایس-ایم-شاہد، ایورنیو بک پیلس، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور
۸) اسلام اور معاشی تحفظ، یوسف القرضاوی، ترجمہ: عبد الحمید صدیقی، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۸ء
۹) اسلامی تحریک درپیش چیلنج، پروفیسر خورشید احمد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۵۵ء
۱۰) اسلامی حکمت تعلیم، ڈاکٹر مشتاق الرحمن صدیقی، شمس الاسلام، بھیرہ، ۱۹۸۰ء
۱۱) اسلامی حکومت کا فلاحی تصور، مولانا سعید الرحمان علوی، مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۰۳ء
۱۲) اسلامی قانون کی تدوین، مولانا امین احسن اصلاحی، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء
۱۳) اسلامی نظام ایک فریضہ – ایک ضرورت، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ترجمہ محمد طفیل انصاری، عبد الحفیظ احمد، لاہور، ۱۹۹۳ء
۱۴) اسلامی نظام تعلیم، سید ریاست علی ندوی، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، جنوری، ۲۰۰۳ء
۱۵) اسلامی نظام تعلیم، ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آبا، ۲۰۰۱ء

۱۶) اسلامی ریاست، فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، سید ابو الاعلیٰ مودودی، مرتبہ: خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور
۱۷) اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، سید عبد الرحمن بخاری، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور
۱۸) اسلام کا معاشرتی نظام، پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی، المکتبۃ العلمیۃ، ۱۹۶۸ء
۱۹) اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، مکتبہ العلمیہ، ۱۹۹۱ء
۲۰) اسلامی ریاست میں علاقائی حقوق کا تصور، پروفیسر عبد الخالق سہریانی بلوچ، مکتبہ اصلاح ملت کندھ کوٹ، ۱۹۹۰ء
۲۱) اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول، محمد اسد، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، محمد ریاض درانی، ۲۰۰۶ء
۲۲) اسلام کا نظام حکومت، مولانا حامد انصاری غازی، مکتبۃ الحسن ۲۹/ ۹ لال چوک سٹریٹ عبد الکریم روڈ قلعہ گجر سنگھ، لاہور
۲۳) اسلام کا نظریہ امن و سلامتی، ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی، ابو مومن منصور احمد، دار السلام، لاہور
۲۴) اسلام اور جدید سیاسی و عمرانی افکار، ایس۔ ایم۔ شاہد، ایور نیو بک پیلس، سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور
۲۵) الفاروق، مولانا شبلی نعمانی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
۲۶) الفاروق، شبلی نعمانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
۲۷) امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں، حاجی غلام احمد چوہدری، اقبال پبلشنگ کمپنی، لاہور، ۱۹۹۹ء
۲۸) آنحضرت ﷺ پیغمبر امن و سلامتی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، شعبہ عربی گورنمنٹ کالج، فیصل آباد، ۱۹۹۸ء
۲۹) آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد، پروفیسر رب نواز، ادارہ تعلیمی تحقیق، ۳- بہاول شیر روڈ، مزنگ، لاہور، ۲۰۰۱ء
۳۰) بلوچستان کے تعلیمی ادارے اور نظم و ضبط کے چند پہلو، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی، ۱۹۸۴ء
۳۱) پاکستان کی سیاسی جماعتیں، پروفیسر محمد عثمان، مسعود اشعر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
۳۲) پیغمبر امن، حمید اللہ، عبد القادر، ڈاکٹر، دار السلام، لاہور
۳۳) پیغمبر انقلاب، مولانا وحید الدین، المکتبۃ الاشرافیۃ، جامع اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء
۳۴) تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۱ء
۳۵) تعلیمات نبوی اور آج کے زندہ مسائل، سید عزیز الرحمن، القلم- فرحان ٹیرس، ناظم آباد نمبر ۲- کراچی، ۲۰۰۵ء

۳۶) تعلیمی ادارے اور کردار سازی، ڈاکٹر محمد امین، عزیز بک ڈپو، چوک اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۷ء
۳۷) تفسیر ابن کثیر، سہیل اکیڈمی، لاہور
۳۸) تفسیر قرطبی، (ترجمہ: حافظ اکرام الحق یسین)، شریعہ اکیڈمی، بین الاقومی اسلامی، یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
۳۹) تفسیر معارف القرآن، مولانا محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان، ۲۰۰۱ء
۴۰) تربیت الاولاد فی الاسلام، عبد اللہ ناصح العلوان، دار السلام، بیروت
۴۱) تفہیم القرآن، سید ابو الاعلی مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء
۴۲) جامع ترمذی، محمد بن عیسی، الترمذی، (ترجمہ: مولانا وحید الزمان)، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۲۰۱۲ء
۴۳) جدید مالیاتی ادارے فقہ اسلامی کی روشنی میں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیو بند، سہارنپور، یوپی، ۲۰۱۴ء
۴۴) جرح و تعدیل، ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری، دار القلم، ۱۴۲۳ھ
۴۵) خطبات بہاولپور، ڈاکٹر حمید اللہ، ادارہ تحقیات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء
۴۶) خلافت ہمارے جملہ مسائل کا حل، چودھری رحمت علی، عابد محمود قریشی، خلافت پبلیکشنز، احمد منیر شہید روڈ، اچھرہ، لاہور، ۱۹۹۲ء
۴۷) خلق عظیم ﷺ، ڈاکٹر خالد علوی، ادارہ ادب اسلامی، لاہور، ۱۹۹۲ء
۴۸) دین فطرت "اسلام ہی کیوں؟ دیگر مذاہب کیوں نہیں؟، نور الحق صدیقی، طاہر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور
۴۹) رسول اکرم ﷺ اور تعلیم، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، (ترجمہ: ارشاد الرحمن)، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء
۵۰) رسول اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبر امن و سلامتی، مفتی محمد شفیع، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
۵۱) رسول ﷺ بحثیت معلم، نعیم صدیقی، الفیصل پبلیشرز، لاہور
۵۲) ریاض الصالحین، نووی، (ترجمہ: حافظ صلاح الدین)، دار السلام، لاہور
۵۳) سلوک واثرہ فی الدعوۃ الی اللہ، فضل الٰہی، در ابن حزم، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۰ھ
۵۴) سیاست شرعیہ، ابن تیمیہ، ترجمہ: (مولانا محمد اسماعیل گودھروی)، کلام کمپنی، ترتھ داس روڈ، کراچی
۵۵) سیرت النبی ﷺ، ابن ہشام، ترجمہ: مولانا قطب الدین احمد صاحب محمودی، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور
۵۶) سیرت النبی ﷺ، نعمانی، مولانا شبلی، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۱ء

۵۷) سیرت النبی ﷺ، مولانا شبلی نعمانی، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، قرآن محل، کراچی
۵۸) سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ء
۵۹) سیرت سرور عالم ﷺ، سید ابو الاعلی مودودی، مرتبین: نعیم صدیقی، عبد الوکیل علوی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۹ء
۶۰) سید اسعد گیلانی، اسلامی تہذیب واقدار، فیروز سنز، ۱۹۹۱ء
۶۱) شبلی نعمانی، ڈاکٹر اسلم فرخی، مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی، فروری، ۲۰۱۱ء
۶۲) شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء
۶۳) صحیح بخاری، ترجمہ وشرح، مولانا ظہور البازی اعظمی، حواشی، مولانا محمد امین اوکاڑوی، مکتبہ مدفیہ، لاہور
۶۴) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، مسلم بن الحجاج، مسلم، خالد احسان پبلشرز، لاہو، ۲۰۰۴ء
۶۵) صحیح مسلم ترجمہ و مختصر تشریح: پروفیسر محمد یحیی سلطان، مکتبہ دارالسلام، ریاض، طبع اول، ۱۴۳۴ھ
۶۶) عہد نبوی کا نظام حکومت، پروفیسر ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی،، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء
۶۷) عہد نبوی میں نظام تعلیم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، شمس الاسلام پریس حیدر آباد، دکن، ۱۳۶۱ھ
۶۸) عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، ڈاکٹر، عبد الرؤف ظفر، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۱۲ء
۶۹) علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۲۰۱۲ء
۷۰) قرارداد امن، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور، ۲۰۱۶ء
۷۱) قرآن اور امن عالم، ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام قرآن، لاہور، طبع نہم، ۲۰۰۴ء
۷۲) قیادت اور ہلاکت اقوام، خلیل الرحمٰن چشتی، الفوز اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
۷۳) کتاب الخراج، القاضی ابو یوسف، اردو ترجمہ مطبوعہ، کراچی
۷۴) کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان، طبع ہشتم، ۲۰۰۷ء
۷۵) لا تفرقوا، محمد ارشد آزاد، شعبہ نشرواشاعت تحریک اتحاد عالم اسلامی، ۱۹۸۰ء
۷۶) لطائف المعارف، ابن رجب، (م: ۷۹۵ھ)، ترجمہ: مولانا مشہود احمد، مکتبۃ العلم، لاہور، ۱۴۲۳ھ
۷۷) لمحات حالات زندگی خرم مراد
۷۸) محمد نبوی کا تعلیمی نظام، شیخ محمد یاسین، معراج الدین پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۵ء
۷۹) محسن انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور
۸۰) مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول درس ۱۴، ڈاکٹر اسرار احمد، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۵ء

۸۱) مسلمانوں کے علمی و ثقافتی کارنامے، امیر الہدی، قمر کتاب گھر، کراچی
۸۲) مسئلہ قومیت، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور
۸۳) معیشت اقتصاد کا اسلامی تصور، حکیم محمود احمد ظفر، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰-انارکلی لاہور، ۲۰۰۶ء
۸۴) مکالمہ بین المذاہب، مولانا ولی خان المظفر، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۷ء
۸۵) نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، مفتی محمد شریف الحق، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، طبع دوم، ۱۴۲۸ھ
۸۶) نبی کریم ﷺ بحثیت معلم، پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء
۸۷) نظام تعلیم: نظریہ، رویت، مسائل، پروفیسر خورشید احمد، پرنٹ پرر ڈپرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۲ء
۸۸) نفاذ شریعت کے حوالے سے تمام مکاتب فکر کے جید علماء کے پندرہ نکات، ملی مجلس شرعی، اقبال ٹاؤن لاہور، ۲۰۱۵ء
۸۹) ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، ڈاکٹر محمد امین، قاسم پرنٹرز، اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور، ۲۰۱۰ء

اخبارات، رسائل و جرائد

۱) پیغام پاکستان، پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیا الحق، ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۱۸ء
۲) روزنامہ پاکستان، لاہور، سیرت نبوی، ۱۵ فروری ۲۰۱۲ء
۳) سید ابوالاعلی مودودی، فکری، علمی، انقلابی رہنما، لیاقت بلوچ، روزنامہ پاکستان، ۲۰ اکتوبر، ۲۰۱۴ء
۴) نوائے وقت، لاہور، ۱۴ اکتوبر، ۱۹۹۳ء
۵) Pakistan government of planning commission,The second five year plan Islamabad:The commission,June,۱۹۵۰، ۵۱۷p,۱۹۶۵
۶) https://islamhouse.com/ur/author/۲۱۶۳۲/
۷) http://www.nawaiwaqt.com.pk/karachi/۰۶-Feb-۲۰۱۶/۴۵۱۰۴۳
۸) http://www.mawsoah.net